

UG7696

Date- 22/12-23

Title - KAVYAYEE SADIQVA,

creator - Moid. Nageel Ahmad Khan,

Publisher - Matba Anwarai (Delhi),

Date - 1312 H.

Pages - 216,

Subjects - Urdu Novel.

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ إِذْ رَأَى الْقُرْآنَ يَنْزِيلًا

رِزْوَانًا لِّدِينِهِ
وَلَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ إِذْ رَأَى الْقُرْآنَ يَنْزِيلًا

ہر اس کا اب جتنی باتیں بھی نہ جانتا ہو اس کا اسلام کیا۔

روایاتی دقہ

اس میں یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ چچا اسلام بالکل عقل کے مطابق ہے اور اس میں محکوم و متنبہات کو قبول نہیں کیا
مہتمم

مولوی حافظ ڈوہڑی محمد نذیر احمد خاں صاحب سابق ڈوہڑی کلکٹر و ممبر بورڈ آف رونیو ریاست جہلم آباد
دکن و حال طبع خوار سرکار عالی فطام

جسری شدہ
وہابیہ دین کے لئے
وہابیہ دین کے لئے

واقعہ دہلی کے لئے
واقعہ دہلی کے لئے



MA LIBRARY A.M.U.

U67596

فہرست کتب موجودہ دکان محمد زید حسین تاجر کتب ہلی بازار

نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت
مربع اسلام اسلام کی ابتدائی	۲۴	سید محمد علی خان بہادر	۲۴	مستزید کے گچر	۳۳
حالت اور اسکی ترقی و منزل	۳۳	دعوت الاسلام	۳۳	ہم احمدی بھی	۲۲
کی کیفیت	۲۲	اسلامی عقائد	۱۲	آئینہ فطرت	۲۲
عام محبت	۱۲	کشف المحجوب اردو	۲۲	نقیر جانفزا سے بیل	۳۳
فطرتی تبلیغ اس کتاب	۳۳	رسالہ جہاد	۳۳	دافع بغاوت جواب رسالہ	۲۲
میں ایک متعصب عیسائی کے	۳۳	صداقت	۳۳	جہاد	۲۲
جواب میں	۳۳	وید اور قرآن کا مقابلہ	۲۲	نماز اور اسکی حقیقت	۲۲
ولادت مسیح	۳۳	تحریر میل	۳۳	سیرۃ عثمان یعنی سوانح	۲۲
اصول بطلان مذہب	۳۳	توحید فیصلہ	۳۳	عمری حضرت امام عظیم	۲۲
عیسائی رو عیسائی	۱۲	احسان عام	۱۲	حسن البیان فیما فیہ النکاح	۲۲
مستسلم العرب قبل الاسلام	۲۲	مجموعہ مجسمات محمدیہ	۵۲	سیرۃ النعمان کی ترویج	۲۲
حالات حوادث عرب	۲۲	غایۃ المرام مرزا غلام احمد	۲۲	سیرۃ فاروق یعنی سوانح	۲۲
سباحۃ دینی صاحبہ عیسائی	۲۲	قادیانی کے عقائد جدید	۲۲	عمری حضرت فاروق رضی اللہ	۲۲
وسلمان	۲۲	پر محبت	۲۲	عہد اسلام لائے کہ وقت	۲۲
اچھاٹ ضروری	۲۲	فرقت	۳۳	سیرۃ زمانہ خلافت مکہ	۳۳
الذریعۃ	۲۲	تذکرہ لہب و	۲۲	کا ذکر ہے	۲۲
سبح	۲۲	دفعہ الاملازم	۲۲	شرق المساقب یعنی	۲۲
سبح	۲۲	عقائد اہل سنت و جماعت	۲۲	سوانح عمری بوعلی شاہ	۲۲
سبح	۲۲	سیرۃ چشم آریہ	۱۲	قلندر بانی تہی	۳۳
سبح	۳۳	اسلام انسان کے حق میں	۳۳	روضۃ الاقطاب یعنی	۲۲
سبح	۲۲	رحمت ہے	۲۲	سوانح عمری خواجہ قطب	۲۲
سبح	۱۲	پتھی انسانیت	۱۲	الہدیین بخت یار کا کی رح	۱۲

ہوتا ہے کہ گھوڑا بھی کسی نہ کسی طرح کے عابث کھتا ہے۔ لوگوں نے بہت کچھ عقلمند وراثیں مگر کسی کو
 بھٹکاتے نہیں ملا۔ کہ خواجے کیا چیز اور اس کی تعبیر کے اصول کیا ہیں۔ ہم بھی مدتوں اس خطہ
 گرفتار رہے جبے صادقہ کا حال سنا۔ یہ خیال ہی چھوڑ دیا اور سمجھ لیا کہ نواب بھی اسرار آتی ہے
 ع خدا کی باتیں خدا ہی جانے۔ اس عورت کا دماغ بھی خدا نے عجیب ہی طرح بنایا تھا۔
 کی ذہین تھی۔ یوں بھی لڑکیاں بوسنے اور بات چیت کرنے پر جلد قادر ہو جاتی ہیں۔ اور صما
 صفائی برس کی بھی نہ ہوگی کہ ہم نے اپنے کانوں اس کو مختلف اوقات میں مختلف مواقع
 رتے سنا۔ نہ لغزش نہ لکنت نہ رکاوٹ۔ اس کا حافظہ ایسا قوی تھا کہ اس کو اپنے بچپن
 میں جب کہ اس کو اچھی طرح گفتگو بھی نہیں کرنی آتی تھی ایسے صاف طرہ پر یاد تھیں کہ

ن پھر چاہنا کھانڈ سے کھانا۔ یا مربے کی پھانک سے۔ مگر خاکسے لیے اوپر سے
رات کو آپ بھی ملے کھانسی کے بے چین رہو اور ہم سب کی فیند بھی حیران
۔ اما جان مجھے کام ترسان تو کر کر ٹوٹ گیا۔

در کیونکر۔

اور کیونکر تو میں جانتی نہیں مگر میں نے خواب میں دیکھا ہے۔

سب لوگ ہنس پڑے۔ بات گئی گزری ہوئی۔ ماما نے جلدی جلدی کر کے تار
مربے کے لیے کوٹھری کھولی، ایک سچھوڑو دو دلیاں نکل کر بھاگیں۔ اندر جا کر وہ
میں پر ٹٹا۔ اسے دو چار بار تو لوگ خبر نہ ہوئے۔ لیکن جب دیکھا کہ یہ ہر
نی تھی کہ کچھ بھی ماما تو گھر والوں کو اچھا شغلہ ماتھے آیا۔ صبح ہوئی اور سب نے
نکدہ آج اب نہ دیکھا ہو۔ اور نہ ایسا ہو

گیا۔ ادھ

اُس نے بیداری میں آپ تعبیر سے لی۔ ایک عجیب بات اور بھی کہ صادقہ کبھی فرمائی خواب بھی کبھی تھی یعنی مثلاً ہم کو ایک بات کے معلوم کرنے کی ضرورت ہو۔ اور ہم نے اُس سے درخواست کی۔ جیسا کچھ ہوئے والا ہوا۔ صادقہ نے خواب میں کچھ دیا۔ مگر یہ بات اس کے ختمیا کی نہ تھی۔ بہتیری مرتبہ ایسا ہو کہ صادقہ نے خواب کچھنا چاہا اور بھلا یا بُرا کچھ بھی دکھائی نہ دیا۔ صادقہ نے سب نہیں مگر اپنے ضروری اور معرکے کے خواب تعبیریت روزنامے کے طور پر ایک کتاب میں جمع کر لیے تھے۔ اور اتفاق سے وہ اصل روزنامہ ہمارے ہاتھ آ گیا ہے۔ اور ہم اس کو عن قریب چھپوانے والے ہیں۔ جب وہ روزنامہ مشہور ہوگا تو قابل دید ہوگا۔ نہایت دل چسپ۔ اُس روزنامے میں ایک بڑی خوبی تو یہ ہے کہ کو دن سے کو دن اور غبی غبی اس کو پڑھ لے اور اچھی ہوئی باتوں کو آسانی کے ساتھ سلجھانے لگے۔ اور اس میں تو ذرا سا بھی تامل نہیں کہ صادقہ کا روزنامہ دیکھنے کے بعد اتنی بات تو چاروں چار تسلیم کرنی پڑتی ہے کہ جہاں کے علاوہ ایک عالم اروج بھی ہے اور سوتے میں ہمو اس کی جھلک بھی دکھائی ہے۔ اور یہی سب علم اس میں مشق و مہارت پیدا کریں تو بہت سے اسرار قدرت منکشف ہوں۔ اور یہی مہتممی ہو کہ جو ہم دیکھنا کرتے ہیں۔ ایک۔ ایک کی پروا نہیں کرتے۔ ان میں سے ہر ایک میں بڑے بڑے مطالب پوشیدہ ہیں۔

دوسری فصل صادقہ کا ایک عجیب خواب

لیکن یہ باتیں روزنامے کے ساتھ لکھنے کی ہیں۔ تاہم اس غرض سے کہ لوگوں کو صادقہ کے خوابوں کی وقعت ہو جس کے وہ متقی ہیں مثال کے طور پر صرف ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ صادقہ کے ماسولالہ آباد کی طرف کہیں تحصیل راستے۔ کثیر العیال اور اس پر رسم دل درخی ایسے کہ باوجود موٹا کھانے اور موٹا پہنے کے ہفتہ متحمل۔ روپیوں کے نہیں پیسوں کے۔ تو وجہ کیا تھی کہ آدھے کے لک بھگ تو ان کی تنخواہ مصداق خیر میں چلی جاتی تھی۔ بیوہ اور یتیموں اور مسکینوں کی تنخواہیں جو مقرر تھیں سو تھیں۔ کتنے غریبوں کے بچوں کی فیس دیتے۔ ان کے لیے کتابیں ہم پہنچاتے۔ اور ان کو مدرسوں میں پڑھواتے کبھی سنا نہیں کہ کوئی سائل ان کے یہاں سے محروم پھر ہو۔ وہ ہمیشہ سنے سالموں اور سواق خیرات کی تلاش میں رہتے۔ اور ان کا

خیال یہ تھا کہ نہیں معلوم کس کا دیا خدا کی درگاہ میں قبول ہو جائے۔ ساری عمر پیش قدمی قرار ماننے کی نوکریاں
 کہیں۔ اور گھر میں بچھو تو بیوی بیٹیوں کے کانوں میں چاندی کی بالیاں۔ تنگ موہری کے پاجامے۔ چمچ
 کی سادی جو تیاں۔ جس طرح بانگی سے اناج کے ٹھہر کا حال معلوم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ایک بات سے آدمی کا
 تمام طرز و مزاج کھل پڑتا ہے۔ جو شخص اس رعبے کا سخی ہو۔ محال عقل ہو کہ ظالم و مرئشی ہو۔ تحصیل دار صاحب کا
 حال یہ تھا کہ اگر کسی سکراری کام سے علاقے پر جلتے۔ ایک چھپتی لکڑی کی قتم۔ گھاس کا تنکا حرام غنم
 حملے کے لیے غارت مصیبت تھے۔ رعایا کے حق میں خدا کی رحمت۔ سکرار کے مقصد اخذ نہ۔ بیچارے کو شکر
 یہ درپیش تھی کہ قانون یاد نہیں ہوتا تھا۔ ہر برس امتحان میں جلتے اور ہر بار فیل ہوتے۔ کلکٹر ملکہ دلوئے
 دلوئے ٹھاکے۔ حکام بالادست درگزر کرتے کرتے عاجز آگئے۔ ضلع اور کشتری بلکہ بورڈنگ سے معافی
 کی رپورٹیں ہوتیں۔ مگر ان دنوں کی گورنمنٹ کچھ ایسی سخت گیر تھی کہ مطلق نہ پسچی گورنمنٹ اس بات پر ٹکی
 ہوئی کہ کچھ بھی نہ آتا ہونے تعلیم یافتہ اختیار اور اعتبار کے عہدوں پر بھرتی ہوں۔ دیانتہ سہی امانتہ
 رہت ہارمی سہی۔ سکرار کی خیر خواہی سہی۔ پرنس لوگ وہ روشن خیالی وہ آزادی راے۔ وہ بے قصہ
 وہ معاملات کہاں سے لائیں گے۔ جس کے بدون ملک داری ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ مصداق ہے
 خسرواں داند۔ تحصیل دار صاحب کا یہ اخیر سال تھا۔ کہ یا استحقاق پاس کریں۔ یا نوکری سے بٹرفیل
 یہاں تو منکر سے منکر کو بھی ماننا ہی پڑے گا۔ کہ خدا ہے اور اڑے وقت پر اڑے آتا اور اپنے نیک بندہ
 کی مدد کرتا ہے۔ امتحان میں بس زیادہ نہیں کوئی ایک ہفتہ باقی رہا ہوگا کہ صادق نے خواب دیکھا اور
 وہاں مانٹو صاحب کا وہی حال۔ کورے سپاٹ۔ کارروائی چھٹی مقدمات کی تجویز درست۔ کتابی سوال
 پوچھو تو سکوت۔ اور کچھ بتایا بھی تو ادھور اور غلط۔ خدا جانے کس کی دعا لگی۔ کجا صادق اور کجا قانون کا
 امتحان۔ مگر اتنے غیبی نے خواب میں پورے کے پورے سوال بتا دیئے۔ صادق نے صبح سو بیدار
 اٹھ سوالات لکھ رجسٹری کر مانٹو پاس روانہ کیئے۔ ہر چند تحصیل دار کی طبیعت کو قانونی مناسبتہ نہ تھی اور
 کسی قدر نسیان بھی تھا۔ مگر سوالات ایسے وقت پر پہنچے کہ تحصیل دار صاحب نے اطمینان کے ساتھ ان کے
 جوابات سوچ دیئے۔ صادق کے خواب پر بھروسہ تو تھا۔ مگر تو بھی اندر سے دائی ہلکے پڑ کر رہا تھا۔ مجلس

امتحان میں جا کر بیٹھے۔ تو ایک لفظ اور شے کا بھی تو فرق نہ تھا۔ بڑی ناموری کے ساتھ پاس ہوئے
تخو اور خیرات زیادہ ہوئے سو الگ۔

تیسری فصل خواب دیکھنا صادقہ کے حق میں مضبوط

بے شک صادقہ میں جکی خواب دیکھنے کی ایک خاص صفت تھی لیکن سوائے اس ایک نئی بات
جو ہم نے ابھی بیان کیا اور ایک خواب جس کا حال آگے چل کر معلوم ہوگا۔ اُس نے کبھی کوئی بکارآمد خواب
نہ دیکھا۔ اُس کو آئندہ کے واقعات دکھائی دیتے تھے۔ مگر اتنا ہی فرق تھا کہ اور لوگوں کو وقوع کے بعد
خبر ہوتی تھی اور اس کو ذرا پہلے۔ ایک عالم غیب کی ٹوہ کے پیچھے پڑا ہے۔ اور اسی بنیاد پر نجوم اور رمل اور
جفر اور فال اور شگون اور کیا اور کیا۔ کتنے پاکھنڈ دنیا میں چل پڑے ہیں۔ لیکن جب ہم واقعات اور
اُن کے نتیجوں کو روک نہیں سکتے تو پہلے سے جان لینا اگر ہو بھی تو کیا فائدہ سکتا ہے۔ اور یہی سبب ہے
کہ خدا نے کسی بندے کو غیب کا علم نہیں دیا۔ کیونکہ سب باتیں اُس نے اپنے قبضہ قدرت میں رکھی ہیں۔ اور
کسی کو اس قدرت میں شریک کرنا چاہا نہیں۔ تو نرا علم بے قدر کر کے کم کا تھا۔ صادقہ کے خواب بھی
اسی قبیل سے تھے۔ اگر اس نے کوئی اچھا خواب دیکھا تو صلی اور عین خوشی کے مقابلے میں اُس کی
خوشی بہت ہوتی ہوگی تو جیسے عید سے پہلے عرفہ۔ اور اگر بُرا دکھائی دیا تو وہی کماوت ہوئی کہ قبل از
مرگ وادبلا۔ صادقہ کو ہم نے کبھی اس کی شیخی مارتے بھی نہ دیکھا اور کچھ کام کی بات ہوتی تو اُس ناز و نیاز
پر ہوتا۔ بلکہ ہمارا خیال یہی کہ صادقہ اپنی اس ہر بات سے دل میں خوش نہ تھی۔ گو اُس نے ناخوشی کبھی
ظاہر نہیں کی۔ اول تو لوگوں کی فرمائشیں اُس کو پریشان کیے رہتی تھیں۔ کوئی بندہ بشر ایسا نہیں جسکو
واقعات آنے سے پہلے سے۔ لیکن صادقہ ضرور نہ ہو۔ یا واقعات آئندہ دریافت کر لے گا اُس کو شوق نہ
بھی کوئی نہیں جتا تھا۔ اور بس وہی اور فرمائشی خواب دیکھنا صادقہ کے خیرات میں نہ تھا۔ اکثر ایسا
میں یہ جھنگ پڑی تو اس نے صادقہ خواب دیکھنا چاہا۔ ادھر حید کو شمش کی بُرا بھلا کچھ بھی نہ دکھائی
بعد سے اگر کوئی کچھ پوچھنے آیا تو اُس نے ناحق ناراض ہوتے۔ اور صادقہ پر بے توجہی یا اخائے حال کی
ساتھ سے لڑتی۔ اور ایذا کی بات بھی تھی۔ سب سے بڑا نقصان جو صادقہ کو

اپنے خوابوں کی بدولت پہنچا یہ تھا کہ لوگ اُس کی نسبت خیال کرنے لگے کہ اس کے سر پر کچھ ہے۔ ایک طوطا پر اُس کا ادب کرتے اور اُس کو وقت کی نظر سے دیکھتے۔ مگر دل ہی دل میں اُسے بھی ستھے کہ خدا جانے کیا اسرارِ باریک آئینہ چل کر کیا گل کھلے۔ اور یہی وجہ ہوئی کہ صادقہ اکیس بائیس برس کی ہو گئی اور کمپنی اُس کے بیاہ نخل کا پیامِ سلام کیا مگر تک بھی تو نہ آیا۔ کئی برس تک اُس کی ماں اس پر اڑی بیٹھی رہی کہ بڑی آگے سے اٹھ لے گی تو چھوٹیوں کا ٹھکانا کروں گی۔ بڑی کے آگے چھوٹیوں کو بیاسہ جانے کا کیا حق ہے بڑی کو کوئی نہیں پوچھتا۔ تو چھوٹیوں کے لیے میں سو ففہ کسی کو نہیں پوچھتی۔ یہی نہ کہ تینوں میرے گھٹنے سے لگی لگی بوڑھی ہو جائیں۔ ہلا سے۔ خدا نہ کرے میرے بھانکے کی کمی ہے۔ پہلے یہ تینوں اور نیچے ہم سب۔ مجھے تو دونوں آنکھیں برابر ہیں اور تینوں ہی میرے کلبے کے ٹکڑے ہیں۔ بڑی کو بیٹھا رہنے دوں اور چھوٹیوں کے گھر بادوں تو بڑی دل میں کیا کہے گی۔ اور پھر تو بڑی کی بات کہیں ہوتی بھی ہو تو نہ لوگوں کے دل میں نہیں ڈالا جاتا۔ خدا رکھے وہ نہیں اور بھی ہیں مگر بڑی بڑی ہی ہے صورتہ شکنش دونوں سے میں۔ خانہ داری کا سلیقہ۔ ماشاء اللہ ایسا کہ گھر کی یہ ساری رونق صادقہ ہی کے دم سے نکلتی پڑھی لکھی ہوشیار ذہن کی تیز اور کتنی بڑی خوبی ہے دین دار۔ کچھ آج کل کے مردودوں کی قسم ہے ہی ہوئی ہو۔ ورنہ اس کے گنوں کو دیکھیں تو ہزاروں اس کے خریدار ہوں۔ اور جب اس کی قسم کھلے گی تو جس پلے بند رہے گی وہ زندگی کا مزہ بھی پائے گا اور کہے گا کہ ماں بیوی ہو تو ایسی ہو۔ یہی خوابوں کی بات سوال تو مدتوں سے اُن میں بہت ہی کمی ہو گئی ہے۔ اور عجب نہیں بیاسہ سے اتنی بھی نہ رہے لیکن کسی کا جج ہی کیا ہے۔ بلکہ قدر کرنے والا ہو تو سونے ایک طرف اور یہ اکیلا ایک طرف۔ بیوی کی بیوی اور بیوی کی بیوی۔ آج لوگ کیسے کیسے جتن کرتے ہیں

تحتوں کے سوا کچھ حاصل حصول۔ اور یہی صادقہ تو جو کہتی کی بات نہ کبھی جھوٹی ہوئی اور نہ کبھی جھوٹی ہو۔ لیکن حق ناحق دیں۔ اس کا کیا جواب۔ بس صبر اور شکر۔ الٹی جو ایسا شبہہ کریں پیاروں کو اور اُن کے رہتے سہتوں کو۔ میری صادقہ کہ

خیالات صادقہ کی ماں کے جو ایک سال کو بچنے چاہئیں لیکن وہ لوگوں کی عام رائے کا اگرچہ وہ اس غلط
 تھی مقابلہ نہیں کرتی تھی حال یہ تھا کہ چھوٹی بیٹیوں کے لیے پیام پر پیام رقعے پر رقعے چلے آتے تھے اور
 صادقہ کے لیے موندھ چھوڑ کر کہا بھی جاتا تھا تو بھی کوئی نامی نہیں بھرتا تھا۔ لحاظ کے بارے کسی نے نہ
 سے نہ کہا۔ مگر وہ چپ کر جانا بھی کہے داخل تھا۔ آخر کنبے کے لوگوں نے سمجھا یا کہ اس کے کرم میں بہری
 نہ لکھا ہو گا تو کیا کر لوگی۔ ایک کی خاطر دو کی منزل کھوٹی کرنی بھلا یہ بھی کوئی عقل کی بات ہو۔ اور فرض کرو
 زبردستی سر پر کر کیا بھی اور خدا کو اس کا گھر بسانا منظور نہ ہو تو اپنی اپنی تقدیر اپنا اپنا نصیب۔ ایک ماں
 کے پیٹ سے سب بچے ہوتے ہیں۔ دسوں کی دس صورتیں اور دس طرح کی قسمت۔ رہا بیٹیوں کا بٹھانا۔ سو
 یہ ماتی بادشاہوں سے نہیں باندھے گئے بیٹیاں پر یاد دہن ہیں۔ اور سدا سے ہوتی چلی آئی ہے اور ہوتی
 چلی جائے گی کہ ان کو پالو پوسو۔ اور آخر کار جس کی امانت ہے اس کے حوالے کرو۔ تو تم یہ ضد چھوڑ دو
 بندے کا کیا حوصلہ ہے کہ خدا سے لڑے۔ چھوٹیوں کو ٹھکانے لگنے دو۔ بڑی کا بھی خدا مالک ہے جب
 اس کا وقت آئے گا۔ اور اس کے نصیب کھلیں گے۔ غیرتے کوئی اس کا بھی خریدار پیدا ہو جائے گا۔ اگر کو
 رستہ تو ہو۔ دوسرے دوسرے مدھیانے ہوں گے۔ چار کے کان آواز پڑے گی۔ ایسا بھی کیا ہے کہ
 کوئی اس کا خاناں نہ ہو۔ غرض برس کے اندر ہی اندر دونوں چھوٹی بہنیں یا ہی جا کر دو دو تین تین بچوں
 کی مائیں ہو گئیں۔ اور چچاری صادقہ کو کہ کوئی اس پر ماتھ نہیں رکھتا گویا بیٹا ہے جانے کے لیے خدائے
 اس کو پیار ہی نہیں کیا یوں تو بیٹی والوں کو بہتری ہی جلدی ہوتی ہے۔ اور نہ کیوں ہو۔ دیر لگی اور لڑکی
 کھٹائی میں پڑی۔ لیکن لحاظ کے بارے اور کچھ اس خیال سے بھی کہ خدا جانے کوئی کیا گمان کرے یہ
 لوگ گھبراہٹ کو ظاہر نہیں ہونے دیتے نہ ان کی طرف سے ابتدا ہوتی اور نہ اس قدر جلد رضا مند ہو جاتے
 کہ بس نہ نظری بیٹھے تھے۔ لیکن صادقہ کے لیے تو خدا کی کو بھی اٹھا کر بالائے طاق رکھ دیا گیا تھا مائیں
 بھی کوئی نہیں جنتا تھا۔ اور بس وہی ایک دامہ کہ اس کے سر پر کچھ ہے۔ جب صادقہ کی ماں کے کان
 میں یہ جنگ پڑی تو اس نے صادقہ کو باقاعدہ غن کر دیا تھا کہ خبردار جو خواب کا نام لیا ہو گا۔ اور اس کے
 بچے سے اگر کوئی کچھ پوچھنے آیا تو اس کو بھی ترش مونی سے کہہ کہہ دیا کہ لوگو کیا کھیل لگایا ہے۔ ایسا ہی

غیب دانی کا شوق ہو تو بچہ میوں پاس جاؤ۔ پنڈتوں سے پتر اٹھلاؤ۔ مولوی ملا سے فال نکھلاؤ پاس بیچاری کے پیچھے کیوں پڑے ہو۔ اب یہ گھر کا کام کلج کرے یا تمھاری بیگار بھگتے۔ پس اگرچہ کئی کئی برس سے خوابوں کا چرچا بند تھا۔ مگر تارٹنے والے تار گئے تھے۔ اور صادقہ کی نسبت لوگوں کا وہ عام خیال کہ اس کے سر پر کچھ ہے نہ مٹا پر نہ مٹا۔ اُدھر تو صادقہ کی ماں نے اُس پر خوابوں کی بندی کر رکھی تھی۔ اور ادھر رُودر ورنہیں اُس کی سہیلیوں اور بھولیوں اور پلٹ پلٹ والیوں کی معرفت تقاضا تھا کہ جس طرح ہو سکے اپنے بیاہ کے پائے میں کوئی خواب دیکھے۔ صادقہ عجب مصیبت میں گرفتار تھی۔ خواب کا دیکھنا اس کے اختیار میں نہیں جھوٹ جھوٹ دل سے بنا کر کہے۔ یہ اس کی عادت نہیں۔ ایسی تو کیا بات ہو کہ صادقہ کو اپنے بیاہ نے جانے کا ملال نہ ہو۔ وہ دیکھتی تھی کہ گھر میں رات دن اسی کا ذکر ہے۔ اور ہر شخص اپنی جگہ افسوس ہے ممکن نہیں کہ اُس پر ایسا اثر نہ پڑتا ہو۔ کُتبہ اور محلہ تو بجائے خود اُس نے اپنے ہی گھر میں اپنے سے چھوٹی اور اپنے سے بڑی ایک چھوڑو دو بہنوں کو بیاہے جاتے اور بچے کھلاتے دیکھا۔ تھی تو وہ بھی آدمی ہی کا بچہ۔ کیوں نہ خیال آتا ہوگا۔ مگر اُس کی کسی ادا سے کبھی یہ بات ظاہر نہیں ہونے پائی کہ اس کو کواری بیٹھے رہنے کا اتنا بھی رنج ہے جتنی اُرڈو پر سفیدی۔ وہ اپنی بہنوں کی شادی بیاہ چھٹی وغیرہ تقریبات میں ایسی ذرا شریک ہوتی کہ کواری عورتہ کے لئے بلکہ کسی قدر نامناسب تھا۔ اُس نے ماں سے لڑ کر اُمیدوار ہو کر بہنوں کے حقوق دوائے۔ اور اتنا مال کو بیاہی ہوئی بیٹیوں کا خیال نہ تھا جتنا اس کو بہنوں کا۔

چوتھی فصل صادقہ کا تہنہ خانہ داری

وہ جو سنتے ہیں کہ اُمید ہی میں بھی ایک طرح کی راحت ہے۔ میں ہی حال صادقہ کا تھا۔ اُس نے سمجھا تھا کہ اگر میری بیٹی ہو تو میری زندگی بسر کروں گی اور کواری ہی مر جائے گی۔ اور وہ ایسی زندگی نہ سمجھتا تھا کہ کل جیہاں میں نہ ہو۔ مگر اس میں بھی چھوٹی سی بات میں بیاہ دی جاتی ہیں کہ ان کو خانہ داری کے لئے بیٹہ طہاری کرنے کی کافی مہلت نہیں ملتی۔ صادقہ کو بڑی مہلت ملی۔ مگر اس کو خانہ داری کی طرف سے بالکل نا اُمید ہی تھی۔ تاہم اُس نے ان لیا قوتوں کا بہت بڑا ذخیرہ جمع کر لیا۔ جو ایک شریف بی بی اور لائق

ماں میں ہونی ضرور ہیں۔ اس نے ماں کے گھر کو اپنا گھر اور بچہ ہے بھائی بہنوں کو اپنے بچے سمجھ کر خانہ دار کے سبب نیش و فرزند نظر میں کر لیے۔ جو باتیں سینہ بسینہ سکھائی جاتی ہیں ان کے علاوہ اس کی علمی ہدایت اس دے بچے کی تھی کہ ایسا ویسا مردا پس کی جوڑ کا نہ تھا۔ وہ تو خدا کو پروردہ کا رکھنا تھا۔ کہ بیٹھے بٹھائے لوگوں کو اس پر سبب کا اشتباہ ہو گیا۔ ورنہ کتنوں کو اس نے یہ کہہ کر بچا دیا ہوتا کہ میں ان کے قابل نہیں۔ گھر لے لو کہ چاکر گئے ہوئے ہیں آدھی صبح میں آدھی شام کھانے والے اور یہ ہنگامہاں اور اجلی زندگی اور کام سوتا روپے بیٹنے کی آمدنی۔ اسی میں شادی اسی میں غمی۔ اسی میں تیر تہو ہار اور اسی میں آیا گیا بھی کسی دوسرے کے ماتھے میں یہ نظام ہوتا تو نہیں معلوم کتنی دفعہ دو لاکھ لاکھ ہوتا۔ مگر وہ تو صادقہ ہی سری کی خوش سلیقہ تھی کہ ہر چیز سے امیری کی شان ظاہر ہوتی تھی۔ بال بچوں کا گھر اور ایسا گھر اخراجا نے کیا کمال تھا اور کوئی اور بچوں کو کیسا سدا یا تھا۔ ہر ایک الان میں بھر پور چاندنی بچھی ہوئی۔ صدر مقام پر جا رہا ہوا تو قالین اور گرمی ہوئی تو سوزنی۔ سوزنی پر گاؤں تکیہ۔ ایک پہلو میں پٹاری۔ دوسرے میں صندوقچہ۔ سامنے آگال ان آگال ان پر تہ کیا ہوا جلا رومال۔ دالان کی دونوں طرف دو نواری پلنگ۔ دونوں پر سفید چادریں کئی بیٹیں۔ نہ جھول نہ سلوٹ۔ سرھانے کے نیچے الگ۔ بغلی الگ۔ پانچتی کو موسم کے مطابق چادریاں دولائی اوپر پلنگ پوش۔ باورچیانہ ہم نے صاف پکھا تو صادقہ کے گھر کا۔ کہ اگر چلے نہ ہوں تو کوئی تمیز نہ کر سکے کہ یہ باورچیانہ ہے۔ گھر کی صفائی دیکھ کر خیال گزرتا تھا کہ کیا ہر وقت ایک آدمی جھاڑو سے لے لکھڑا ہوتا ہے کہ کہیں تنکے کا نام نہیں کوٹھڑیوں میں گھس گھس کر دیکھا تو بلا مبالغہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہر ایک کوٹھری بجائے خود دوکان ہے۔ اور اس میں بیچنے کے لیے سبب بجا یا گیا ہے۔ پانی کے مشکوں کی بھی کچھ چھل ہے۔ باوجودیکہ برسوں دن رمضان کے رمضان بدلے جاتے تھے۔ مگر جب جس کے جی میں آئے جا کر دیکھ لے ایسے معلوم ہوں گے کہ کورے منگو کر رکھے ہیں۔ سبب یہ کہ دونوں وقت اندر باہر سے مانجے اور گرے جاتے ہیں۔ اور کائی یا گرو جھنے نہیں پاتی۔ ہم کو بڑی ہی حیرت ہوئی تھی کہ سٹو روپے میں ایسا گھر کیونکر چلتا ہوگا۔ لیکن غور کرنے سے معلوم ہوا کہ خانہ داری میں اکثر چھوٹی چھوٹی باتوں کی طرف توجہ نہیں کی جاتی۔ اور ان ہی میں بہت خچہ بیٹھتا ہے مثلاً بچوں کا ناشتہ اور بازار کا سودا سلف

شہر میں رہ کر بازار کے سودے سلف کی قسم تو کھائی نہیں جاتی۔ مگر ماں صادقہ اس اتہام میں ضرور لگی رہتی تھی کہ جہاں تک ہو سکے کسی کو اس کی چاٹ نہ پڑنے پائے۔ یہ نہیں کہ وہ بچوں کو ترساتی تھی۔ بلکہ ہر قسم کی خانہ ساز چیزیں ہر وقت موجود رہتی تھیں۔ اور وہ یقیناً بازاری چیزوں سے زیادہ لطیف اور مزہ دار ہوتی تھیں۔ اس میں شک نہیں کہ رات کا بچا ہوا باسی کھانا کسی کو نہیں بھاتا۔ اور اکثر اس کا مزہ بھی اُتر جاتا ہے۔ اور یہی وجہ ہوتی ہے کہ چارو چار بازار جی چیزیں سنگوانی پڑتی ہیں۔ لیکن اول تو صادقہ کا انداز ایسا ٹھیک تھا کہ اگر کبھی کبہا کچھ بچا بھی تو ایسا کہ اس کو سچا نہیں کہتے۔ اس کا اصول یہ تھا کہ نہ باسی بچے نہ کٹا کھائے۔ دوسرے اور گھروں میں بہن وقت کے کھانے کو ضروری سمجھا جاتا اور اسی کا اتہام ہوتا ہے۔ صادقہ کھانے سے بڑھ کر تازہ ناشتے کا اتہام رکھتی تھی۔ نتیجہ یہ تھا کہ کوئی جھول کر بھی بازار کے سودے کا نام نہیں لیتا تھا۔ اور اگر ابھی گیا تو کوئی چاؤ سے کھاتا نہ تھا۔ اور یوں مینے کے مینے ایک بڑی رقم پس انداز ہوتی تھی۔ زرنے کے کپڑوں میں وہ کچھ ایسا زیادہ کسرتیں کرنے لگی۔ بڑبڑاتی جاتی تھی۔ مگر بنانے ہی پڑتے تھے۔ لیکن مردانے کپڑوں میں اُس نے ایسا تصرف کیا کہ اس میں روپیوں کی جگہ انوں کا خرچ رو گیا تھا۔ اُس کو اس کی بڑی چڑ تھی۔ کہ مرد اگرچہ وہ بچہ ہی کیوں نہ ہو مہین کپڑے پہنے یا عورتوں کی طرح گوٹا ٹھپا لگائے۔ کچھ ایسی پٹی پڑھا رکھی تھی کہ آٹھ برس کے لڑکے کی کیا بساط وہ اپنے کسی ہم عمر کو کام دار جوتی پہنے۔ پھر نہنتا تھا۔ پس مردوں کے کپڑے قیمتی ہوتے تھے مگر سادہ اور چلاؤ۔ لباس کے بے میں چاہو اس کو فضول خرچ سمجھ لو کہ ایسے گھر میں ہوئی کو بہت اڑ کر ملتا تو سواروپہ ڈیڑھ روپیہ صادقہ چار روپے مہینا دیتی تھی۔ مگر ان کے یہاں کے اُترے ہوئے کپڑے دوسروں کے تازہ تہ دار دھلے ہوئے کپڑوں سے بہتر ہوتے تھے۔ اور پھر مینے میں چھڑچھڑات دھولائیاں جب کہ ہمارے یہاں کیا سارے شہر میں مینے کی ایک دھولائی کا پٹنا پڑا رہتا ہے۔ ایک خاص بات صادقہ کے یہاں ہم نے آؤر بھی دیکھی کہ اندر باہر ملا کر پانچ نوکر تھے مگر ان کے کام اس طرح پر بنے ہوئے تھے کہ نہ کسی کو کثرت کار کی شکایت اور نہ اتنی فرصت کہ احوالوں کی طرح پڑے اینڈا کریں۔ اور اس کی بڑی سخت تاکید کہ کوئی دوسرے کے کام میں ہٹ نہ لگائے۔ اس سے جو کیا تھا۔ کہ ہر ایک کو اپنی ذمہ داری معلوم رہتی تھی

اور جب کوئی کام بگڑتا تھا ایک شخص خاص کو اس کی جواب دہی کرنی پڑتی تھی۔ یہ نہیں کہ اتنا کو خالی بیٹھے دیکھ کر اس کے آگے سلامی ڈال دی۔ سینے والی سے آگاہ ہوا یا پکڑنے والی کو کسی کی خیر صلاح کی خبر کو بھیج دیا۔ اپنے کرنے کا کام نہ ہو تو خالی بیٹھی رہو۔ مگر دوسرے کے کام میں دخل نہ دو۔ دیر ہو تو تمھاری بلا سے اور بچڑے تو تمھارے صدقے سے۔ اس بطور ضبط کی قدر کوئی ان کے دل سے پوچھے جو گھر کا انتظام اٹھائے ہوئے ہیں۔ یہ ہر ایک مختصر سامونہ صادقہ کی کارروائی کا جس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ کس عقل درسیلے کی عورت تھی۔ مائے افسوس ایسی دشمن ایسی زیرک ایسی منتظم ایسی لائق۔ صدقہ کی اچھی سیر کی عمدہ اور وہ بائیس برس کی عمر تک صرف اس وجہ سے کواری بیٹھی رہے کہ سچا خواب دیکھتی تھی اور لوگ ناحق ناروا شبہ کرتے تھے کہ اس کے سر پر کچھ ہے۔ لیکن خدا کا کوئی فعل مصلحت سے خالی نہیں ہوتا۔ انسان اپنے قصور عقل کی وجہ سے ان مصلحتوں کو اکثر نہیں سمجھتا اور مومنہ سے نہ بھی کہے تو دل میں ناراض ہوتا ہی اور اس کو ناراض ہونے کا کوئی حق نہیں ہم خیال کرتے ہیں کہ یہی حال ہا ہوگا صادقہ کا اور اس کی بہتری چاہنے والوں کا۔ لیکن بعد کو منکشف ہوا کہ وہ اس غرض سے بٹھائی گئی تھی کہ فرارزل میں اس کا جوڑا ایسے شخص کے ساتھ بڑا تھا کہ معمولی طور کی عورت نہ اس کو خوش رکھ سکتی اور نہ آپ خوش رہتی

پانچویں فصل بیاہ کے بارے میں صادقہ کے خیالات

ناظرین کی خدمت میں ان شخص کی تقریر کیجئے سے پہلے ہم ایک گفتگو نقل کرتے ہیں۔ جو صادقہ اور اس کی پڑائی چہین کی سہیلی ہمران بیگم میں ہوئی تھی کہ اس سے بیاہ کے بارے میں صادقہ کے خیالات ظاہر ہوتے ہیں۔ دونوں میں رشتہ ناٹھ کچھ نہ تھا۔ مگر مبالغہ کی ہم عمری اور ہم کبتی کی وجہ سے ایسا خلا ملا تھا کہ دو بیلیوں میں کہیں ہوگا تو بس اتنا ہی ہوگا۔ خدا جانے کس نے بیان کیا تھا۔ کہ دونوں نے ایک ساتھ کا ہونا اس ن چھوڑا ہی جب ہمران بیاہی جا کر بڑا ہوئی۔ اور تب ہی سے صادقہ ہمران سے ذرا کچھ بھی لگی تھی۔ کیونکہ کواری لٹکی کا بیاہی ہوئی لڑکیوں سے بہت میل جل رکھنا ذرا بد نما بھی سمجھا جاتا ہے لیکن صادقہ کی رکاوت پر بھی ہمران کا یہ حال تھا کہ سسرال سے ہر روز بلا ناغہ خیر صلاح کے لیے آدمی بھیجتی اسکے آتی تو پہلے سیدھی صادقہ کے پاس آتی۔ اور سسرال طاقی تو سب اخیر اس سے مل کر جاتی۔ اور

باوجود اسے کہ ماں بہتیرا کرتی تو کئی رہتی تھی کہ دیکھو ایسا نہ ہو سسرال سے کوئی آدمی آنکے ہمراز کا
 کیا گنتی تباہیں ایک پانو اپنے گھر ہوتا تھا اور دوسرا صادقہ کے یہاں شروع شروع میں تو یہی
 کیفیت رہی مگر دنیا کی کسی چیز کو بھی قیام نہیں۔ جوں جوں ہمراز ہال بچوں کے پھیرے میں بھنستی گئی۔ پیار
 اخلاص میں تو نہیں مگر ماں تپاک میں کمی آتی گئی۔ یوں تو صادقہ کے بیاہ کی طرف سے ماں کو ہر وقت تڑپ
 ہی تڑور رہتا تھا۔ مگر جسے لوگوں نے یہ صلاح دینی شروع کی کہ بڑی کے بیاہ کا انتظار نہ کر کے چھوٹی لڑکیوں
 کو بیاہ دو جسے حقیقتہ میں ماں کا اضطراب اس قدر بڑھ گیا تھا کہ رات دن اسی کی دھن تھی۔ جہاں اس
 نے اور تدبیریں کیں ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ ہمراز کو بلا کر کہا کہ میں تو نہیں کہہ سکتی تم اپنے طور
 پر صادقہ سے کہو کہ اپنے بارے میں کوئی خواب دیکھے۔ اور عجب نہیں دیکھا ہو اور کھانڈ کے مارے نہ
 کتنی ہو تم اس کی ٹوہ لو۔ ہمراز نے صادقہ کو الگ لالان میں لے جا کر باہر کی چلنیں چھوڑ دیں۔ صادقہ
 اس بلا کی ذہین تھی کہ اتنی ہی بات سے سمجھ گئی۔ ہاں سے جب و نوں ایک جگہ بیٹھیں تو صادقہ ہی نے بتا
 نکالی کہ اس کے تو تم سسرال میں غیب جہیں معلوم ہوتا ہے کہ اب ہم لوگوں کی اگلی سی چاہت نہیں رہی۔
 ہمراز۔ بھکو تو سسرال میں ایک ایک دن دو برس۔ پر کیا کروں پر اسے بس میں ہوں۔ سننے کا ایسا
 ہلکا خون ہے کہ آئے دن بیمار رہتا ہے۔ اور اس کے تو دشمنوں کی کچھ بھی آہن تھی ایسے زور کا مغلی دھک ہوتا تھا
 کہ بارہ دن تک ساری ساری سائے بیٹھے رہے۔ اب پرسوں سے ہوشیار ہوا تو میں بروستی نکل بھاگی ماں جان
 تو اب بھی راضی نہ تھیں اور وہ مجھے راضی ہی کب ہوئی ہیں۔ ماں تم اپنی تو کہو۔

صادقہ۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ ہماری تو وہی کہاوت ہے نہ سادہ نہ سوکھے نہ بچا دوں ہے جیسے
 کل تھے ویسے آج ہیں۔ تمہارے نئے کو میں نے خواب میں بجا دیکھا تھا مگر انجام خیر تھا۔ بلکہ تمہارا سسرال
 ایک دن گھبرائی گھبرائی آئیں تھیں اور میں نے ان سے کہہ بھی دیا تھا۔ اور خبر تو میں روز ہی پوچھ لیا کرتی
 تھی۔ اور تم جانتی ہو میرے آنے کا کوئی موقع نہ تھا۔

ہمراز۔ ماں اماں نے تمہارے خواب کا حال کہلا بھیجا۔ تب تو میرے دم میں دم آیا۔ ورنہ اسنے دن
 پرانہ مونہہ میں گیا ہو تو حرام۔ خیر ہمارے بیٹے تو تم نے بہتیرے خواب دیکھے۔ تو بتاؤ اپنے بیٹے بھی

دیکھا یا نہیں۔

صادقہ میں اپنے لیے کیا دیکھتی۔

ہمراز۔ جس طرح میرے بیاہ سے پہلے مجھ کو دلوہن بنا ہوا دیکھا تھا۔ کبھی اپنے تئیں بھی دیکھا یا نہیں۔

صادقہ۔ ہمزاتم اب بیاہی جا چکی ہو اللہ رکھے تمہارے آگے بچتے ہیں تم کو مجھ سے ایسی باتیں کہنی

نہیں چاہئیں۔

ہمراز۔ کیوں۔ کیا بیاہ جانے سے مجھ کو کچھ اور بھاگ لگتے ہیں میں ہی ہمزاتم ہوں جس کے ساتھ پہلو

تم اس قسم کی باتیں کیا کرتی تھیں۔

صادقہ۔ بے شک وہی ہمزاتم ہو مگر میری تمہاری حالت میں اب بڑا فرق ہو۔ شاید لوگ میرا تمہارا

بہت گڑھا ربط ضبط اب پس نہیں کرتے۔ تمہارا تو کچھ نہیں بگڑے گا۔ مگر مجھ کو موندہ پر نہیں تو پٹھ پیچھے

پکی چھتسی ضرور کہیں گے۔

ہمراز۔ اسی خیال سے میں چلنیں چھوڑ دی ہیں کہ کوئی سنے نہیں۔

صادقہ۔ بڑھی اماں ہو کر تم نے اتنی ہی عقل سیکھی۔ کوئی شبہ نہ کرتا تو کرے۔

ہمراز۔ میں تمہاری اماں کے اشارے سے آئی ہوں۔ انھوں نے مجھ کو تمہارے پاس اسی غرض سے

بھیجا ہے۔

صادقہ۔ نہیں معلوم اماں کو کاہے کی گھبراہٹ ہو۔ یہ میں جانتی ہوں کہ میرا رٹنی کپڑا ان پر بھاری نہیں

اور ساری اولاد میں مجھ کو چاہتے بھی بہت ہیں۔ اور میں چلی جاؤں تو کوئی ان کا ماتھ بٹانے والا نہیں تو کیا

میری کسی بات سے ان کو تقاضا معلوم ہوا۔

ہمزاتم تقاضوں کا تقاضا تو تم خود ہو۔

تبع پاکر افسر خواہ مخواہ بھی۔ اور جو مجھ کو منظور ہی نہ ہو۔

ہمزاتم۔ کیا تم انوکھی عورت ہو کہ ساری عمر کواری بیٹھی رہو گی۔ اور کوئی تم کو بٹھا بھی رکھے گا۔ اور تم کو انکار

مرد نہ سے پھوٹیں کیوں نہیں کہ لوگ اپنا سبوتا کریں۔

صادقہ۔ بات یہ ہو کہ اول تو یہ ایسا مشکل معاملہ ہے کہ طہینان کے ساتھ کوئی راسے قائم نہیں ہو سکتی۔ دوسرا ب میرے انکار کی بھی کیا سزا ہو۔ میں انکار کرتی تو اس وقت کرتی جب انکار کرنے کا موقع تھا۔ اب وہ موقع تو کُل گیا انکار کروں تو میری وہی کہاوت ہو۔ جو کسی کتاب میں میری نظر سے گزری ہو کہ ایک لومڑی چلتے پھرتے کسی باغ میں جا کھلی۔ دیکھا کہ انگور خوب پھلے ہیں اور کوئی رکھوالا نہیں۔ ٹٹیوں کے لئے پہنچی تو معلوم ہوا کہ انگور تو لے لے پڑے ہیں مگر اونچے بہت ہیں۔ اُچھلی کودی اور بہتیرے جتن کیے۔ انگور ہاتھ نہ آئے۔ ناچار صبر کر کے چلتی ہوئی۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی کہتی جاتی تھی کہ خیر کم بخت تھے بھی کھٹے۔

ہمارا۔ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ تم بیاہے جانے سے ناراض ہو۔

صادقہ۔ اگر ناراض نہیں تو رضی بھی نہیں۔

ہمارا۔ لیکن ہم تم میں جو مذکورہ کر رہے تھے وہ بھی یاد ہیں۔ تب تو تم کہا کرتی تھیں کہ میں بیاہی جاؤں گی تو یہ کروں گی اور وہ کروں گی۔

صادقہ۔ آدمی کے خیالات کا کچھ ٹھکانا نہیں۔ ایک وقت وہ بھی تھا کہ تمہاری طرح مجھ کو دو لہجے بننے کی خوشی تھی۔ اور میرے نزدیک بیاہ اسی کا نام تھا کہ جیسی جس کی حالت ہو۔ عمدہ سے عمدہ کپڑے پہنے گنا پہنا بنائے سنوارے گئے دلان چیز لیا کچھ سسرال سے چڑھائے کا آیا کچھ رونمائی میں ملا سسرال جاتے ہیں تو وہاں خاطر مدارات کیلئے آتے ہیں تو یہاں چوہلے۔ پھر جوں جوں عمر زیادہ ہوتی گئی اور اونچ نیچ کی سمجھ آئی۔ بہت کچھ کتابوں میں پڑھا اور کسی قدر اپنی دیکھ بھال سے دریافت کیا تو بیاہ کے نام سے میرا کلیجا تھوڑا تھوڑا گھٹا ہے اور اندر سے جی ہی چاہتا ہے کہ عمر بھر اسی طرح بیٹھی رہوں۔ ہمارا۔ سچ کہا ہے بہت سیان بہت بھی آدمی کو خراب کرتی ہے۔ سب تمہاری ہی طرح سوچا کرتا تھا کہ کاپے کو بے آخر سب بیاہے ہی جاتے ہیں۔

صادقہ۔ بیاہے تو جاتے ہیں مگر ایک گھر کا تو نشان دو جہاں جوتیوں میں دل نہ بٹھتی ہو۔ ایسے دن ہی تئیں کیوں نہیں دیکھتیں۔ باوجودِ کہ تم کو خوش قسمتی سے میاں بھی ایسے ملے ہیں کہ ہزاروں بھی آ

پڑے۔ لکھے۔ لائق۔ حسب نسبت درست۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ نوکر اور نوکری بھی مستقول اور پھر نہ تم خوش اور تنھاری ہی کہن ہو کہ وہ بھی تم سے خوش نہیں۔ اور ابھی کے آماری کے پیر شادی تیل دیکھو تیل کی دھواں ہمارا۔ ہمارے یہاں تو یہ ایک بڑا بل کر پڑا ہے کہ گھر گھر ساس ننڈیں ہیں لیکن آجی جوتو کہیں بھی نہ ہوں گی جیسی میری۔ ان کو رات دن میری بدیاں رونے کے سواے اور کچھ کام ہی نہیں۔ وہ اپنی ذات سے اپنے بڑے نہیں مگر انھوں نے لگا لگا کے لگا لگا کے آخر بچوان کی نظروں سے گرا دیا۔ اور اب بھی تو صبر نہیں۔

صادقہ کیا تم سے کچھ سختی کرتے ہیں۔

ہمارا۔ نہیں خدا نہ کہے سختی تو نہیں کرتے مگر میری طرف ان کا رخ نہیں کبھی بضرورت ایک آدھی بات کر لی تو کر لی ورنہ کوئی پہچان نہیں سکتا کہ یہ میاں بیوی ہیں۔

صادقہ کیا ہوا بعض آدمی کم سخن بھی ہوتے ہیں۔

ہمارا۔ اسے ہے ہی تو غضب سے بڑے باتوں بڑے خوش مزاج۔ مگر مجھ سے نہیں۔ اور وہ ایک ہمارے رشتے کی خالہ ہوتی ہیں۔ ہمارے گھر سے دیوار پرچ ان کا گھر ہے۔ ہم نے تو ان کو ابھی کے دیکھا خدا جانے کتنے برسوں میں حج کر کے آئی ہیں۔ اور بغداد اور بیت المقدس اور نہیں معلوم کہاں کہاں گئی تھیں۔ ان کو بلا بلا بھیجتے ہیں۔ اور پہروں ان سے ادھر ادھر کے حالات پوچھا کرتے ہیں۔ یا ہمارے ماموں بھائی یہاں آگاہ جب کبھی آسکتے ہیں تو پھر ان دونوں کی باتیں سنو۔ دونوں میں سے کسی کے ہاتھ میں خیار ہوتا ہو اور روم اور روس اور خدا تمھارا بھلا کرے کابل اور کون کون ملکوں کے جھگڑے پیش ہوتے ہیں میں تو کچھ سمجھتی بوجھتی نہیں۔ مگر نہ تو ان کا جی اٹھنے کو چاہتا ہے اور نہ ان کا پنڈ چھوڑتے ہیں۔ تو کیونکر کہوں کہ کم سخن ہیں۔

صادقہ کم کو پہنچ تو گئی مگر ہمارا کی دل شکنی کے خیال سے کچھ کہہ نہ سکی اور پوچھا تو یہ پوچھا کہ تم نے کبھی تیج پا کر اپنے میاں سے اس کا سبب بھی دریافت کیا۔

ار۔ ایک بار بیسیوں دفعہ۔ جب پوچھا یہی کہہ کہہ یا میں جس نہیا میں ہوں۔ تم کو اس کی ہوا ہی نہیں لگی

مرا نے اپنے شہر کی طرف اشارہ کیا کیونکہ ہندوستان میں بی بی شوہر کا نام نہیں لیا کرتی ۱۲

اور کھانے پہننے کی باتوں سے میرا جی اُبھتا ہے کیونکہ یہ تمہارے کرنے کے کام میں نہ ان میں مجھ کو درک اور دخل دینے کی ضرورت میرا بہت صادق صرف ہوتا ہے کہ میری میں تم کو اس سے کچھ مناسبہ نہیں میں ہر چند سوچتا ہوں تم سے کرنے کی کوئی بات ہی سمجھ میں نہیں آتی۔ سو بوا اب تو مار کر میں نے بھی اس کا خیال چھوڑ دیا۔ وہ کو اس پتے کی بے فکریاں جو کبھی یاد آجاتی ہیں تو ایک سناٹا سا گزر جاتا ہے۔

صادقہ۔ اور پھر میں کہتی ہوں تم سیکڑوں ہزاروں میں اچھی ہو میں نے تو بڑی بڑی دوستک خیال دوڑائے ہیں۔ وہ امن چین وہ تسلی وہ خوشی جو بیاہ کا مقصود ہے کسی ایک آدھ ہی کو نصیب ہوتی ہوگی اور اس کا بڑا سبب یہ ہے کہ ہمارے یہاں کا بیاہ اندھے کا نشانہ ہے لگا تو تیر نہیں خالی بٹکا۔ کیا مر د کیا عورت ہر ایک کا مزاج الگ ہر ایک کی طبیعت جدا ہر ایک کی خوشحالت علی حدہ۔ دو آدمی جیسی محض جان نہیں بچا نہیں ملاقات نہیں صاحب سلامتہ نہیں۔ اوپر والوں کی تجویز سے ملا دیئے جاتے ہیں۔ اب ہر شہر و شکر کا سا ملنا ملین تو ان کی تقدیر اور پانی کا سا ملنا ملین تو ان کی تقدیر۔ اور چونکہ مرد کا پلہ زبردست ہے موافقت نہ آئی تو عورت زندہ درگدہ ہو چکی یہی سوچ سمجھ کر میرا جی دھکڑ پکڑ کر رہا ہے۔ اور واقع میں میں کوئی انوکھی عورت نہیں ہوں جو دنیا جہان کی بیٹیوں کا دستور وہ میرا دستور مجھ کو ہرگز اُسی نہیں کہ ساری عمر بھی طہینان کے ساتھ اس کا فیصلہ کر سکوں گی۔ غرض اندر دل سے تو میں بیاہ سے رضی نہیں۔ مگر جانتی ہوں کہ میرا اس کے درپے ہیں تو انکار بھی نہیں کر سکتی۔

ہنھراڑ۔ پھر آخر میں تمہاری اماں سے کیا جا کر کہوں۔

صادقہ۔ ان سے تو اتنی ہی بات کہہ دینا کہ خواب تو میں نے کوئی دیکھا دکھایا نہیں۔ اور نہ ہونا ہوتا تو مجھ کو ضرور دکھائی دیتا۔ میرا خیال یہ ہے کہ ہوگا تو سہی مگر دیر سے۔

چھٹی فصل صادقہ کے بیاہ کی چھٹی چٹا

چھوٹی بہنوں کے بیاہ سے پہلے پہلے تو صادقہ کے بارے میں بڑی گرا گری رہی ہے۔ بیاہی گئیں نہیں معلوم ان کے شغل میں لگ گئے یا ناامید ہو کر بیٹھ رہے۔ غرض مدتوں سے یہ بیاہ براست کا کچھ چرچا سننے میں نہیں آتا تھا۔ لیکن ماں کے تو تلووں سے لگی تھی وہ پانچو

بعد دعا مانگا کرتی تھی۔ برسوں اس کے لیے اُس نے حصن حصین پڑھی اور عمل تو جس نے جو بتایا کیسی ہی
 مشکل کا ہوا اس کو کرنا ضرور۔ بارے ہمارا کی طرف کے کوئی بزرگ سیاحت کے طور پر شہر میں آنکھ تھے۔ اتفاق
 سے اسی محلے کی مسجد میں اگر ٹھہرے۔ معمول کے مطابق صادقہ کے یہاں سے دونوں وقت کھانا آتا رہا
 وہ ہو گئے بیمار۔ ان لوگوں نے حسبہ اللہ الحی بن گبری اور خدمتہ کی کہ جو خبر گیری اور خدمتہ کا حق ہے۔ دونوں
 وقت حکیم کو حال کہلا بھیجنا۔ نسخہ منگوانا بنانا۔ حکیم نے جو کچھ کھانے کو بتایا ہے وقت پر طیار کر دینا۔ اتنے تعلق
 سے اُن بزرگ کو اس گھر کے بعض حالات بھی معلوم ہوئے۔ اور اُن میں سے صادقہ کا معاملہ بھی تھا۔ آخر ان
 بزرگ نے کہلا بھیجا کہ ان شاء اللہ میں بھی دعا کروں گا۔ اور تم میں سے کسی سے ہو سکے تو نماز تہجد کے بعد نہانی
 میں دو انگلیں تبدیل رکھ کر ان کے ساتھ پڑھ کر اول آخر ثبات بار درود اکھتر دفعہ اس آیت شریفہ کا ورد
 کرو اور پھر شروع و ختم کے ساتھ عرض حاجۃ آیت یہ ہے وَمَنْ اٰیَا نَہٗ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ اَنْفُسِکُمْ اَنْزَا وَاَجَا
 لَکُمْ سَکُنًا وَاٰلِہٖا وَاَجْعَلْ بَیْنَکُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً۔ ان بزرگ نے یہ بھی فرمایا کہ اس عمل کی حد تو ایک چلنے کی ہے مگر
 کچھ خدا کی ذات سے توقع ہے کہ ہفتے کے اندر ہی اندر شہادت ہوگی۔ عمل کو شروع کیے ہوئے تیسری رات
 تھی کہ اُدھر صادقہ کی ماں دعا مانگ رہی تھی اور اُدھر صادقہ کو خواب لکھائی دے رہا تھا۔ دیکھتی کیا ہے
 کہ جیسے اس کے والد چمکے ہیں ان تصویریں کھڑے ہیں اور اس کو دکھا رہے ہیں اور وہ تصویر کسی انگریز
 سی ہے صادقہ نے جنبی مرد کی صورت دیکھتے ہی بے اختیار اپنا مونہ چھپا لیا۔ تو اس کے والد کہتے ہیں
 یہ تو تصویر ہے اور تصویر بھی ٹھیک نہیں۔ دیکھو اس شخص کی صلی صورت یہ ہے۔ یہ کہہ کر انھوں نے اُس تص
 کے نیچے سے اور تصویر نکالی۔ تو وہ ایک مسلمان کی تھی مگر دونوں تصویریں تھیں ایک ہی شخص کی۔
 کو تو اپنے خوابوں کی تعبیر کی ہمارے تھی ہی سمجھ گئی کہ یہاں کی چھٹی چھٹ شروع ہوئی۔ کوئی اور نادان عورت
 تو مارے خوشی کے اچھل پڑتی۔ مگر صادقہ کو اُن ذمہ داریوں کا خیال آگیا جو بیاہے پیچھے اُس پر عائد
 اور وہ ابھی سے سوچ میں گئی کہ اس پہرے مہرے کا شخص کس مزاج کا ہوگا۔ اور اُس کو رمضان رکھنے
 اور خدا کی قدر کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اُس نے تم ہی میں سے تمہارے لیے بیسیاں پیدا کر
 تم اُن کی طرف رغبت کرو اور تم میں اور اُن میں دوستی اور قربانی قائم کی ۱۱

مجھ کو کیا کرنا پڑے گا قیافے کے سولے تحقیقات کا ذکر کوئی ذریعہ تھا نہیں تو اس نے عقل و ذہن کی ہیر دو
 میانہ قدر سے نکلتا ہوا ہے اور اس کی گردن بھی لمبی ہے تو یہ برتری کی دلیل ہے اور ضرور ہے کہ ایسا شخص نام
 و نمود کا طلب گار ہو بلکہ اس سر پر ہے یعنی دشمن ہے۔ پیشانی اونچی اور سرخ ہے تو خوش مزاج ہوگا۔ ہاتھ
 اُچھا ہوا ہے ذہن کا تیز ہے۔ آنکھیں روشن اور بڑی ہیں بلند نظر اور سیر چشم ہے۔ ہونٹ پتلے اور چمکی ہیں اس
 کا پکا اور بٹ کا پورا ہے ناک کسی قدر موٹی اور تنھے چوڑے ہیں خود دار اور غصیل ہے اور کبیا عجیب ہے
 معزور ہو۔ کنپٹیاں لگے کچھ پڑتی ہیں کمانے کے خوبٹ ہنگ آتے ہوں گے۔ سینہ چڑا ہے تو تندرست
 اور قوی دل ہے۔ یہ روداد تو کچھ بڑی نہ تھی بلکہ ان صفوں کے آدمی میسر نہیں آتے۔ مگر کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ
 وہ تصویر کیسی۔ چند روز کا وقفہ دے کر پھر صادق نے دیکھا کہ باپ نے وہی دو تصویریں اس کے حوالے
 کیں کہ تو تم اپنے پاس رکھو۔ مگر بہت احتیاط سے رکھنا۔ اس کا مطلب بھی صاف تھا۔ تیسری بار کسی کو
 خراب میں پکار کر کہتے ہوئے سنا کہ وہ تصویریں تمہارے ہم نام کی ہیں۔ صادق نے غور تو کیا مگر کچھ سمجھ میں
 نہ آیا کہ اس سے کیا مراد ہے۔ راج جمعرات کی رات کو صبح ہوتے ہوئے صادق نے یہ اخیر کا خواب دیکھا اور
 اگلے ہی دن کوئی چار گھنٹے دن چڑھتے چڑھتے ڈاکے نے آواز دی کہ رجسٹری خط لے جاؤ۔ دیکھیں تو ایک
 بڑا سا عمدہ انگریزی کاغذ کا لفافہ صادق کے والد میسرور کے نام بنارس سے صادق نامی کسی
 شخص لے ایسے اہتمام سے بھیجا ہے کہ لفافے کی درزوں پر ایک ایک انچ کے فاصلے سے لاکھ کی نمبریں
 ہیں۔ کتب الیہ کا نام اور پتہ انگریزی فارسی دونوں خطوں میں ایسا صاف لکھا ہوا تھا کہ اس میں کسی طرح
 کا شک شبہ ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ لفافہ لے کر یہ معمولی طور کا لفافہ نہ تھا کسی کا ذہن متقل نہیں ہوتا
 تھا کہ ہمارے متعارفین میں سے بنارس میں اس نام کا کون شخص ہے۔ اور اس کو ایسا لفافہ رجسٹری بھیجے کی کیا
 ضرورت پڑی ہو گی۔ سردی کا تھا سو کم اور ابھی کچھ ایسا دن بھی نہیں چڑھا تھا سب لوگ ایک ہی دالان میں
 جمع تھے۔ ازاں جلد صادق بھی۔ یہ تو سمجھ گئی کہ ہمنام کی یہ تفسیر ہے۔ میر صاحب نے تھوڑی دیر مال کر کے
 آخر لفافے کو کھولا۔ اندر سے جز کا جز ایک خط نکلا۔ چند سطریں بھی پڑھنے نہیں پائے تھے کہ بی بی نے
 پوچھا آخر کون ہیں کیا لکھتے ہیں۔

میاں۔ ابھی اس کے پوچھنے کا کیا موقع ہے فراہم تو لینے دو۔

بی بی۔ بس میرا دلنا تو ٹھکڑا رہ گیا ہے۔

میاں۔ تم بات ہی یہی کرتی ہو کہ نہ رکھی جائے اور نہ اٹھائی جائے۔ اول تو تم کو میری ہر ایک بات کی گزیر

کرنی کیا ضرور ہے اور پھر صریحاً دیکھ رہی ہو کہ کتاب کی کتاب میرے ماتھے میں ہے۔ پڑھنا شروع کیا ہے کہ تم نے

رج میں ایک پتھر کھینچ مارا۔ مجھ کو خود معلوم نہیں تو جواب کیا دوں۔ ابھی زردے کا عمل پورا نہیں ہوا۔ اوپر تلے

چار پنچ پان کھاؤ گی تو تمہارا مزاج درست ہوگا۔

بی بی۔ آپ سارے دن تھکے بیٹھے گزر گزرتے ہیں تو کچھ نہیں میرے زردے کا ہر وقت طعنہ۔ لو اپنے روہ کھاؤں تو

حرام کھاؤں۔ مرنے والے کھاؤں۔

یہ کہہ کر گلوڑی جو تھوڑی دیر پہلے مٹھ میں رکھی تھی اور ابھی اس کے چالنے کی بھی نوبت نہیں آئی تھی اگلاں

اٹھا تھوڑی دیر صاحب پچاڑے خط ماتھے میں لیے دم دبا چلتے ہوئے۔ اور اگر ایک لمحہ بھی بیٹھے رہیں تو دو

میں ایسی ہی لڑائی ہو جیسی ہر روز ہوا کرتی تھی۔ باہر مردانے میں طہینان سے ٹیٹھ کر خط پڑھا تو لکھا تھا۔

ساتویں فصل سیدق کی طرف سے شادی کا رقعہ کہنے کو رقعہ اور رقعہ

میں کتاب اسی میں علی گڑھ کلج کا مختصر حال ورنکاح کے بارے میں

لوگوں کی رائیں

جناب سن۔ بندے کا نام تو آپ کو لگتا ہے سچی معلوم ہو گیا ہوگا۔ میں اس پر اتنا اور زیادہ کرنا چاہتا ہوں کہ

۱۹۰۷ء کے بی اے کے امتحان میں جو شخص کلکتہ یونیورسٹی میں اول راہ وہی خاکسار ہے۔ میں نے علی گڑھ

کلج میں تعلیم پائی ہو۔ اور اب بھی اسی کلج کی ایم اے کلاس میں پڑھتا ہوں۔ بندے کا وطن آہائی تو فیض آباد

مگر شاہزادہ فلک شکوہ کے توسل کی وجہ سے والد نے بنارس میں رہنا اختیار کیا۔ اور چونکہ کچھ جاہل اور قسمن وندار

وغیرہ بھی پیدا کر لی ہے۔ اب ہم لوگ یہیں کے ہو گئے ہیں۔ ہمارا نسب نامہ محفوظ ہے اور میں اس سے اس کے اپنے

سبب طر فین ہونے کا یقین ہوا۔ اور اس کا بھی کہ بزرگوں میں علما اور مشائخ اور حکام وقت اور شاہیں

گزرے ہیں۔ لیکن نبود وصف اضافی ہنر ذات۔ میں آپ اپنا معترف ہونا زیادہ پسند کرتا ہوں مجھ کو آپ کے ایک بڑے واقفکار سے آپ کے ذاتی اور خانگی حالات بہ تفصیل سننے کا اتفاق ہوا ہے۔ اور اُس سے جو خیال میرے دل میں آپ کی طرف سے پیدا ہوا اُسی نے مجھ کو اس عریضے کے لکھنے اور پیش کرنے کی جرأت بھی لائی گو آپ انگریزی نہیں جانتے۔ لیکن مجھ کو تحقیق دریافت ہوا ہے کہ آپ کا مزاج بے نقص واقع ہوا ہے طبیعت منصف۔ ذہن رسا۔ اسے صاحب عقل مصلحت اندیش خیال آزاد۔ افسوس ہے کہ لوگوں کو یہ بات عام طور پر معلوم نہیں کہ ہمارے کلچر میں کاپے کی خصوصیت ہے۔ مجھ کو اس بات کے مان لینے میں راجھی تامل نہیں کیڑچا کے اعتبار سے ہم میں کوئی برتری نہیں اور چونکہ سکھ نے تعلیم اپنے ختمیاریں کر رکھی ہے۔ وہ لیاقت کے درجے ٹھہراتی اور ان ہی کے مطابق بی اسے وغیرہ علمی خطاب بتی تو ہم اُس میں کوئی رد و بدل کر نہیں سکتے ہم سب سمجھتے ہیں کہ یہ تعلیم کچھ ایسی زیادہ مفید نہیں۔ لیکن تاوقتیکہ گورنمنٹ اپنا کورس بدلے۔ کچھ چارونچا اسی کی پیروی کرنی ہے۔ عرض میں اپنی اُسی بات کا پھر اعادہ کرتا ہوں کہ پڑھائی کے اعتبار سے ہم میں کوئی برتری نہیں۔ اور یہ جو غماز روزے کی تاکید اور دینیات کے درس کا چرچا آپ سنتے ہیں۔ یہ تو چند دانے ہیں مسلمانوں کو دائم تسلیم میں لانے کے لئے بکھیر دیئے گئے ہیں۔ پادریوں کا مقصد اصل ہے اپنے دین کی اشاعت اور ہمارا دنیاوی تعلیم۔ وہاں لوگوں کو دین عیسوی سے گریز ہے۔ اور ہمارے ہاں سطق انگریزی تعلیم سے تہا پادریوں نے وضع و خستہ کے لئے دنیاوی تعلیم کو آڑ بنایا ہے اور ہم نے دینیات کو ہمارے کالج میں جو خصوصیت ہر صرف دو باتوں کی ہے۔ ایک تو ہمارے یہاں کثرت سے ایسے طالب علم ہیں جو مدرسہ ہی میں پڑھتے مدرسہ ہی میں کھاتے مدرسہ ہی میں سوتے۔ مدرسہ ہی میں کھیلتے اور رات دن مدرسہ ہی میں رہتے ہیں۔ اور گھر وں کی سب تمیزیاں اور سوسائٹی کی یہود گجیاں۔ بزرگوں کی ناز برداریاں ان کی طبیعتوں پر پڑا اثر نہیں کرتے ہیں دوسرے پڑھنے کے علاوہ لڑکوں کو دنیا کے معاملات میں غور کرنا اور دنیا میں رہنے کا سلیقہ سکھلایا یعنی طالب علموں کو آئندہ کی زندگی کے لئے طیار کیا جاتا ہے۔ اگر مجھ بالفرض کسی کالج میں ریافت کرنے کی ضرورت ہو اور وہ شاید ایک درجن عمدہ سے عمدہ سرٹیفکٹ مجھ کو دکھائے تو میں سچ عرض کرتا ہوں کہ میرا دل اُس کی طرف سے ہرگز ایسا مطمئن نہیں ہوگا جیسا صرف ایک نئی بات سے کہ وہ میری طرح علی گڑھ کالج کا بورڈر ہو

اگر آپ نے علی گڑھ کالج کے کچھ حالات معلوم کیے ہیں اور آپ جیسے بیاد مغروشن خیال آدمی سے تعجب ہو کہ نہ کیے ہوں تو آپ نے کالج کی رپورٹوں میں علی گڑھ انسٹیٹیوٹ گزٹ میں ضرور ملاحظہ فرمایا ہوگا کہ ہم بورڈر کیونکر اپنے کھانے اور پہنے اور کھیلنے اور کل ضرورتوں کا انتظام کرتے آپس میں کیسے مباحثے رہتے۔ اور ایک دوسرے کے دکھ درد میں کس طرح شریک ہو جاتے۔ ہم لوگوں میں کئی قسم کی کمیٹیاں قائم ہیں ازراں جملہ ایک کمیٹی اصلاح ہو۔ اُس کے تحت میں ایک سب کمیٹی ہو جس میں صرف بیس برس سے زیادہ عمر کا طالب العلم شریک ہو سکتا ہو اور مجھ کو اس کمیٹی کے سکریٹری ہونے کی عہدہ بخشی گئی ہو۔ اس کمیٹی کی کارروائی شب کے وقت دروازے بند کر کے ہوتی ہو اور ممبروں کے سوا کسی کو کمیٹی میں آنے کی اجازت نہیں اس سب کمیٹی کا مقصد یہ ہو کہ ہر شخص کالج کے بارے میں اپنی رائے ظاہر کرے اور اُس پر رد و قیح ہو تاکہ جو شخص ایسا تعلق کرنا چاہے وہ اُس کے نفع و نقصان اور لوازم و نتائج کو پہلے سے سوچ چکا ہو۔ مدہ تک میری یہ رائے ہی کہ میں ہجرت میں اپنی زندگی بسر کروں جن میں کمیٹی میں نہ ہوں بلکہ ظاہر کی اور وہ ضمون جو لکھ کر لے گیا تھا پڑھ کر سنایا ممبروں کا ایک گروہ کا گروہ اُس کی تردید کو کھڑا ہو گیا اور میں نے اپنی اس پر مبنی سرگرمی اور جوش کے ساتھ بحث ہوتی رہی میں نے جن باتوں پر رد و قیاح وہ تھیں کہ اس تعلق کا دار و لاری اور محبت پر بلکہ رغبت اور محبت کی جگہ لفظ عشق استعمال کیا جائے تو زیادہ مناسب نہ گا۔ اور رغبت اور محبت کی مثال سبیر نزدیک درخت کی سی ہے کہ ایک دم سے سموچے کا سموچا زمین میں نکل کھڑا ہوتا بلکہ اس کا بیج بویا جاتا ہے پھر وہ جڑ پکڑتا ہے پھر پھوٹتا ہے۔ پھر اس میں کوئل نکلتی ہے پھر پتے لگتے ہیں پھر پھیلتا اور بڑھتا ہے۔ پھر پھوٹتا اور پھیلتا ہو بعینہ یہی حال ہو رغبت اور محبت کا۔ دو طبیعتوں میں ایک طرح کی خلقی مناسبتہ ہوتی ہے۔ پھر ساتھ رہتے آئیں پیدا ہوتا۔ اُن سے اُلقتہ۔ اُلقتہ سے رغبت اور آخر کار رغبت سے محبت۔ پھر آگے محبت کے مارج ہیں تو جن شخصوں نے ایک دوسرے کو دیکھا نہیں ایک دوسرے کے پاس نہیں بیٹھے۔ ساتھ نہیں ہے۔ ایک دوسرے سے بات نہیں کی ایک دوسرے کے شریک بیچ و راتہ نہیں ہوئے۔ کیونکہ ایک کو ایک کی محبت ہو سکتی ہے۔ پس ہمارے ان تعلق زناشوی ایک طرح کا جو ہے۔ لوگ جیتے بھی ہیں اور مارتے بھی ہیں۔ اور چونکہ محبت ایک کے کرتے تھیں ہوتی جیتے کا احتمال ایک ہو تو مارتے کے دو۔ اور یہی وجہ ہو کہ اکثر خانہ داریوں میں فساد اُٹھتے جاتے محبت کو سلا اور صفا۔ اگر انسان کیوں ہی مصیبتہ مول لے۔ ہم مسلمانوں میں سے دولت نکل گئی ہو۔

اور دولت کے کمانے کے جو طریقے ہیں اُن سے ہموگریر ہے اور مسلمانوں کی طرف سے میں بالکل ناامید ہوں اور
 اسی میں اُن کی بہتری سمجھتا ہوں کہ یہ لوگ جہاں تک ممکن ہو اپنے شمار کو بڑھنے نہ دیں کیونکہ شمار کے ساتھ
 ساتھ مفلسی اور خواری بڑھتی جائے گی۔ ہوں اور ذلیل و محتاج ہوں تو ہوں ہی کیوں۔ بے شک میرے اکیلے
 کی کون سنتا ہے اور نہ صرف میری اکیلے کی بلکہ مجھے جیسے سیکڑوں کی ہزاروں کی۔ لیکن مسلمانوں کے فائدے
 کی جو بات سوچ پڑے اُس کے ظاہر کیے بدون بھی تو نہیں رہا جاتا۔ تھوڑا سا اثر ہوگا تو بھی بہت ہے۔ اس سبب
 میں سب سے زیادہ مشکل ہم لوگوں کی ہے جنہوں نے انگریزی پڑھی ہے یا پڑھ رہے ہیں۔ اس سے کسی کو ہنکا
 نہیں ہو سکتا کہ انگریزی پڑھنے سے معلومات میں وسعت اور خیالات میں آزادی آجاتی ہے۔ اور ایک خاص
 طرح کا مذاق پیدا ہوتا ہے۔ ہندوستانیوں (پڑانے خیالات کے ہندوستانیوں) کے مذاق سے بالکل جدا
 اور ممتاز بلکہ متباہن۔ اختلاف رائے اختلاف وضع اختلاف خیالات کے ہوتے دوسرے تعلقات تو خیر
 بُری طرح یا بھلی طرح سمجھ بھی سکتے ہیں لیکن یہ خاص تعلق یہ تمام تعلقات سے قوی تر تعلق میں نہیں سمجھتا کہ
 دن بھی خوش اسلوبی سے نہ سکتا ہے۔ جو شخص اپنے برابر والوں کو بلکہ اپنے سے بڑوں کو صرف اپنے خیالات
 کی وجہ سے موندے نہ بھی کہے تو دل میں ضرور حقیر سمجھے کیونکہ مانوس ہو جائے گا اُس عورت سے جس کے اس کے
 سے خیالات چھو بھی نہیں گئے۔ کیا وہ خوش رہ سکتا ہے اس سے کہ جب گھر میں آئے پکانے کھانے اور
 پردے کے سوا کوئی بات نہ سنے۔ کیا وہ خوش رہ سکتا ہے اس سے کہ جب دھوئیں مل کر ٹھیں اس کی
 بدی اُس کی غیبیہ کے علاوہ اُن میں کوئی مذکور نہ ہو۔ کیا وہ خوش رہ سکتا ہے اس سے کہ جن باتوں میں اس کے
 دل چاہی ہے گھر میں کسی کو اُس سے لگاؤ نہیں۔ کیا یہ خوش رہ سکتا ہے اس سے کہ جتنی دیر گھر میں رہے کہیلا
 پڑا ہوا کتاب دیکھا کرے یا اخبار پڑھا کرے اس لئے کہ گھر والی کے ساتھ گفتگو کی سلسلہ جنابی کرنے کو
 یہ کوئی مطلب نہیں پاتا۔ کیا یہ خوش رہ سکتا ہے اس سے کہ خیالات کے اعتبار سے بی بی کو اکیلا نہ رہنا
 نہیں چھوڑا اور اُس کے پست خیالات میں شریک ہونے کے لئے اپنے تئیں گرا نہیں سکتا۔ کیا یہ خوش
 رہ سکتا ہے اس سے کہ سارے گھر کی رخصتی پیدا کرنے کے لئے یہ کیلا دن بھر صیبتہ بھیلے اور رات کو تھکا
 نہ رہے ہو۔ کیا یہ خوش رہ سکتا ہے اس سے کہ صبح بھر کا ہوا اس کو صلاحتہ بتائے یا زبانی سہارا لگائے۔ کیا یہ خوش رہ سکتا ہے
 اس کی طرف سے ہر

میں ہو تو صرف اس وجہ سے کہ بی بی پڑھی لکھی نہیں۔ نہ اپنی کہہ سکے اور نہ اُس کی سُن سکے۔ کیا یہ خوش رہ سکتا
 ہو اس سے کہ ماں کی بے تدبیریوں سے اس کے بچے ہلاک ہوں۔ وہ پڑیں بیمار۔ اور دوا کے عوض ان کو
 پلائے جائیں تعویذ۔ باندھے جائیں گنڈے۔ اتارے جائیں ٹوٹے ٹوٹکے۔ مانی جائیں منتیں۔ کیا یہ خوش
 رہ سکتا ہے اس سے کہ اولاد کی ابتدائی تربیت میں ایسی غلطیاں کی جائیں کہ ساری عمر اُن کی اصلاح نہ ہو سکے
 الغرض ان وجوہ سے اپنی نسبت اس وقت تک میرا ایسا خیال ہے کہ میں شادی نہیں کروں گا۔ اور میں اس
 اکیٹی کے ممبروں کو بھی یہی رائے دیتا ہوں۔ کیونکہ اچھے برے خود نہ پسندی بردگری سے پسند۔ میں تو اتنا کہہ کر
 بیٹھ گیا۔ اور پھر جو اس پر چاروں طرف سے بوجھا ہوا فی شروع ہوئی تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میں نے مضمون
 کیا پڑھا بھڑوں کے چھتے کو چھڑ دیا۔ کوئی شخص نہ تھا جسکے سونہ میں ایک یادِ اُعتراض نہ ہوں۔ ان میں
 سے بعض بودے اور پھپھے بھی تھے۔ لیکن میں نے اکیٹی کے سکرٹری ہونے کی حیثیت سے رواد میں کھنکھنے
 کے لیے سب کو سچا کیا تو مجموعہ ایسا قوی معلوم ہوا کہ محکوم اپنی رائے بدل نہی پڑی۔ اعتراضات کا خلاصہ یہ تھا۔
 کہ ہم کو اپنے دوست سید صادق کی رائے سے ہرگز اتفاق نہیں۔ ان کی رائے مدلل ہے مگر غلطی اور مبالغہ
 سے خالی نہیں۔ انھوں نے اس اصول کے قرار دینے میں بڑی مکررہ غلطی کی ہے کہ تعلق زناشوی کو ہونا
 چاہیئے نتیجہِ محبت۔ یعنی طرفین میں پہلے رابطہ محبت قائم ہوئے اُس کے بعد یہ تعلق ہو۔ ہم بالکل اسکے برخلاف
 سمجھتے ہیں۔ اور ہمارا خیال یہ ہے کہ محبت پیدا ہوتی ہے تعلق زناشوی کے بعد۔ بے شک وہ جن میں مطلق
 سابقہ معرفت نہیں ایک دوسرے سے ملا دیئے جاتے ہیں۔ اُن میں خدا تعالیٰ نے ایک دوسرے کی طرف رغبت
 کرنے کا مادہ و ذریعہ رکھا ہے۔ نکاح سوائے اسکے اور کچھ نہیں کہ مرد اور عورت کو ایک دوسرے کی طرف رغبت کرنے کا
 موقع دیا جائے۔ چنانچہ موقع پاکر وہ دونو ایک دوسرے کی طرف رغبت کرتے ہیں۔ جس کو تخمِ محبت کہنا چاہیئے۔ اور
 آخر کار اکثر ان میں محبت پیدا ہو بھی جاتی ہے۔ اور جنی خانہ داریاں ہیں سب نظاہر میں اُسی محبت کے۔ ہمارے
 سید صادق نے محبت کے سچ کو بہت زور سے کہنایا ہے۔ اور وہ اُس مولائے کو جو عشق سے کم ہو
 نہ نہیں کہنا چاہتے۔ یہ بھی ان کی غلطی ہے۔ عشق کیا چیز ہے۔ بے قراری کی محبت۔ اور اس رعبے کی
 محبت کو عقلا۔ اور حکما۔ اور طبعا۔ اور صلحا۔ ان میں کسی نے بھی جائز نہیں رکھا۔ ایسی ہی محبت یعنی شیفنگی ہے

جسکو پیغمبر صاحب صلوات اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحابہ اجمعین فرماتے ہیں حب الدنيا راس کل خطیئۃ (دنیا کی
 محبت اعلیٰ درجے کا گناہ ہے) ایسی ہی محبت یعنی شفیقتگی ہے جس کو طبار نفع من للبخون (ایک طرح کی دیوانگی)
 لکھتے ہیں۔ انتظام دنیا کے لئے ایسی گاڑھی محبت جو عشق اور شفیقتگی کی حد کو پہنچ گئی ہو درکار بھی نہیں۔ او
 کیوں اُس کو خانہ داریوں میں ہونڈا جائے۔ جتنی معمولی طور کی محبت سے خانہ داریاں چلتی ہیں اور چل سکتی ہیں
 عموماً ہر گھر میں پائی جاتی ہیں۔ اس سے کہ میاں بی بی کسی وقت کسی بات پر روک کر لیتے ہیں نہیں کہہ
 سکتے کہ ان میں محبت نہیں۔ وہ صبح کو روٹھتے اور شام کو سنتے دن کو لٹتے اور رات کو پیار خلاص کرتے ہیں
 ہمارے دوست سید صادق عجیب حکمت سے پردے کی بحث کو اڑا گئے ہیں۔ لیکن جو ان کا اصل مطلب ہے وہ
 ان کی تمام تقریر سے پڑائیکے ہے۔ وہ حقیقت میں عورتوں کے پردے کے مخالف معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ
 یہی پردہ ہے جو تعلق نخل کے بدن مرد اور عورت میں خست لاط کا مانع ہے۔ لیکن بے پردگی سے جو شرمناک
 نتیجے یورپ اور امریکا میں پیدا ہوئے ہمیشہ کے لئے ایک خیور اور نصف مزاج آدمی کی آنکھیں نیچی رکھنے
 کے لئے کافی ہیں۔ شاید سو میں ننانوے ہوں گے جو بے پردگی کی رسم بد کو آج اٹھادیں اگر ان کا بس چلے
 علاوہ بریں وہ مجتہد جس کو ہمارے دوست نے اس تعلق کے لئے ضروری سمجھا ہے اور وہ ضروری ہے یہ بھی
 پردہ داری کی صورت میں زیادہ محفوظ رہ سکتی ہے کیونکہ عورت نہ جنسی مرد کو دیکھتی اور نہ اُس کی تہ ذلالت اور
 ہو سکتی۔ پردہ اُس کو سکھاتا ہے کہ وہ صرف اپنے شوہر کے لئے ہی اور بس۔ پردے کی غرض غایت کیا ہو
 عورت کی پاک دامنی اور ناموس کی حفاظت۔ لیکن جن لوگوں میں پردے کا دستور نہیں وہ بھی اپنی عورتوں کی
 پاک دامنی اور ناموس کی لپی ہی حفاظت کرنی چاہتے ہیں جیسی ہم۔ ہم میں اُن میں اگر فرق ہو تو اتنا کہ مثلاً
 ایک شخص نے خزانے کے صندوق پر تالا لگایا دوسرے نے تالا بھی لگایا اور صندوق کو ایسی جگہ رکھا
 کہ چور کی نظر نہ پڑے۔ ہم پوچھتے ہیں ہم اپنے دوست کے مونہ سے سُنا چاہتے ہیں دونوں میں خزانے
 کی طرف سے زیادہ مطمئن کون ہے شک ہی جس نے تالا بھی لگایا اور صندوق کو ایسی جگہ رکھا کہ چور کی
 نظر نہ پڑے۔ ہم اس کو مانتے ہیں کہ انگریز نہیں ہماری عورتوں سے بہت زیادہ لائق ہیں۔ انتظام خانہ داری میں
 شوہروں کے خوش رکھنے میں۔ اولاد کی تربیت و تعلیم میں۔ بلکہ علمی لیاقت میں بھی۔ لیکن نہ بے پردگی کی وجہ سے

بلکہ عام سوسائٹی کی شائستگی اور تہذیب اور ترقی کی وجہ سے۔ ہم میں بھی لائق مردوں کی ماں نہیں جو رو
زیادہ لائق ہوتی ہیں۔ دین داروں کی دین دار۔ نیک کرداروں کی نیک کردار۔ بھلوں کی بھلی۔ بڑوں
کی بڑی۔ شریفوں کی شریف۔ پاجیوں کی پاجی۔ یوں تو جیسی دو آنکھیں مردوں کی ویسی عورتوں کی جیسے
دو کان مردوں کے ویسے عورتوں کے۔ جیسے قوے دماغی مردوں کے ویسے عورتوں کے لیکن پھر بھی خدا
مرد اور عورت میں بڑا فرق رکھا ہے۔ اور عورتیں کتنے ہی ہاتھ پائوں میں کتنا ہی غل غپاڑا چائیں وہ فرق
مٹ نہیں سکتا۔ عورت کی حالت کسے دیتی ہے کہ وہ گھر کا کام کلج دیکھنے بھالنے بچوں کے پالنے کے سوا
اور کچھ کر نہیں سکتی۔ اور کرے گی تو کیا۔ کرنا چاہے اور کرے گا قصہ کرے تو ہم سمجھیں گے کہ مردوں کا مومنہ
چڑھتی ہے۔ اور ہم مردوں میں اس سے زیادہ اس کی قدر نہیں ہوگی جیسی عورتوں میں تہجڑے کی شہرہ
تو بہت کچھ سنتے ہیں مگر یورپ اور امریکا میں بھی عورتوں نے آزادی پا کر اس سے زیادہ کونسا کمال حاصل
کر لیا ہے کہ میڈم امک گاتی خوب سے میڈم ڈھک پیا نو کے بجانے میں اپنا نانی نہیں رکھتی۔ میڈم فلاں
تھیں میڈم سوانگ ایسا بھرتی ہے کہ نقل کو اصل کر دکھاتی ہے۔ یا بڑی فضیلتہ پناہ لیاقتہ دستگاہ ہوئیں تو
ناول یعنی قصے کہانی کے ڈھکوسلے ہانکنے لگیں اور قصے کہانی بھی گندے ناپاک۔ ع می تراوچہ کہ ہم انچہ
آوندن بہت۔ کسی نے وزارت کی؟ کوئی سپہ سالار ہوئی؟ مقنن بنی؟ اور یوں سیکڑوں برس
میں دوچار نام و نمود کی ہو گئیں تو ایسی اذان دینے والی مرغیاں کبھی ہمارے دھڑوں میں سے نکل آتی ہیں
اب رہی ہمارے دوست سید صادق کی یہ تجویز کہ مسلمان بے دولتہ ہیں۔ اور دولتہ کے کانے کے ہنر کو
سیکھنے منظور نہیں۔ اس لیے ایسی تدبیر کرنی چاہیے کہ انکا شمار بڑھنے نہ پاسے۔ تشخیص مرض تو درست ہے مگر
علاج غلط۔ اگر ہاتھ میں ایک پھنسی نکلے اور اس کا زہر پھیلتا چلا جائے۔ اور خوف ہو کہ سارا ہاتھ ازکار رفتہ
ہو جائے گا تو کیا طبیب کا یہ کام ہے کہ پھنسی کا نام سننے کے ساتھ ہاتھ کے جڑ سے اڑا دینے کا حکم دے
یا کسی پھوٹے عورت کے سر میں جوئیں پڑ جائیں تو اس کو یہی صلاح دینی چاہیے کہ سر منڈوا ڈال نہ بال ہوں
نہ جوئیں پڑیں گی۔ نہیں نہیں۔ علاج اس کا نام ہے کہ سانپ مرے اور لاٹھی نہ ٹوٹے۔ زخم اچھا ہو جائے
اور قطع یہ لازم نہ آئے۔ چھٹیا بھی رہے۔ اور روپے لیکھ ڈھونڈی نہ ملے۔ اب ہمارے دوست سید صادق

صرف ایک اعتراض اور یہ گیا ہے کہ انگریزی پڑھے ہوؤں کو ان کی مرضی کی بیبیاں مل نہیں سکتیں۔ سچ ہو کہ نہیں مل سکتیں۔ جس طرح عورتوں کو ایسے شوہر نہیں مل سکتے جو دایہ گری کا کام بھی جانتے ہوں عورتوں سے وہ توقعات ہی کیوں پیدا کی جاتی ہیں جو ان کے بس کی نہیں اور آخر ایسی ہی عورتوں کے ساتھ لاکھوں کروڑوں آدمی گزارہ کرتے ہیں۔ انگریزی خاں جو خوش نہیں رہ سکتے تو اس وجہ سے کہ انھوں نے انگریزی پڑھ کر اپنے تئیں چھوٹی موٹی بنا لیا ہے۔ قصور تو اپنا اور لاہنا دوسروں پر۔ سید صادق نے تاہل میں تو بہتیرے کیڑے ڈالے لیکن انھوں نے ان قباحتوں پر بھی نظر کی جو سنجیدہ کو لازم ہیں۔ اگر یہ بیٹھے جیسا کہ ان کی باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بیٹھنا چاہتے ہیں تو زیادہ نہیں آج سے نو دس برس کے اندر اندر دکھا دیں گے کسی ناگفتہ بہ بیماری میں گل ٹر کر مر گئے ہوں گے یا پڑے گھل ہے ہوں گے۔ یا قیدیوں کے ساتھ سڑک کاٹتے ہوں گے یا ایسی خراب حالت میں ہوں گے کہ کلج کے پرنسپل اور پروفیسر اور طالب العلم تو رہے اپنی جگہ کلج کے بھنگی کو یہ کہتے ہوئے شرم آئے گی کہ یہ بھی کبھی ہمارے کلج میں تھے۔ خدا نہ کرے کہ ایسا ہو لیکن اگر ہو تو وہ سزا ہوگی ان کی اپنی کروت کی کہ انھوں نے قانون قدرتہ کو توڑا اور پیغمبر اسلام کی سنت سے موڑ دیا۔ اسے جناب یہ اعتراض سن کر میں تو لگا بھلیں جھانکنے۔ اور مجھ سے ایک بات کا بھی جواب دیتے نہ بن پڑا۔ اور میں نے اپنا کان سپٹھا اور تجرد سے توبہ کی اور اب مجھ کو یہ سوچ پیدا ہوا کہ تاہل کرنا تو ضرور ہو۔ اور میں نے اپنی غلط فہمی سے اس کی عمر کا ایک حصہ ضائع بھی کر دیا۔ اگر میں زیادہ دن تک بیٹھا رہوں لوگ ایسا خیال کرینگے کہ میں ایسی غلطی پر جا ہوا ہوں۔ اوکھٹی ہے کہ اپنے قاعدے کے مطابق برابر ہوئے چلی جا رہی ہے۔ جس کے جی میں اتنا ہے کوئی رائے پیش کرتا ہے اور اس پر بحث ہوتی ہے۔ میں تو پہلی ہی دفعہ تجرد کی حمایت کر کے نکو سا ہو گیا۔ اب سنا سب کی ہوں مگر حوصلہ نہیں پڑتا کہ آپ بھی کچھ کہوں۔ لیکن کمیٹی کی کارروائی جواب تک ہو چکی ہے میں سمجھتا ہوں کافی اور کافی سے زیادہ ہے۔ اور مجھ کو کوئی حالت منتظرہ باقی نہیں۔ میں کمیٹی کے ممبروں کے نام ظاہر نہیں کر سکتا۔ اور نہ کمیٹی کے قواعد کی رو سے کسی کو ایسی اجازت ہے درجہ جی جی گفتگو کمیٹی میں ہوئی ہے۔ میں نام بنام بیان کرتا۔ اور چونکہ کمیٹی میں بعض آپ کے بھی متعارف ہیں آپ کو کسی قدر مزہ بھی ملتا۔ لیکن مجھ کو جہاں کہیں اس خط میں ضرورت ہوگی میں حرفوں سے کام لوں گا۔ ایک دن

الف نامی ایک ممبر کے سونے سے نکل گیا کہ میں تو نگلشن میڈری لاؤنگا۔ اس پر جو گفتگو ممبروں میں ہوئی اُس کی نقل کرتا ہوں۔

ب۔ اسے یہاں کہیں خدا کے لئے ایسا غضب نہ کر بیٹھنا۔

الف۔ آپ تو جانتے ہیں کہ میں اپنے والد کا اکیلا بیٹا ہوں اور وہ جیسے کفایت شعار میں معلوم۔ ان پانچ اناؤنٹ تھا اور ہمیشہ سوچا کرتے تھے کہ اس کو کاسے میں مشغول کروں۔ کوئی صلاح دیتا تجارت میں۔ تو وہ کہتے مجھ کو آپ تو اس کا سلیقہ نہیں مانتا سرمایہ نہیں کہ اُس سے بڑی تجارت ہو سکے۔ اسے ہونے چاہیے ساٹھ ہزار تو ان کی کیا سباط۔ اور پچاس ساٹھ بھی میں نے مثال کے طور پر بیان کئے ورنہ میں نے تو اتنی بڑی رقم کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھی۔ اور دیکھتا کہاں سے اس اختہ ہر بیچ ڈپٹی کلکٹری میں تو موقع ہی نہیں۔ وہ منوی کلکٹر چھاتی پر بیٹھا ہوا سونگے لاکر تپا ہے۔ آپ بڑے دن کی ڈالیاں لے رُفت کی سواریوں پر لدا لدا پھر سے دور سے میں دودھ انا اُھر غی کو لیا لکڑی گھاس کسی چرکے دام قلی بیگا کی مزدوری نہ آپ سے اور نہ اس کے لشکر والے دیں تو کچھ نہیں۔ عین میز کے تلے عکس کی تقدیر کاٹن برساکرے تو خبر نہیں چپراسی اور خاکی ملازم انعام کے لئے کُتوں کی طرح لوگوں کو لپٹیں تو پروا نہیں۔ مگر ڈپٹی صاحب نے خدا جانے اُس کا باپ تار ہے یا کیا بگاڑا ہے جب پکھوان ہی کے حال کی تفتیش ان ہی کی خبروں کی گریہ بھلا اسی تاک جھانک میں کس کی شامتہ آئی ہے کہ رشوت کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھ لے۔ یادش بخیر تحصیل داری کا خدا بھلا کرے کہ دس بارہ برس نہ گئی تو ذرا پر پُر زے بھی درست ہو گئے۔ اور ایک خدا نے یہ بھی بڑا ہی کرم کیا کہ چینی بوٹے بہت نہ ہوئے۔ ساری عمر میں یہ ایک چینیلا کہ خدا کرے جتنا رہے ورنہ گھر والی کا سلیقہ بھی بھرا ہی رہتا۔ تو ایسی تھوڑی پونجی میں کیا تجارت کر سکتا ہوں تحصیل داری ڈپٹی کلکٹری کرنے کے بعد یہ تو مجھ سے ہونے کا نہیں کہ بساطی بنوں یا آٹے وال کی دوکان کھول بیٹھوں۔ چارو ناچار دو سرے کی آڑ میں سکار مانا ہو گا تو وہ دوسرے ایسے کیا قرآن کا جامہ پہنے ہوں گے کہ جو کانٹیں گے میرے ماتھے پر لاکر دھریں گے آٹا لیکر نمک چھوڑ دیں تو غلبہ بغرض تجارت میں روپیہ لگانا تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ دوسرے کہتا جناب تو آپ پر ایسی نوٹ خرید لیجئے۔ اس سے مطمئن تر پیرایہ تو کوئی ہو نہیں سکتا۔ یہ برکتہ خدا نے سود ہی میں ہی ہے

کہ بیٹھے چڑھے سوتے چڑھے اور پھر نہ ہلدی لگے نہ پھٹکری۔ چھ ماہی ہوئی اور اپنے ٹکے گنوائے۔ نہ ٹپڑا نہ کھڑکھڑا۔ تو والد فرماتے کہ کتنے توج ہو۔ مگر فائدہ تو دیکھو اونٹ کے موتہ میں زیرہ کوہ کنڈن و کاہ ہر اور دن اپنی چھاتی تلے سے رقم نکال کر دو۔ اور برس بھر بیٹھے سیوا کرو۔ اتنی رحمتہ کے بعد ملا کیا سو بیچے چار۔ ویکھو تو کیا چالاک تو م ہے۔ یہ کسی کے چھپر پر بھروسہ نہیں رہنے دینگے۔ بادشاہ ہو کر رعایا سے لیں قرض۔ اور اُس کے ریلوں اور نہروں اور فائدے کی چیزوں میں لگائیں۔ اور میں میں کچیں کچیں روپے سیکڑا کائیں۔ اور روپے والوں کو دیں چار کیا کہوں تمک کھایا ہے ان کو خدائی سنوار۔ اور پھر اس میں سے ٹیکس کی کٹوتی۔ اور کل کو عملداری اٹھ گئی تو کاغذ کو لیے چائا کرو۔ اور عملداری کا کس نے ہمہ لیا ہے۔ روس آہستہ آہستہ بڑھتا ہی چلا آتا ہے امیر کابل کی آڑھتی سو اُس کا یہ حال ہے کہ یہ کہتے ہیں سیدھی اور وہ جھٹتا ہے اُلٹی۔ دیکھئے یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ ناصاحب نوٹ کی صلاح تو ٹھیک نہیں۔ اس پر وہ صلاح کار بولابلس تو زمینداری۔

والد۔ ہاں میں بھی ہی سوچا ہوں۔ مگر کم بخت زمینداروں کی بھی شامت ہے۔ دیکھتے نہیں آئے دن تھانے اور تحصیل میں کھینچے کھینچے پھرتے ہیں۔ اور اپنے زمینداری میں رہ ہی کیا گیا ہے۔ گودا گودا اٹوسہ کار نکال لیتی ہو باقی بچی ہڈیاں ان کو زمیندار اور کاشتکار پڑے چھڑا کریں۔ اول تو زمین میں ہلکے وقتوں کے سے پہلو کا کہاں۔ اور جو من کی جگہ پیسری رہ بھی گیا ہے تو کاشتکار ہی کا پورا نہیں پڑتا زمیندار کو کہاں سے دے جسے سرکار نے سو روپیہ کاشتکاروں کے حقوق تسلیم کر لیے ہیں گا لو میں چوکیہ ر کی وقت ہو اور نہیں تو زمیندار کی۔ یہ کسی کا کہی کیا سکتا ہے کہ کوئی اس سے دبے اور اس کا حکم مانے۔ پس زمینداری اب اس کا نام کہ کاشتکاروں سے جو کچھ وقت پرستہ سے خوشامد سے وصول ہوا اپنے پاس سے پورا کر کے سرکار میں بھرا اور حق زمینداری میں تحصیل الوں کی جھڑکیاں سنیں دھکے کھائے حالات میں ہے اللہ اللہ خیر صلاح۔ گانوں واروات ہو گئی تو پہلا جرم زمیندار۔ بہتیری تدبیریں کرتا ہے کہ بھلا کچھ بچے نہیں تو مہاجن کا سود تو ہنچتا ہے مگر برس برس دور سے کی ہڈیوں کا پڑاؤ ایک تدبیر کر پیش رفت نہیں ہونے دیتا۔

صلاح کار۔ پھر جناب آپ فائدے سے قطع نظر کچھ اور جو کچھ آپ کے پاس ہوئے بیٹھے رہتے۔ مال عرب پیش عرب۔ اول تو آپ کی پیش ہی اتنی ہوگی کہ آپ لیں میں سے بھی کچھ نہ کچھ لیں انداز کر لیا کریں گے۔ گرو سے

نہ کھانا پڑے تو یہ فائدہ کیا کم ہے۔ اور اگر آپ روپے سے روپیہ کمانا چاہیں گے تو اس میں تھوڑی سی بہت زحمت بھی ہوگی۔ کم یا زیادہ خطبہ بھی ہوگا۔

والد۔ روپے کے محفل ال رکھنے کو تو طبیعت گوارا نہیں کرتی۔ دیکھو کوئی علاقہ ہی مول لوں گا۔ ہر چند زمینداری میں چند در چند قباحتیں ہیں پھر بھی میں خیال کرتا ہوں کہ ان لوگوں کو زمینداری کرنی نہیں آتی ورنہ بہت ساری گنجائشیں نکل سکتی ہیں۔ اور جو ناجائز تخلیفیں زمینداروں کو پہنچتی ہیں اکثر ان ہی کی ناقصیت کی وجہ سے اور اگر ان کو پورے طور پر اپنے حقوق اختیارات اور ذمہ داریاں معلوم ہوں تو اب بھی زمینداری بسا بہتر چیز ہے اور میں جو اس کو اپنے لئے پسند کرتا ہوں تو اس کی ایک وجہ خاص اور بھی ہے کہ اب میری ہونے والی ہے پشن یوں تو تم دیکھتے ہو کہ خدا کے فضل و کرم سے میں کسی طرح کام سے معذور نہیں۔ اب بھی چھ سات گھنٹے قلم تاتھ سے نہیں چھوٹنے پاتا۔ اور دس کوں پندرہ کوں بے تکان گھوڑے پر چڑھ سکتا ہوں۔ انگریزوں کی طرح پیدل دوڑا تو نہیں جاتا لیکن یوں ہوتے ہوئے دو تین کوں چل لینا کچھ بات نہیں۔ غرض کوئی حاکم مہربان ہو تو پچپن سالہ کے قاعدے سے مستثنیٰ ہو سکتا ہوں۔ مگر اب سرکار کا منشا نہیں کہ ہم جیسے لوگ جن کو انگریزی نہیں آتی بڑے عہدوں پر رہیں تو ایسے سرپر کر کو کوری کرنی کیا ضرور ہے۔ اور سرپرٹا کیا میں تو بہتیرا پانو پڑوں مگر اگلا تاتھ بھی دھرے۔ تو میں سوچتا ہوں پشن ہوئے پیچھے کیا کروں گا۔ ساسی عمر کام کرتے گزی تو کوئی نہ کوئی مشغلہ ہو نا ضرور ہے۔ زمینداری سے بہتر کوئی مشغلہ سمجھ میں نہیں آتا کہ خیرہ تحصیلداری اور ڈپٹی کلکٹری تو کہاں تاہم اس میں ایک طرح کی حکومت ہے۔ غرض ضلع بن۔ شہر کا وہ مشہور گانو خدا داد پور جو آپنے سنا ہو والد نے خیرہ لیا۔ داخل خراج میں بڑی دقتیں پیش آئیں۔ آخر کار دیوانی کرنی پڑی۔ اور مائی کورٹ سے قبضہ لالا۔ اب ال کٹیشن اور گانو کی آمدنی ملا کر چھ سات سو روپے جینے کی معقول اہلیت ہو۔ مگر چونکہ والد کو ہمیشہ سے جوڑنے کا مرض ہے میں ان کو کبھی خوش نہیں دیکھتا۔ اگرچہ وہ آپ انگریزی نہیں پڑھے اور ان کے خیالات بھی کچھ ایسے گھٹتے نہیں ہیں مگر آخر ڈپٹی کلکٹری کرتے تھے اتنی بات ان کو زمانے نے سکھادی تھی کہ مجھ کو انگریزی پڑھانا ضرور ہے جب تک کھانا شکاری کی وجہ سے وہ مجھ کو انگریزی پڑھواتے رہے۔ مگر کس طرح کہ ان کے ملاقاتیوں میں سے یا انگریزی فہم کے کرائیوں میں سے میں کسی کے پاس چلا گیا۔ یا کسی کو ڈپٹی صاحب کا ایسا ہی پاس کا خط ہوا تو

تھوڑی دیر کے لیے اُس نے تکلیف کی۔ میں نے اس وضع سے پانچ یا چھ برس انگریزی پڑھی اور جس کے باپ کی انگریزی نہ آتی ہو اسکو ایسے طور پر پڑھنے سے جتنی اور جیسی انگریزی آنی چاہیے مجھ کو آتی بھی تھی۔ اتنے میں تو سُن پڑا کہ کل سید احمد خاں آنے والے ہیں۔ ڈاک بنگلے میں ٹھہریں گے۔ اور اگلے دن علی گڑھ کالج کے لیے چندہ جمع کرنے کی غرض سے لکچر دیں گے۔ سید احمد خاں کا نام تو سنتا ہی تھا میرے دل میں بھی گدگدی ہوئی کہ ان کو دیکھوں اور لکچر سنوں۔ باسے والد صاحبان سے ملنے گئے تو مجھ کو بھی ساتھ لیتے گئے۔ والد سے اور اُن سے پہلے کی بھی ملاقات تھی۔ مجھے ساتھ لے کر پہچان گئے ہوں گے کہ ان کا بیٹا ہے۔ غرض میں نے دور سے بہت ہی جھک کر سلام کیا۔ اور اُن کے فرمانے سے ایک کرسی پر مودب بیٹھ گیا۔ والد کی طرح لباس میں بھی ہندوستانی تھا مگر سادہ۔ اس واسطے کہ بڑھیا پوشاک نہ وہ آپ پہنتے تھے اور نہ مجھ کو رزق برق کے کپڑے پہننے دیتے تھے والد صاحب اور سید صاحب دونوں باتیں کر رہے ہیں اور میں سر جھکا کر سید صاحب کو کبھی کبھی نیچے نظر سے دیکھتا جاتا ہوں۔ آخر والد صاحب نے کہا دیکھئے آپ کے منشاء کے مطابق میں بندہ زادے کو انگریزی پڑھو ارا ہوں۔

سید صاحب۔ ایسا انگریزی پڑھوانا کیا فائدہ دے سکتا ہے۔ جب تک تم اس کو جٹلمیں نہ بناؤ اور وہ تمھاری سوسائٹی میں رہ کر ہو نہیں سکتا۔ نری انگریزی پڑھ کر یہ بہت کرے گا تو ایک کرائی بننے کی لائق ہو جائے گا۔ اور ایک اسٹنٹ اس کو ویسا ہی ذیل سمجھے گا۔ جیسا ہم لوگ گتے کو سمجھتے ہیں۔ والد۔ تو کیا میں اس کو کسی سکول میں داخل کر دوں۔

سید صاحب۔ ان سکولوں اور کالجوں سے تو یہی بہتر ہے کہ تم اس کو گھر پر پڑھو اور جیسا پڑھو لے ہو والد۔ پھر آپ جیسا ارشاد فرمائیں۔

سید صاحب۔ ابھی تک آپ میرے ارشاد فرمانے ہی کے منتظر ہیں۔ میں لاہر تک کی ناک چھانٹا کئی برس مجھ کو بھیک مانگتے ہو گئے۔ اپنے اوپر کفر کے فتوے لکھوئے۔ گالیاں سنیں۔ بڑا کم لایا۔ ابھی تک آپ کے معلوم ہی نہیں کہ میں کیا ارشاد فرماتا ہوں۔ اسے جناب میں آپ کی خدمت میں بہتہ اہماس کرتا ہوں کہ آپ اس کو میرے ساتھ کر دیجئے کہ میں اس کو لے جا کر علی گڑھ کالج میں داخل کر دوں۔ ابھی تک آپ نے اس کو پڑھوایا ہے

اور آپ بچتے ہیں کہ یہ کیا ہے میرے اور آپ کے سامنے بھیگی ملی بنا ہوا بیٹھا ہے۔ گویا یہ آدمی نہیں اور نہ یہ سمجھتا ہے کہ میں بھی آدمی ہوں میں ہلکویجاؤں کا اور آدمی بناؤں گا۔ اس کو سکھاؤں گا کہ تو کیا ہو اور تجھ کو کیا ہونا چاہیے۔ یہ پہلے اپنی عذرا آپ کر گیا اور پھر دوسروں سے طلبگار ہو گا کہ اس کی عذرا کریں اسٹنٹ جنٹ کلکٹر کیا چیز ہیں۔ اس سے لاث صاحب کے آگے بھی ہاتھ نہیں جوڑے جائیں گے۔ ہاتھ جوڑنے کے عوض یہ ان سے شیک ہینڈ کرنا چاہے گا اور ان کو شیک ہینڈ کرنا پڑے گا۔ اور وہ آگے ساتھ شیک ہینڈ کرنے سے اتنے خوش ہوں گے جتنے تمہارے ہاتھ جوڑنے سے نہیں ہوتے یہ انگریزوں سے نہیں ملے گا اس طرح جس طرح تم لوگ ملے ہو کہ احاطے کے باہر سواری سے اترے اور دبے پاؤں اندر گئے۔ جس کی بڑی رسائی ہوئی شاگرد پیشوں میں بیٹھا۔ ورنہ ذلت اور بے عزتی کے ساتھ دور دور پڑا پھرا۔ بڑی لمبی چوڑی عذرا رکھتا ہے تو گھنٹوں کے انتظار کے بعد بلایا گیا۔ کھڑے کھڑے سلام کیا رخصتہ۔ صاحب کچھری جانے لگے۔ ماوشا فراشی آداب بجالائے۔ دل میں فرض کر لیا کہ دیکھا اور پہچانا خوشی خوشی واپس آئے اور گھر جا کر شہنی بھجھاری۔ یہ انگریزوں سے ملے گا جس طرح ایک خٹلمین ایک خٹلمین سے ملتا ہے۔ ملاقات کے اوقات معلوم ہیں۔ عین برآمدے میں سواری لے گئے۔ کارڈ بھیج دیا صاحب نے باہر آکر لے گئے۔ یا ان کو ملاقات کے کمرے میں بٹھایا۔ طیارہ ہو کر آئے۔ ہاتھ ملایا بٹھایا جی کھلے باتیں کہیں۔ عذرا سے گئے تھے۔ آہر کے ساتھ رخصتہ کیا۔ اور ہمارے کالج کے لڑکے اسی طرح اب انگریزوں سے ملے ہیں۔ حج اور کلکٹر ان کے ساتھ کرکٹ کھیلتے اور دوست تانہ ان کے ساتھ مدارا کرتے ہیں۔ یہ باتیں ہو ہو کر اُس وقت ہم دونوں باپ بیٹے رخصتہ ہو گئے۔ اگلے دن سید صاحب نے مسلمانوں پر کچھ دیا۔ میں کہہ نہیں سکتا کہ کچھ تھا یا سحر تھا۔ سید صاحب آپ بھی روئے اور سُننے والوں کو بھی ایسا ایسا لایا کہ لوگوں کی ہچکی بند بندھ گئی۔ بندے کو ایک بار میرا نیس کے سُننے کا بھی اتفاق ہوا ہے۔ عجب بالکل آدمی تھا۔ رزم پڑھ رہا ہے اور لوگ ہیں کہ اچھل چھل پڑتے ہیں اور ہر طرف واہ واہ اور ستھین کی صدا بلند ہے کہ دفعہ پکارا صاحب جو اپنے اپنے رومال نبھا لو کہ میں کچھ رقا آمیز بند پڑھنے کو ہوں۔ آگے بعد تو مجلس کی کیفیت ہوتی تھی جیسے مرغ بسول۔ میرا نیس اہل بیت نبوی علیہ السلام کے مرثیہ خواں تھے اور

سید احمد خاں مسلمانوں کی قوم کے مثریہ خواں ہیں۔ وہ اپنے فن میں طاق تھے۔ یہ اپنی شان میں بختیاری
 رفوگاہ میں۔ اگرچہ میرے سامنے ہی سید احمد خان صاحب نے والد سے مجھے علی گڑھ بھیج دینے کے لئے
 کہا تھا۔ مگر میں جانتا تھا کہ والد صاحب اتنا خرچ گوارا نہیں کر سکیں گے۔ دو بارہ والد اکیلے سید احمد خان
 سے ملنے گئے خدا جانے کیا سمجھایا کیا سمجھایا کہ گھر آتے کے ساتھ میری کتابیں اور کپڑے بیگ میں رکھ
 محکمہ سید صاحب کے ساتھ کر دیا۔ پہلے ہی مہینے میں دو سو ساڑھے بارہ روپیہ کاپل گیا۔ والد تو بہت گھبرائے
 کہ یہ کیا آؤ آئی۔ اور سید صاحب کو لکھا کہ میں ایسی تعلیم سے باز آیا میرے لڑکے کو اٹا بھیج دیجئے۔ مگر
 اس لکھا پڑھی میں اتنا حرصہ گزرا کہ میرا جی لگ گیا تھا۔ میں نے والد کو صاف لکھ دیا کہ میں پڑھوں گا اور
 علی گڑھ کا کچ ہی میں پڑھوں گا۔ نو تہہ بائینجا سید کا آخر کار والد صاحب خود تشریف لائے۔ اور میرے
 ٹھاٹھ دیکھ کر بہت ہی ناراض ہوئے۔ اور مارے غصے کے یہ بھی تو نہ پوچھا کہ میں نے اتنے دنوں میں
 کیا ترقی کی ہے کہ آج میں کالج کرکٹ ٹیم کا کپتان ہوں۔ جمناسٹک میں ہمیشہ اول رہتا ہوں۔ تین بار سنگ
 ریس جیت چکا ہوں۔ پڑھنے میں میرا سائنس کمزور ہے مگر لفظ ایسا اچھا ہے کہ کئی انگریزوں نے میرے
 مونہ پر تعریف کی ہے۔ تاہم میں اُمید کرتا ہوں کہ اس سال انٹرنس ضرور پاس کر لوں گا۔ میں خانگی جھگڑوں
 کے بیان کرنے سے آپ کا قیمتی وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ خلاصہ یہ ہے کہ والد نے بات کا ایسا بنگڑ
 بنایا کہ ناخوش ہو کر شہر میں جا رہے اور سارے کنبے کو جمع کر لیا اور مجھ پر ہر طرح کا دباؤ ڈالنا چاہا۔ مگر
 اصل مرغلے کی ایک ٹانگ میں نہایت مضبوطی کے ساتھ اپنی ہٹ پر جارا۔ اور میں نے سب کو بھائی لادیا کہ
 اگر میرے ارادے میں ناکامیابی ہوگی تو میں اپنے تئیں ہلاک کر دوں گا۔ چونکہ میں ایک بیٹا ہوں اور سوا
 اسکے کہ جٹوں کی شان سے رہنا چاہتا ہوں۔ کسی طرح کا الزام میرے ذمے عائد نہیں ہو سکتا تھا اور لوگ
 والد کی کھاپہ شعاری اور جزیری سے بے وجہ ناراض بھی تھے۔ سب نے والد ہی کو قاتل معقول کہا کہ
 تمھاری یہ عمر آئی کہ تم گویا قبر میں پالو لٹکائے بیٹھے ہو اور تمھارے اندھیرے گھر کا یہی ایک چراغ ہے
 تم نے اب تک جو کچھ کیا اسی کے لئے کیا اور اب بھی جو کچھ کرتے ہو اسی کے لئے کرتے ہو۔ کیوں اس عند
 دلاؤ جو ان لڑکے سے ایسا نہ ہو اپنی جان پر کھیل جائے۔ اور اگر خراب کرنے پر آئے گا تو آج نہیں کل تمھارے بعد

اینٹ سے اینٹ بجادے گا۔ اُس وقت کون اس کا ماتھ پکڑ سکتا ہے۔ ہماری صلاح مانو تو خدا داد پورا اس کے سر مار دے جلنے اور اس کا کام جانے جو چاہے سو کرے۔ تم جب تک جیتے ہو فیشن ہے تمہاری بلاؤں کی رکاوٹیں نہیں گئی۔ اور آخر یہ بھی بڑے نام و نمود کے کالج میں پڑھتا ہے اور سنتے ہیں کہ یہاں لڑکوں کے چال چلن کی بہت نگرانی کی جاتی ہے۔ انگریزوں سے ملتا جلتا ہے اور یہ لوگ جیسے منظم ہوتے ہیں کچھ تو ان کی خوب اس میں بھی آئی ہوگی۔ دوہہ پیتا بچہ نہیں آتا تو سمجھتا ہوگا کہ اگر جلداد کو ضائع کر دوں گا تو یہ اللہ تلے کی زندگی کیسے نبھے گی۔ کچھ پس پیش نہ کرو اور بسہم الٹ کر کے خدا داد پورا پر اس کا نام چڑھاؤ کہ اسی کے سر پر بوجھ رہے۔ یہ خدا داد پورا جبراب میں کیلا قاضی متصرف ہوں مجھے زندگی شروع کرنے کے لیے بہت ہی۔ اور میں نے مصمم ارادہ کر لیا ہے کہ انٹرنس پاس کیا اور میں ولایت روانہ ہوا۔ خدا داد پورا کو مجھ کو پندرہ بیس ہزار روپیہ مل جانا کچھ بات نہیں تین برس میں ولایت رہوں گا۔ بیرسٹری کے لیے قانون پڑھوں گا۔ انگریزی میری اب بھی اچھی ہے ولایت میں اور بھی اچھی ہو جائے گی۔ بیرسٹری کے امتحان میں کسی کو فیل ہوتے سنا نہیں کچھ لکچر ہوتے ہیں کہ وہ سننے پڑتے ہیں۔ بے شک میں اوسپنچے درجے کی سوسائٹی میں ملوں جلوں گا۔ اور کسی نہ کسی برس کے ساتھ اپنی ٹپس جالوں گا۔ میں نے تحقیق سنا ہے کہ شادی کر لینا کچھ بات نہیں عورتوں کو مرد کم ملتے ہیں اور خوش حال آدمی پرسپیں اس طرح گرتی ہیں جیسے شہر پر کھیاں۔ جب میں بیرسٹری کا ڈپلومہ اور نیم لے کر ہندوستان واپس آؤں گا تو میں سب سے زیادہ خوش نصیب آدمی ہوں گا دنیا میں۔

ب۔ نہیں نہیں۔ تم سب سے زیادہ بد نصیب آدمی ہو گے دنیا میں۔

الف۔ کیا اس وجہ سے کہ میں ولایتی بی بی کا خچ نہیں چلا سکوں گا۔ ذری مجھ کو بیرسٹری کا ڈپلومہ تو لے آئے ویسے تو دکھاؤں گا کہ انگریزی گفتگو کے ذریعے سے کتنا کما سکتا ہوں۔

ب۔ میں نے خچ کے لحاظ سے نہیں کہا۔ آپ تو ماشاء اللہ بیرسٹری کے بدون بھی اتنا مقدار کر سکتے ہیں۔ بلکہ میں نے اختلاف صورتہ اختلاف مزاج۔ اختلاف طبیعتہ۔ اختلاف رسم و عادتہ۔ اختلاف مذاق اختلاف وضع اختلاف مذہب اختلاف حالہ کے اعتبار سے کہا کہ اتنے اختلافات کے ہونے پر پیوند

محض بے جوڑ معلوم ہوتا ہے اور میں یقین نہیں کرتا کہ یہ گنگا جمنی رشتہ تم دونوں میں سے کسی کو بھی ساگر کار ہو۔

الف۔ اگر ہم طبیعت اور رسم و عادت اور کیا اور کیا کے ایسے مغلوب ہیں تو ہمارے کالج میں ہنسالا حال ہو میں اپنے تئیں دیکھتا ہوں کہ بالکل بدل گیا ہوں اور ٹیٹو سوسائٹی سے مجھ کو سخت نفرت ہے۔ اور بھکوان کی کوئی ادا نہیں بجاتی اور برسوں دن تعطیل میں مجبوری گھر جاتا ہوں تو گھر مجھ کو پھاٹے کھاتا ہے اور یہی سبب ہے کہ میں ولایتی بی بی لانی چاہتا ہوں۔

ب۔ یہ تمہارا ضلع نفس ہے اور میں تمہاری رائے کی تردید میں اتنے واقعات چٹم دیا پیش کر سکتا ہوں کہ ان کو سننے کے بعد ضرور تم کو اپنی رائے بدلنی ہوگی میں نہیں کہتا کہ انسان اپنے اختیار سے اپنی کوئی چیز نہیں بدل سکتا۔ اگر الیا ہو تو صحبت اور تلقین و تعلیم اور افہام و تفہیم سب کو لغو و لا طائل ماننا پڑے مگر ان یہ ضرور میری رائے ہے کہ بعض باتیں انسان میں ایسی بھی ہیں اور وہ شاید اس کی خاص فطرۃ میں داخل ہیں کہ وہ ان کو مشق و مہارت سے کم تو کر بھی سکے مگر مطلقاً مسموم نہیں کر سکتا۔ ازل جملہ ایک مذاق ہو کہ اس کی جڑ طبیعت سے نہیں نکلتی نہیں نکلتی۔ ہمارے کے والد اصل میں مہات کے ہیں۔ اور کوئی دس گیارہ برس کی عمر سے شہر میں آئے۔ اور تھوڑے برابر شہر ہی میں ہیں مگر میں دیکھتا ہوں تو ان کی طبیعت سچے کے ساگ تبھوے کی بھوجی چونی کی روٹی ایسی چیزوں کو لچایا کرتی ہے اور باوجودے کہ گھر میں لوگ ان کو چھیڑتے بھی ہیں مگر وہ مذاق سے مجبور ہیں اور جب کبھی ان کو اپنی مرضی کی کوئی چیز مل جاتی ہے اگرچہ کم ملتی ہے اور شکل سے ملتی ہے مگر جب کبھی مل جاتی ہے تو ایسے چاؤ سے کھاتے ہیں کہ کبھی پلاؤ زردے کو بھی اس رغبت سے کھاتے نہیں دیکھا۔ اس سے زیادہ عجیب ایک بات سنو کہ مسٹر فلاں کو یہ انگریزی طرز اختیار کیے ہوئے میں جانتا ہوں تیس برس سے بھی زیادہ ہوئے ہوں گے۔ تیس برس کی عادت کو طبیعت ثانیہ کہا جائے تو کچھ بے جا نہیں۔ اور چونکہ خدا نے ان کو بہت بڑا مقدور دے رکھا ہے جس کا تکلف سے رہنا چاہیں رہ سکتے ہیں۔ اور یہ سارے مخمرے دولتہ ہی کے ہیں تو ان سے کوئی انگریزی شان چھوٹنے نہیں پائی اور انگریزی بھی ریل اور پلوئس کے سٹرل یونیشن نہیں بلکہ اسٹیل ورکس کے

ولایت زرا۔ یہ صاحب ایک دفعہ پڑے بیمار۔ ہلکا سا بخار تھا مگر پیرسی کے چوچلے ان کے لیے وہ بھی بڑا ہی خطرناک تھا۔ دن میں گھٹنے گھٹنے بے ہوش ہو جاتا تھا مگر نہ تو بلا کے موجد ہیں۔ تھوڑا مٹر کے قسم کی ایک نلی نکالی ہے اس سے حرارت کا درجہ معلوم ہوتا ہے جو چاہے دیکھ لے۔ اس نلی کے آگے نبض اور قارور کے اور زبان کی رنگت کے دیکھنے کی ضرورت باقی نہ رہی۔ اُس نلی کو پہلے مریض کی بغل میں رکھتے تھے۔ اب نمونہ ہیں کھنے لگے ہیں۔ آئندہ دیکھئے کہاں رکھنا تجویز کریں۔ بغض ن میں گھٹنے گھٹنے بعد ٹمپرسپ لیا جاتا اور ایک کتاب میں لکھا جاتا تھا ڈاکٹر ٹمپرسپ لے کر باہر آیا اور مریض صاحب کے اعزہ اور احباب و خوشامدی اور اہل غرض اُس کو آپسے اُن لوگوں کو مریض کی حرارت کی رات چڑھاؤ کی ایسی لگی رہتی تھی کہ آج کسٹینج کے تا چڑھنے کی بھی کسی کو نہیں لگی رہتی۔ بعض کے تو ایسے مغز چلے ہوئے تھے کہ وہ مریض کا بلٹن نکالنے کی فکر میں تھے جیسا آئے دن بڈے کلیڈسٹن کا نکتار ہوتا ہے۔ یہ سب کچھ ہوتا ہے اور بخار ہے کہ جنبش نہیں کھاتا ڈاکٹر نے اوپر تلے کونین کی ایسی بھرماس کی کہ اُس کی بیوستہ سے مریض کو ہکنا لگ گیا اس پنکٹے میں بجا کر مہیر کی لگی ہوئی تھی۔ بیمار داروں میں کوئی سمجھتا نہ تھا کہ مہیر کیا چیز ہے اور جوان کے عزیز سمجھتے تھے وہ مارے شیخی کے بتا نہیں سکتے تھے کہ رسوائی ہوگی۔ مہیر غالباً جو ایسی قسم کے کسی اناج کے دیے کا نام ہے جو دیہات میں چھاچھ کے ساتھ پیا جاتا ہے۔ بیمار نے کبھی بچپن میں اپنے گھر مہیر پیا ہوگا اور اُن کی روح مہیر میں ایسی پڑی تھی کہ ہکٹے میں مہیر ہی مہیر رٹتے تھے۔ توجب ایسے شخص کا مذاق نہ ہدلا تو کیونکر باور کر لیا جائے کہ تمھارا کسی کا مذاق بدل سکتا ہے۔ اور یہ تو میں نے مثال کے طور پر بیان کیا۔ کتنی ایسی باتیں ہیں کہ طبیعت میں جہیں تو جہیں پھر ساری عمر نہیں نکلتیں۔ کیا تم پسند کرو گے کہ تمھاری بی بی فل ڈرس پہننے۔ کیا تم پسند کرو گے کہ وہ غیر مردوں کے ساتھ بغل گیر ہو کر بال میں ناپے بشرطے کہ تمھارے تعلق کی وجہ سے کوئی انگیزہ اس کے بال میں بٹانے یا آنے کا روادار نہ ہو۔ کیا تم پسند کرو گے کہ وہ جنبی لوگوں کے ساتھ آمد و شد یا خط و کتابت رکھے اور تم اُس سے اتنا بھی نہ پوچھ سکو کہ کہاں جاتی ہو یا اتنی دیر کہاں رہیں یا کسکلی خط ہے اور کیا لکھا ہے۔ شاید تم اپنی بات کی بچ پر اگر کہہ دو گے کہ ہاں پسند کروں گا۔ اور بے شک تم اس وقت تائید کیا خیال کرتے ہو گے۔ مگر بھائی جان مومنہ سے کہہ دینا آسان ہے اور عمل میں لانا مشکل۔ جب تمھاری بی بی کے

ساتھ تھمارے دیکھتے کوئی لگاؤ کی باتیں کرے اور تم کو برا نہ لگے تو جانیں۔ جب تک تمہاری گوں میں ہندوستان کا بلکہ مجھ کو کتنا چاہیے مسلمان کا خون ہے ممکن نہیں کہ تم ایسا اختلاط ایسا کاڑھا ضبط ایسی بے تکلفی دیکھو اور بدگمان نہ ہو۔ الرجال قوامون علی النساء کی آواز اُس وقت سے ہمارے کان میں بھونکی گئی ہے جب ہم صرف اتنا ہی سمجھتے تھے کہ عورت ماں کو کہتے ہیں اور مرد باپ کو یا عورت بہن کہتے ہیں اور مرد بھائی کو۔ اور اگرچہ مسلمان اپنے مذہبی احکام کی تعمیل میں بہت ہلکتی کرنے لگے ہیں مگر الرجال قوامون علی النساء کے قاعدے پر بڑی سختی اور مضبوطی کے ساتھ قائم ہیں۔ اور ہمارا قومی مزاج اسی قسم کا واقع ہوا ہے کہ ہم عورتوں پر حکمرانی کرنے کو اپنا حق لازمی سمجھتے ہیں اور ہم نے ہر ایک گھر میں اس قاعدے کو ایسے عام طور پر برتے جاتے دیکھا ہے کہ جہاں کہیں اسکے توڑنے کا نام لیا جاتا ہے وہیں فساد ہوتا ہے۔ جب تکو شخصی مزاج کے بدلنے پر پوری قدرۃ نہیں تو قومی مزاج بدرجہ اولے تھمارے بس کا نہیں۔ اور یورپ میں بالکل اس کا الٹ ہے النساء قوامات علی الرجال تو تمہارا انگلش لیڈی سے شادی کرنا اور سازگاری کی ہمدرد رکھنا اس سے زیادہ امکان و قوی نہیں لکھتا جیسے کوئی شخص جو ان اور دسمبر کو ملا کر ایک معتدل موسم بنانا چاہے۔ میاں بی بی کے ایک اختلاف سے دونوں کی زندگی تلخ ہو جاتی ہے نہ کہ اتنے اختلافات کہ تم اور انگلش لیڈی میں سولے اس کے کہ دونوں آدمی ہو اور کوئی ضیق مشترک نہیں۔ علاوہ اس کے جھونپڑوں میں رہ کر محلوں کے خواب بچھنا تو کچھ ٹھیک بات نہیں۔ ولایت کی بات تو رہی ولایت کے ساتھ اس ملک میں ہم ہندوستانیوں کو ولایت کی سی آزادی تو نہ نصیب ہوئی ہے اور نہ کبھی نصیب ہوگی۔ ہم میں اور انگریزوں میں فتح و مفتوح کا تفرقہ ہے۔ جو نہ مٹا ہے اور نہ مٹ سکتا ہے۔ بنگالی پڑے بڑ بڑائیں اور سید احمد خانی بلا سے اپنے مونہ میاں مٹھو بنیں۔ یہاں کے انگریزوں کو کب خوش آتا ہے کہ ہم ان کو چھپڑیں اور چڑائیں کوٹ پتلون پہننے تک کا تو خیر چنداں مضائقہ نہ تھا بعض کریم النفس انگریز ایسا برا نہیں بھی مانتے۔ مگر دماغ بنا تو ہمارے یہاں بھی کھلی کھلی بے لفظ گالی چرتو تم انگلش لیڈی لا کر اپنی غرۃ تو کیا بڑھاؤ گے اُس بیچاری کو بھی اسکے ہم وطنوں اور ہم قوموں کی نظر میں ذلیل کر دو گے

اور اس گستاخی کا خمیازہ بھگتو گے سو الگ۔ انگلش سوسائٹی تم کو اپنے میں لے گی نہیں اور ہندوستانی سوسائٹی سے خود نکال کر بیروں کا۔ تو تم دو میاں بی بی شہر کے باہر اکیلے بیگلے میں پڑے کیا بھلے لگو گے۔ ایں راندہ وراں سودراندہ۔ ممکن ہے کہ شروع شروع میں تمکو سیم صاحب کے ساتھ ایسا شنف ہو کہ کسی کا کسی کا خلل انداز نہجۃ ہونا تم کو پسند نہ ہو لیکن پھر سوسائٹی کی تمکو حاجت ہو اور موتو انگلش لیڈی کے تمھارے فیہ انجام میں آنے سے تم دونوں کو ساری عمر قید تنہائی میں رہنا ہو گا۔ اس کو سمجھ لو۔

الف خیر تو میں یوریشین لیڈی کروں گا۔

ب۔ ع بریں عقل دانش بایدا گریست۔ اے وہ... نہیں چھی چھی۔ بات تو وہی کی وہی رہی اور اگر تمھاری قیمتہ میں یہی مصیبت لکھی ہے تو انگلش لیڈی بارج بہتر۔ دو غلے نہ اُدھر نہ اُدھر یہ بلا کہ بھر عیب دیکھو تو جن جن کروں تو قوموں کے موجود اور نہر کے نام نہ ان کے نہ ان کے۔ اور ایسی ہی نسل تم بھی چلائی چاہتے ہو کہ چمپر کی طرح پوچھیں باپ کو تو تباہے ماں کو۔ اس پر ایسا تمھارا کہ بیچاے الف ہمزہ کے سے بل کھا کر رہ گئے۔ اس کے بعد کمیٹی کے کئی جلسوں میں اس پر بحث رہی کہ اگر آدمی کو اپنے پسند کی بی بی کرنے کا موقع ملے تو اس کو کون سی صفہ کا گرویدہ ہونا چاہیے۔ اکثر کی یہ رائے تھی کہ جن صورتہ کا۔ اس واسطے کہ یہی جن صورتہ ہے جو ابتداء اور عورت میں کشنی کا کام دیتا ہے۔ لیکن ہماری کمیٹی کے مسخر مزہبہر حسن اسبرجن کی رائے پر ان معاملات میں کہشروں کا صاد ہوتا ہے کہتے تھے کہ نہیں۔ میں ان کی عبا ہی بلفظہا کیوں نہ نقل کروں جس سے ان کا مطلب بخوبی سمجھا جائے۔ انھوں نے کہا کہ جن صورتہ کی وصفہ سے میری یہ غرض نہیں کہ دلوں کو جن صورتہ کی طرف سے پھیر دوں۔ اس کی پسندیدگی کو میں قریب قریباً ضائع طبیعتہ سمجھتا ہوں۔ مگر ماں اتنا ضرور کہو گا کہ جس طرح انسان اور بہت سے بے اہل خیالات کیا کرتا ہے ان میں سے ایک جن صورتہ بھی ہے۔ ہر ایک ملک کے آدمیوں نے ایک خاص طرح کے رنگ ایک خاص طرح کے تناسل اعضا کو اچھا سمجھ رکھا ہے اور کوئی پوچھے کہ کیوں تو کچھ بتا نہیں سکتے۔ لیکن یہ خیال بیا راسخ اور ایسا عام ہے کہ دنیا کے فسادات میں سے ایک تہائی ضرور اس کی وجہ سے ہیں۔ چنانچہ لوگ زر۔ زمین۔ سون۔ تین چیزوں کو برابر کے درجے میں فساد کی جڑ کہتے بھی ہیں۔ کوئی ایسا ہی زبردست حکیم یا صوفی ہو تو اس خیال کو

مٹائے یا دبائے۔ خدا جلے مزاج کی نفاستہ پر یا جنوں ہے جسکو دیکھو حسن صورتہ پر مفتوں پر حسن صورتہ بے اصل ہو یا نہ ہو مگر اسکے بے ثبات ہونے میں تو کچھ شک نہیں تو یہ لکنا یہ ہے کہ اگر صرف حسن صورتہ مدار تعلق زنا شوقی ہو تو دونوں تن کے دن بچھے گی۔ ایک طرف خدا کا فرمان ہے کہ آدمی پیدا ہوا اور ماں کے دود سے پرورش پائے۔ پھر جب دود کھایا نہ کر سکے تو اس کو غذا کی چاٹ لگے۔ اور غذا کے چبانے اور نرم کرنے کے لیے اس کے دہت نخلیں اور تاکہ ایک حد تک ہ جلد جلد بڑھے۔ اور اس کی جسمانی اور دماغی قوتیں ترقی پچھریں اسکے اعضا میں پھرتی ہو اور اس میں تیزی۔ پھر وہ چندے ایک حالت پر پھیرے اور پھر از خود گھٹتا اور مضحل اور کمزور ہوتا جاتے۔ **قطعہ**

ایک وقت تھا کہ ٹوٹے تھے دانت دوو کے	پھر یہ ہوا گزرنے لگی گھبیل کود کے
اب حال یہ ہے عالم پیری میں اسے ظفر	باقی نہیں عواس بھی گفت و شنود کے

اور جیسے ابتدا میں مٹی سے بنا تھا آخر کار مٹی میں جا بیٹے منہا خلقنا کہ وہ فیہا نعید کہ وہ منہا فخر جکہ تبارہ احسن غرض ایک طرف تو خدا چاہتا ہے کہ یہ خاک کا پتلا دنیا کی بھول بھلیاں میں گشت کر کے اپنی جگہ پر لوٹ آئے دوسری طرف آدمی اپنی ڈیڑھ ہیٹ کی جہی ہی مسجد بنانے کی فکر میں ہے۔ وہ بھول بھلیاں میں اگر سب کچھ بھول بسر گیا اور سمجھتا ہے کہ بھول بھلیاں میرا گھر ہے تو میں اس سے نکلوں کیوں۔ اور باہر جانوں کس لیے یہ قدم قدم پر ٹھٹھکا اور مچلتا ہے۔ لیکن خدا کی طرف سے ایک مصیطر اسکے پیچھے لگا ہے وہ اس کو ٹھیرنے نہیں دیتا۔ یہ رک اور اس لے آگے کو دھکا دیا۔ یہ آڑ اور اس نے مانکا۔ اس کی یہودہ ہٹ تو دیکھو کہ جوانی تو جوانی پیری تک چاہتا ہے کہ میں کچھ ہی بنا رہوں۔ ورنہ سمجھا جانے اور سترے بہترے ہونے کے معنی کیا۔ اس نے جوانی کا رنگ روغن باقی رہنے کے لیے پوڈر اور خضاب نکالے ہیں۔

باقی ہے شیخ کو ابھی حسرت گناہ کی	کالا کرے گا مونہ بھی جو ڈاڑھی سیاہ کی
دانتوں کے بیٹے منجنوں اور غاروں کے علاوہ یہ بندش کی ہے کہ ان کو باندھ باندھ کر رکھتا ہے۔ لیکن سب دھوکے کی ٹٹیاں ہیں۔ مگر فتم سال را گردی نہاں با موچہ ساری پگ فتم موسے را گردی یہ باروچہ ساری	لے ہم نے تھوڑی سی سپرد کیا اور نہ ہی میں تکرار نہ کر لائیں گے اور اسی سے پھر ایک بار تم کو نکال کھڑا کریں گے ۱۲

آدمی اپنے جیسے احمقوں کو بہکا سکتا ہے مگر خدا کے آگے اس کی ایک نہیں چلتی۔ اگر مرد نہیں تو جو بچہ ہے
 جوان ہوگا ضرور۔ جوان بوڑھا ہوگا بے شک۔ بوڑھا ایک نہ ایک دن مرے گا الاکلام۔ انسان کو خدا نے عقل
 دی ہے اور صاحب فہم و شعور بنایا ہے اُس کو کیا زیبا ہے کہ نادان بچوں کی طرح چند روز برق برق اور غمی
 پھمک دک پر فلقہ ہو۔ اور جو شخص ایسی چیزوں سے متلذذ ہوتا ہے اُس کی حالت اُس شخص سے زیادہ طمینان
 کی لائق نہیں کہ ایک دریائے عمیق جس کی تھاہ نہیں اور اُس میں ایک جگہ ایسا بھنور پڑتا ہے کہ اس کا گرا ہوا
 کبھی اچھلا ہی نہیں۔ اور اس میں بے شمار مردم خوار ناس کے اور گھر ٹال سونہ کھولے پھرتے ہیں۔ اس بھنور کے
 عین کنارے پر وہ شخص کھڑا ہے اور کنارے کی مٹی ایسی بھر بھری ہے کہ ہر وقت دریا اس کو کاٹتا رہتا ہے
 کیا بھروسہ ہے کہ یہ شخص کس وقت غراب سانی بھنور میں جا رہے گا اور کیا معلوم بھنور میں گرے پیچھے آکر
 کوئی جانور نکل لے گا یا پانی کا گھاؤ اس کو نہیں اچھلنے دے گا۔ یہی حال حُسن پرستی کا ہے خدا کسی بھلے انسان
 کو اس کی چاٹ ہی نہ لگائے۔ جن لوگوں کو اس کی لت پڑی دیکھی ہے اول تو اُن کی نیت کچھ ایسی اُلوٹوٹل
 ہو جاتی ہے کہ نہ موقع دیکھیں نہ محل اچھی صورتہ سامنے آئی اور اُن کی رال ٹپکی۔ دوسرے جو کہا ہے جَنبَن
 الشیء یعنی دیہم بس اسی مجتہ پر صادق آتا ہے۔ لوگوں نے اس کے پیچھے مال تلف کیے۔ آبرو میں کھو میں اور
 بہتیروں نے جانیں بھی گنوانیں۔ اور اس میں مبتلا بھی اکثر وہی لوگ ہوتے ہیں جو ہزاری طوع کے ہیں
 بدوضع آبر و باختم۔ لوگوں کی نظروں میں سبک۔ کچھ تو وہیں نے روک تھام کی اور ہت کر کے لوگ ان خرابیوں
 کو بھی دیکھ کر ڈرے جو حُسن پرستوں کو آج نہیں توکل اور کل نہیں تو پر سوں ضرور پیش آتی ہیں۔ اس سے یہ
 ہرک بہتوں کو نہیں اُبھر لے پائی ورنہ ہمارے یہاں کی شاعری نے تو بچے بچے کو فریاد و بھنوں بنا ڈالا ہوتا
 اور پھر دیکھتے اُس کی جان کا دشمن ہیں۔ اور میرے خون کے پیاسے تم۔ لیکن کان پڑی ہوئی آواز خالی
 تھوڑی ہی جاتی ہے۔ جن کے مونہ پر مہر ہے اُن کے بھی دلوں میں دفتر لکھے پڑے ہیں جو آکر ہرگز نظر
 کرنے کو جائز نہیں رکھتے ساری رات اسی کے خوابے پکھتے ہیں۔ یہ تقریر سن کر سائے مبروں میں ایک نشانہ
 گر گیا۔ اور کسی سے اتنا نہ ہوسکا کہ حُسن صورتہ کی تائید میں ایک لفظ تو مونہ سے نکالتا۔ اسکے بعد جو مٹی کا

جلسہ ہوا تو ایک صاحب نے چھوٹے ہی یہ سوال پیش کیا کہ اگر کسی کو اتفاق سے دولت مند بی بی ملتی ہو تو کبھی اُس کو کیا راز دیتی ہے۔

ہم۔ دنیا میں اس سے بڑھ کر کوئی ذریعہ معاش ہو نہیں سکتا۔ اور جن لوگوں کو ایسی دولت مل گئی ہے ہمیشہ حقارت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ اور اس کی مثالیں کثرت سے تو نہیں مگر ماں موجود ہیں۔

اس۔ لیکن لوگوں کو کیا حق ہے کہ ایسے شخص کو ذلیل سمجھیں اُس نے کسی کا مال نہیں مارا چوری نہیں کی۔ امانت میں خیانت نہیں کی کسی ناجائز طریقے سے روپیہ نہیں کھایا۔ دنیا میں ایسے بہت لوگ ہیں جن کو خدا نے حق سے دیا ہے۔ لوگوں کو بخت و اتفاق سے کبھی کے دبے گڑے خزانے مل گئے ہیں۔ یا کسی اور طوطی وغیرہ سے فائدہ پہنچے ہیں۔ اور وہ جو کہتے ہیں کہ خدا دینے پر آتا ہے تو چھپر بھڑک کر دیتا ہے۔ نری خیالی بات تو نہیں ہے۔ ایسا بار ہے اور ہوتا ہے اور ہوتا رہے گا۔ سیکڑوں ہزاروں آدمی ایک ہی ذریعے سے معاش پیدا کرتے ہیں سب کے سب کی ایک حالت نہیں ہوتی مگر کوئی شخص بی بی کے ذریعے سے مالدار بننا چاہے تو میرے نزدیک اس میں کوئی قباحت نہیں۔ شاید دنیا میں کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں نکلتے گا جس نے دوسرے کی دولت سے فائدہ نہ اٹھایا ہو۔ اور نہیں تو اس نے بزرگوں ہی سے کچھ نہ کچھ میراث میں پایا ہوگا۔ تو وہ دوسرا شخص بی بی ہی کیوں نہ ہو۔ اور یہ جو اپنے کہا کہ لوگ نظر حقارت سے دیکھتے ہیں۔ میں خیال کرتا ہوں کہ رشک حسد اس کا باعث ہوتا ہوگا جس سے شاید کوئی نفس بشر خال نہیں۔ لوگ کسی کی دودھ اور چھڑی نہیں دیکھ سکتے۔

ہم تو کیا آپ اسی کو جائز رکھتے ہیں کہ شوہر بی بی کا کنوڑا ہو کر رہے۔

اس۔ یہ سوال خارج از بحث ہے۔ اول تو ضرور نہیں کہ ہر ایک مالدار بی بی اپنے مالدار ہونے کی وجہ سے شکوہ کرے اور فرض کیا کہ کرے تو شوہر کو یوں بھی بی بی کی ناز برداری کرنی ہی پڑتی نہ کہ مالدار بی بی کی۔ اور اگر مرد ایسا تنگ مزاج ہے اور بی بی کے ساتھ اس وجہ کی مغایرت برتن چاہتا ہے تو ایسے شخص کو بی بی ہی کرنی کیا ضرور ہے۔ اور ایسی مثالیں بھی ہمیں سماعہ میں آئی ہیں کہ مالدار بیبیوں نے دفعہ ہر گمانی کے لیے معمول اور توقع سے زیادہ شوہروں کی اطاعت کی ہے۔

م۔ کچھ بھی ہوا اپنی حیمہ تو تقاضا نہیں کرتی کہ جو روکے دست نگر ہو کر رہیں۔

س۔ آپ شاید کسی بات میں بھی بی بی کا شوہر سے بہتر ہونا پسند نہیں کرتے۔

م۔ بے شک۔

س۔ صورتہ شکل میں بھی۔ اب تو ہم صاحب سٹ پٹائے اور ایک تیسرے صاحب ج بولے نہیں۔

کہاں روپیہ۔ کہاں صورتہ شکل۔ صورتہ شکل عورت کی صفہ لازمی ہے۔

س۔ صورتہ شکل پر بھی عورت کو ویسا ہی ناز کرنے کا موقع ہے جیسا دولہ پر۔

ج۔ ہاں لیکن وہ ناز اور قسم کا ہے اور یہ ناز اور قسم کا۔

اس روکد میں کوئی بات طے ہوتی ہوئی معلوم نہیں ہوتی تھی کہ صل صاحب نے لکھنے ہو کر فرمایا۔ بات یہ ہے

کہ ہمارے پاس اس خاص لمبے میں خدا کا فرمودہ موجود ہے۔ جس سے بخوبی اس نزاع کا فیصلہ ہو جاتا ہے

وہ جو میں نے ٹیکٹی کے کسی جملے میں قرآن کی ایک آیت پڑھی تھی الرجال قوامون علی النساء وہ حقیقہ میں پوری

آیت نہیں بلکہ آیت کا ایک جُز ہے اور مجھ کو اُس وقت اُسی جُز سے کام لینا تھا۔ اُس جُز کے ساتھ آنا اور بھی ہے

الرجال قوامون علی النساء بما فضل الله بعضهم علی بعض و بما انفقوا من اموالهم اس آیت میں خدائے

عورتوں پر مردوں کے قوام یعنی حکمران ہونے کے دو سبب بیان کیے ہیں۔ ایک مردوں کی فضیلت مطلقہ

عورتوں پر۔ لیکن جوہ فضیلت بیان نہیں فرمائیں اس سے معلوم ہوا کہ مطلقاً مرد عورت پر فضیلت

برتری رکھتا ہے۔ اور یہ فضیلت خلقی ہے اس قسم کی جیسے انسان کی فضیلت جانوروں پر کہ گھوڑا اگرچہ وہ بخیر

کا ہو اور اگرچہ وہ سگاب کی نسل مستند کا ہو تاہم اُس پر فضیلت ہے انسان کو اگرچہ وہ وحشی یا

وحشی یا گوند یا بھیل ہی کیوں نہ ہو۔ دوسرا سبب عورتوں پر مردوں کے حکمران ہونے کا فرمایا ہے بالفقوا

من اموالهم کہ مرد عورتوں پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔ یعنی مہر ہے اُن کے نان و نفقے کا بار اٹھاتے تو ہیں

شخص عورت کا دست نگر ہو کر رہنا چاہے وہ پھر بھی قوام ہوگا اس لیے کہ اُس کی خلقی فضیلت باقی ہے

اس سے کسی حالت میں جدا نہیں ہو سکتی۔ مگر ادھر لکھو نہ کہ اُس کو وہ دوسری خرچ کرنے کی فضیلت حاصل نہیں

اور جو شخص والدہ بی بی ڈھونڈتا ہے آخر کوئی نہ کوئی اُس کی غرض غایت تو ضرور ہوگی اور وہ سولے اس کے

کیا ہو سکتی ہے کہ وہ بی بی کے مال سے متنع ہونا چاہتا ہے۔ اور یہ وسیلہ ہوا اسکے قصور بہتہ کی سادہ سادگی
 کہ ہمارے کلج کا کوئی طالب علم ہماری کمیٹی کا کوئی ممبر ایسے پشت خیال کو ایک منٹ کے لئے بھی اپنے دل میں
 دے۔ آخر دولت آدمی ہی پیدا کتے ہیں اور جو دوسرے آدمیوں نے کیا ہے یا دوسرے آدمی کرتے ہیں کیا
 کہ ہم نہ کر سکیں اور اگر ہم ہتہ ہار دیں گے تو بڑے نمونے ہوں گے اپنے اپنا سے جنس کے لئے۔ اور موجب
 ہنامی ہوں گے اپنے کلج کے حق میں جس سوائی سے خدا ہم سب کو چلے۔ اس پر آمین کے غل سے
 سارا کمرہ گونج اٹھا اور جلسہ بجا ست ہوا۔ ہماری کمیٹی میں شہری دیہاتی کسی کی خصوصیت تو ہے نہیں
 مگر اتفاق سے جتنے ممبر ہیں سب شہری دلی اگر لکھنؤ بانس کے ہننے والے۔ الا ایک صاحب شیخ فر
 کہ وہ ضلع سہارن پور کے ہننے والے ہیں۔ یہ صاحب حاضر ہونے والے تو ایسے جید ہیں کہ شروع سے
 ایک رات تک کمیٹی کا کوئی جلسہ نہیں ہوا جس میں بیٹھے ہوں۔ شنتے تو بڑی توجہ سے رہتے ہیں مگر آپ
 کچھ دخل نہیں دیتے۔ آخر ایک دن خدا جانے کس نے کہا کہ آپ بھی تو کچھ فرمایا کیجے تو لگے کہ نہ مجھ کو تھرا
 کمیٹی کے سباحثوں میں مزہ تو بہت ملتا ہے مگر مجھ کو اس کمیٹی سے کوئی ذاتی تعلق نہیں اس لئے کہ میں ٹھیکر
 دیہات کا ہننے والا۔ ہمارے یہاں بڑی قیدیں ہیں اور ناں انتخاب کا قاعدہ چل نہیں سکتا۔ عورت تو عورت
 ہمارے یہاں کو اور مرد بھی گوہ کیسا ہی جوان ہو اپنے بیاہ بارات کے معاملے میں بھلی یا بُری کوئی بات
 سے نہیں نکال سکتا۔ وہ لوگ اس کو پرے درجے کی سبے حیائی سمجھتے ہیں۔ دوسرے ہم میں جتھے اور برادری
 کے لوگ کوئی کتنا ہی امیر ہو یا کیسا ہی پڑھ لکھ جائے اگر اس کو دیہات میں رہنا ہے تو چاروں چار برادری
 کے قاعدوں کی پابندی کرنی پڑے گی۔ یہاں تک کفو کا لحاظ کیا جاتا ہے کہ مثلاً میں شیخ ہوں اول تو
 ہونے ہی کیوں لگا لیکن اگر بالفرض سید بھی مجھے بیٹی دینے پر راضی ہو تو میں نہیں لے سکتا شیخ جتنا
 توانا کہہ کر چپ ہو گئے اور اس پر بہت سے نمبر گفتگو کرنے پر آمادہ معلوم ہوئے تو جلسے کے پریزیڈنٹ
 کہا شیخ ہمارے بات تو مختصر کی مگر اس میں دو امر بڑے بحث طلب اعراض کمیٹی سے متعلق ہیں ایک شہر
 دوسرے شہر۔ میں امید نہیں کرتا کہ آج کے جلسے میں دونوں امر طے ہو سکیں گے تو جن صاحب کو کچھ کہنا
 شرافت کی نسبت اپنا اپنا خیال ظاہر کریں اور شرم کو اگلے جلسے پر ملتوی رکھا جائے۔

الف۔ میرے نزدیک شرافۃ یعنی شرافۃ نسب کوئی چیز نہیں۔ ہمارے پاس عقلی شہادۃ موجود ہے کہ کل آدمی ایک آدم کی اہلاد ہیں۔ ان کی جہانی بناوٹ ان کی خواہشیں ان کی ضرورتیں سب یکساں ہیں کسی کو کسی پر ترجیح نہیں یہی وہ خیال ہے جو یکے نزدیک سب سے زیادہ ہم مسلمانوں کے تشریک کا باعث ہوا جو لوگ شریف گنے جاتے ہیں وہ شرافۃ کی شیخی میں اگر کسی طرح کا کمال حاصل کرنا نہیں چاہتے اور جو لوگ ذلیل سمجھے جاتے ہیں ان کو یاقۃً یہ پکارنے کا حوصلہ نہیں ہوتا۔

وہ نہیں نہیں۔ شریف و ذلیل کیسے برابر ہو جائیں گے۔ کتنے تو آدمی وہ بھی آدمی یہ بھی مگر آدمی آدمی انتر کوئی ہیرا کوئی کنکر۔ اول تو صورتہ سے شریف و ذلیل الگ پہچان پڑتے ہیں۔ شریفوں کو دیکھو گے اکثر رنگ کے گورے۔ چہرے نہرے کے درست صورتہ شکل کے پاکیزہ متناسب الاعضاء نازک۔ لکڑی کے سے ہی خوش ہوتا ہے۔ اور ذلیل ہیں کہ ان کی صورتیں ہی کچھ دوسری طرح کی ہوتی ہیں۔ پٹی پٹی ہنگم کرخت۔ بد رنگ۔ اور چونکہ یہ فرق پیدا الیشی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی مرضی سے ہی جیسے گھوڑا اور گدھا کہ خدا نے دونوں کو یکساں نہیں بنانا چاہا۔ اور نہ وہ یکساں ہیں اور نہ کوئی ان کو یکساں سمجھ سکتا ہے۔

الف۔ یہ قیاس مع الفارق ہے۔ اگر زریلوں کی یعنی ان لوگوں کی جن کو تم ذلیل کہتے ہو۔ صورتیں اچھی نہیں تو اس کی وجہ ہے کہ ان کو معاش پیدا کرنے کے لیے محنتیں کرنی پڑتی ہیں۔ وہ گرمی کے دنوں میں میر میں اور مزاحمو باہر کرتے خانوں میں رہ نہیں سکتے۔ نہ دھوپ اور نہ سردی سے بچنے کے لیے ان کے پاس سامان ہے کہ ان کا رنگ میلان نہ ہو اور نہ وہ بیکار رہ سکتے ہیں کہ ان کے اعضاء نرم اور پیلے ہوں ان کی یہ حالت دلغ خود غرضی ہے انسان کے ناصیبہ حال پر جو کسی طرح دھل نہیں سکتا۔ کیا حق رکھتا ہے ایک شخص اتنا کھا جائے گا کہ اس کے ہضم کرنے کے لیے اس کو چورن کی ضرورت ہو جب کہ اسی جیسے ہزاروں بندگا خدا مارے بھوک کے انڑیوں کو مسوس کر رہ جاتے ہیں۔ کیا حق رکھتا ہے ایک شخص قیمتی دوشالہ اورٹھنے کا جب کہ دوسرے آدمی کو کل بھی لضبیب نہیں۔ کیا حق رکھتا ہے ایک شخص خدا کی دی ہوئی دولت کو شیخی اور نام و نمود میں لٹائے گا جب کہ بہترے ایک مٹھی جنوں کے لیے کوڑی دوکان مانگتے پھرتے ہیں اور نہیں مٹی دنیا میں جس قدر مصیبت ہے صرف اس وجہ سے ہے کہ ہم میں سے جتنے آرام پر جس کا قابو چلا دیا بیٹھا چٹکی کی جگہ مٹھی

ٹٹھی کی جگہ لپ۔ لپ کی جگہ جھولی۔ جھولی کی جگہ گھڑی۔ ڈھیری۔ ڈھیر۔ پہاڑ۔ مجھ کو تو ہنسی اس بات پر آتی ہے کہ کر توت تو یہ ہے اور اس پر بغض کو دعوے ہیں ہمدردی کے۔ دین واری کے۔ رحم کے۔ جو دوسرے کے ہزل و ایشار کے غرض ہیں حضرت انسان بھی عجائب المخلوقات۔ کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ ہیں۔ مگر ناچاہتے کیا اور کر رہے ہیں کیا۔

و۔ لیکن شریف وزیریل کی عادیہ اور طبیعت کا فرق بھی تو دیکھئے۔ انتظام دنیا اسی طرح پر واقع ہوا ہے کہ سب لوگ ایک حالت کے نہ ہوں تو ایک محتاج ہو دوسرا محتاج الیہ۔ ایک آمر ہو دوسرا مامور۔ ایک خادم ہو دوسرا مخدوم۔ اور اگر سب کی ایک ہی حالت ہوتی تو دنیا کا انتظام و مگرگوں ہوتا۔ آپ اگر سب کو ایک حالت کا بنانا چاہتے ہیں تو اس کے یہ معنی ہیں کہ آپ انتظام الہی میں دخل دیتے ہیں۔ آج تو آدمی ہے کل کو آپ جانوروں کی وکالت کریں گے کہ یہ بھی جان رکھتے ہیں۔ ان کو بھی آرام و تکلیف کا احساس ہے آدمی کیوں ان پر سوا ہو کس لئے ان پر بوجھ لادے۔ ان سے محبت و شفقت کے کام لے اور سب سے بڑھ کر کیوں کس واسطے اپنے مزے کے لئے ان کو جان سے مارے۔ پھر آپ فرتقی کریں گے تو درختوں کا ترس کھائیں گے کہ ان کی بھی ایک طرح کی زندگی ہے۔ لکڑی نہ کاٹو پتہ نہ توڑو۔ اپنا بھن نہ جلاؤ۔ خلاصہ یہ کہ دوسروں کی خاطر مرہو۔ اور جیو تو سراوگی ہو کر جیو۔

ص۔ میرے دونوں دوست الف اور و مجھ کو معاف فرمائیں گے اگر میں یہ کہوں کہ دونوں صاحب اصل مطلب الگ ہو کر افراط و تفریط کے کناروں پر آگئے ہیں۔ ہم کو صرف یہ دیکھنا ہے کہ شرافت نسب کوئی چیز ہے بھی یا نہیں۔ میں کہتا ہوں اور دنیا کی تمام قومیں اس کو تسلیم کرتی ہیں۔ بے شک مانے میں ایسے باکمال لوگ ہوتے آئے ہیں جو ایک صفہ یا چند صفتوں میں اپنے اپنا سہ جس پر تفوق رکھتے تھے۔ اور ان کے خدا متناظر تھا ہے اُس کی نسبت سے اُس کی سب چیزوں میں وقعت آجاتی ہے یہاں تک کہ رہنے کے مکان میں پہننے کے کپڑوں میں باندھنے کے ہتھیاروں میں سواری کے جانوروں میں۔ لارڈ شینس بشہو انگریزی ملک الشعراء حال میں مرا ہے۔ اُس کی بیٹھنے کی کرسی کے۔ لکھنے کی میز کے۔ قلم کے۔ دوات کے لوگ لاکھوں روپے دینے کو موجود ہیں۔ اُس کے وارث چونکہ خود معذور والے ہیں نہیں دیتے۔ اور اس طرح کی مثالیں

وہو نہ ہنی چاہو تو ہر ایک ملک اور ہر ایک قوم میں کثر سے ملیں گی کہ نامی نامور لوگوں کی کیسی قدر کی جاتی ہے۔ توجہ متاثر لوگوں کی نسبت سے ان کی سب چیزوں میں وقعتہ آجاتی ہو تو کیوں ان کی نسلوں کی وقعتہ نہ ہو جو ان کی زندہ یادگار ہیں۔ اور ان کے ساتھ نسبت بھی قوی اور قریب کی رکھتے ہیں۔ یہیہ ماخذ شرافتہ نسب کی قدر کا۔ اب دوسری بات میں یہ کہنی چاہتا ہوں کہ آدمی اشرف المخلوقات تو ہے مگر اس کی مجموعی حالت کے اعتبار سے ورنہ اسی کی بہت سی باتیں حیوانوں سے ملتی ہیں کہ ان ہی کی طرح وہ کھانا پیتا سوتا چلتا پھرتا ہے۔ اس میں کئی خاص نباتات کے ہیں کہ اس کو بالیدگی سے پھوٹنے پھلنے کے عوض اس کی نسل چلتی ہے۔ درختوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ ہر ایک رخت کے مزاج شخصی کے مطابق اس میں پھل لگتا ہے۔ ہونہیں سکتا کہ نیم کے درخت میں نیبو پھلیں یا نیبو کے درخت میں نبولیاں۔ جس درخت کے پھل میں ایک خاص ذائقہ ہے اس سے جتنی نسل چلے گی وہ ذائقہ کم و بیش سب پھلوں میں ہوگا۔ غرض یہ بات نباتات حیوانات اور انسان سب میں یکساں طور پر پائی جاتی ہے کہ نسلیں اپنے بزرگوں کے ساتھ مشابہت اور مماثلت کو باقی رکھتی چلی آتی ہیں۔ اس کی تصدیق الولد سرالابیہ سے ہوتی ہے اور اسی طرح کی ایک کہانوت ہندی میں بھی ہے۔ باب پر پوت پتایر گھوڑا بہت نہیں تو تھوڑا تھوڑا یہ مشابہت نہ صرف جسمانی بناوٹ میں ہوتی ہے بلکہ قفا و مزاج میں بھی۔ میرے متعارفین میں ایک صاحب ہیں ان کی گدی میں ایک مٹا ہے وہ اس کو ہر شرف و افتخار کرتے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ ایسا ہی مٹا اسی جگہ میرے باپ اور دادا کی گردن میں تھا میرے ہوا بیٹا تو اس کی گردن میں بھی ایک مضمحل سا نشان مٹے کا تھا لیکن گدی میں نہیں بڑے ہو کر وہ مٹا کھسکتے کھسکتے اُسی خانہ انی جگہ آ رہا۔ ایک نوجوان آدمی کا حال مجھ کو معلوم ہے کہ وہ شروع سے نہ باپ پاس مانہ ان سے پڑھا لیکن باپ بیٹوں کا سودا خط اس قدر شبہ ہر کہ تمہارا نہیں ہو سکتی۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ جن کو لوگ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بیٹے سمجھ کر زید بن محمد پکارتے تھے گورے چٹے آدمی تھے۔ اور اُس رضی اللہ عنہ ان کے فرزند تیرہ فام اس سے لوگ ان کو چھیڑتے تھے اور باپ بیٹے دونوں کو برا لگتا تھا۔ اور جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی اس خصوصیت کی وجہ سے جو زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھی ایذا ہوتی تھی۔ ایک نے ان کا ذکر ہے کہ زید اور اساتذہ دونوں باپ بیٹے

ایک چادر اور سے مسجد نبوی میں پٹے سوتے تھے اور دونوں کے پالو چادر سے باہر نکلے ہوئے تھے
 اُدھر سے کوئی قیافہ شناس ہو کر گزرا اور بے اس کے کہ پہچانے دونوں کے پالوں دیکھ کر کہنے لگا
 واللہ یہ پالو ایک دوسرے کی نسل ہیں۔ یہ سن کر ان حضرات کو بڑی ہی خوشی ہوئی۔ اور اس حکایت کو اپنے
 کسی آدمیوں کے روبرو نقل کیا۔ ہم خیال نہیں کرتے ورنہ اس مشابہت کی مثالیں اس کثرت سے موجود ہیں
 کہ ہر فرد بشر ہر جانور ہر پھل ہر پتھر اس کی گواہی دے رہا ہے۔ پس شرافت نسب کی قدر کرنے کے
 یہ معنی ہیں کہ ہم حقیقت میں ان صفات کی قدر کرتے ہیں جو بانی سلسلہ نسب میں تھیں اور ان صفات کے
 قابلِ قدر ہونے میں کسی کو گنجائش گفتگو نہیں۔ تو قدرِ نسب میں کیوں ہو۔ لیکن ہاں یہ بات بھی خیال کرنے
 کی ہے کہ تعلیم سے تربیت سے دوسروں کے پاس اُٹھنے بیٹھنے سنے سے بھی آدمی کے مزاج پر اخلاق
 پر عادت پر بڑا اثر پڑتا ہے۔ اور اچھوں کی اولاد بُری اور بُروں کی اچھی ہو جاتی ہے۔ اور یہی حال نباتات
 کی پود اور حیوانات کی نسل کا ہے۔ پھر بھی اصالتہ اپنا رنگ کھائے بدون نہیں رہتی۔ اصل سے خطائیں
 اور کم اصل سے وفاتیں میرا ذاتی خیال تو یہ ہے کہ میں مردوں کی طرف سے ایسا مطمئن نہیں ہوں جیسا عورتوں
 کی طرف سے۔ کیونکہ جو چیزیں خارج سے مزاج پر اثر کرتی ہیں عورتیں ان سے زیادہ محفوظ ہیں۔ ان کے
 پاس وہی موردی اثاثہ ہے جو انھوں نے اپنے بڑوں سے پایا اور بس۔ اس کے بعد جو کشتی کا جلسہ ہوا
 تو اس میں شرم پر گفتگو ہونی چاہتی تھی۔ مگر معلوم ہوا کہ سولہ سح کے اور کوئی گفتگو کے لیے طبعاً
 نہیں تو سح نے کہنا شروع کیا کہ ان میں بہت سی صفات ہیں جن کی وجہ سے وہ شرفِ الخلقوات
 کہلائی۔ ان میں سے عمدہ۔ سب سے زیادہ بکار آمد شرم ہے۔ اگر ہم شرم کا مطلب دوسرے لفظوں میں بیان کرنا
 چاہیں تو شرم ایک طرح کا ڈر ہے کہ میں نے جو یہ بے جا بات کی ہے ایسا نہ ہو کسی پر ظاہر ہو جائے تو وہ
 میری نسبت کیا خیال کرے گا کہ یہ کیا نالائق ہے تو اس ڈر کے لیے چاہیے پہلے بُرے بھلے کی تمیز
 اور تمیز کے ساتھ اتنا اور کہ یہ بات بُری ہے تو جھکو کر فی زبانہ نہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ جیسا کہ جزو ایمان ٹھہر کر

قرایا ہے اچھا کامن الا جان

کے لئے کہ شرم ایک عمدہ چیز ہے۔ مگر وہ اس کے تین کام دیتی ہے۔ وقوعِ جرم سے پہلے تو اس کو قدامتی

پربوٹو پولیس کا کانسٹیبل یا کوئی اور عمدہ دار سمجھو جس کا کام ہے کہ جہاں تک ممکن ہے جرموں کی انسداد کرے
 دنیا میں کتنے گناہ ہیں جو شرم کی وجہ سے چھپنے نہیں پاتے۔ دل میں ارادہ ہوتا ہے لیکن شرم و ہن گیم
 باز رکھتی ہے۔ اور بندہ بشر ہے شرم لانے آتی ہی رہی اور اس سے قصور سرزد ہو گیا تو شرم ڈنٹھ پولیس کی طرح
 اس کو مانڈ کرتی اور جج بن کر اس کو سزا دیتی اور یہ افسوس کرتا کہ ماسے کیوں میں نے ایسا جھکرا اور لائینڈ
 کے لیے اس سے بچا کہ مانگتی کہ پھر ایسا نہیں کروں گا۔ خیر یہ تو مطلق شرم کی نسبت میں نے چند باتیں بیان
 کیں۔ اب مجھ کو اس شرم کے بے میں کچھ کہنا چاہیے جو شادی بیاہ کے معاملات میں کی جاتی ہے۔ عورت
 کوئی زلیل سے ذلیل بننے بیاہ کی صلاح میں شریک نہیں ہو سکتی۔ میں سمجھتا ہوں و تنا تو نہیں مگر مردوں کا حال
 بھی قریب قریب عورتوں ہی کا سا ہے۔ پہلے مجھ کو تعجب ہوا تھا کہ وہ ضرورت جو ہر فرد بشر کے پیچھے لگی ہو
 اور خدا کی حکمت کا ملہ اسی کی مقتضی ہوئی کہ اسی ضرورت کو دنیا کے بڑھنے اور باقی رہنے کا ذریعہ قرار دے
 تو اتنی ساری شرم اس میں کہاں سے آگئی۔ بہت غور کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ ضرورت طبع کے فسادات
 اور انواع و اقسام کے جھگڑوں کا پچھاٹا ہے۔ اگر اس کو سختی کے ساتھ بند نہ رکھا جائے تو دنیا میں امن قائم
 نہیں رہ سکتا۔ پہلا خون جو آدم کی نسل میں ہوا وہ اسی نالائق ضرورت کی وجہ سے ہوا کہ بائبل نے عورت
 کا رن اپنے بھائی قابیل کو مارا۔ اس دن سے جو یہ پچھانک تیغ ہوا ہے تو آج تک تیغ چلا جاتا ہے اور اسی
 طرح روز قیامت تک تیغ رہے گا۔ ضرورت کے لیے نلح کی ایک کھر کی کھلی رکھی گئی ہے سو اس پر بھی جی
 کچھ روک ٹوک ہو آپ ہر بھائیوں کو معلوم ہے۔ یہ روک ٹوک کی گئی تھی کسی مصلحت سے مگر لوگ اس کی سختی کے
 مستعمل نہ ہو سکے جس کی ضروری نتیجہ یہ ہوا کہ لگے دیواریں پھاند نے نقب لگانے۔ سرنگین وڑلے میں خیال
 کرتا ہوں کہ پچھانک کے چوٹ کھول دینے سے اتنی خرابیاں نہ ہوتیں جتنی ان ناجائز اور شرم ناک سنتوں
 ہوئیں اور ہوتی ہیں اور ہوں گی۔ جب پہلے دن کھلے دوست سید صادق نے بھری کمیٹی میں اپنا ارادہ
 تجر و کا ظاہر کیا تو مجھ کو سخت تعجب ہوا تھا۔ میں سید صادق کو ایسا ضابطہ و مستقل فرائض آدمی سمجھتا ہوں کہ یہ
 نئے شکل بات کو بھی جی میں ٹھان لیں تو چاہے دنیا ادھر کی ادھر ہو جائے یہ اس کو پورا ہی کراتا رہیں۔ لیکن جب
 انھوں نے تجر و کا نام لیا تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ اتنی برسوں میں ایک مینے رمضان کے روزے تو

پہاڑ کی طرح کھٹے ہیں یہ ساری عمر کا روزہ ان سے کیوں کر بچھے گا۔ بسے لوگوں نے ان کو خوب ہی آرٹے
 ماتوں لیا اور چونکہ ہمارے سید صاحب نصف فراج اور معقول پسند میں ہیں یقین کرتا ہوں کہ انھوں نے
 اُس خیال محال کو چھوڑ دیا ہے۔ یہ خدا کی ستاریاں ہیں کہ ہم ایک دوسرے کو مونہ دکھانے کے قابل بھی ہیں
 ورنہ سے ٹھیرے ہے نہ پروانہ نہ روکے ہے زباں شمع + وہ سوختی ہے تو یہ گردن زدنی ہے +
 اخلاق کی کتابوں میں شرم کے تین درجے لکھے ہیں۔ اولے درجہ یہ ہے کہ آدمی اپنے ابنائے جنس سے شرم
 کرے اس سے بڑھ کر یہ کہ خدا سے شرم کرے اور سمجھے کہ وہ دانائے نہان و آشکارا ہمارے دلوں کے
 ارادوں تک سے واقف ہے اور ہم اندھیری رات میں تشریروں کے اندر کوئی کام کریں تو اور روز روشن میں
 ڈھول بجا کر کوٹھے پر چڑھ کر کریں تو اُس کی نظر میں دونوں یکساں ہیں۔ لیکن شرم کا ایک درجہ اس سے
 بھی بڑھ کر ہے کہ آدمی اپنے نفس سے شرم کرے اور بُرے کام کرنے سے اُس کو یہ خیال مانے ہو کہ یکم میری
 شان کے لائق نہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حالات میں لکھا ہو کہ وہ بڑے ہی شرالو تھے یہاں تک
 کہ اکیلے مکان میں بھی برہنہ غسل نہیں کرتے تھے۔ بے شک یہ جلی اور بے کی شرم جس کو خدا نصیب کرے ہے
 بہت غور کیا کہ ہم لوگوں کی شرم ان تین قسموں میں سے کس قسم کی ہے تو میری سمجھ میں یوں آیا کہ اس کو ایک
 قسم جدا گانہ قرار دینا چاہیے کہ گلگلوں کے تو نام سے چڑیں اور گڑبائیں تو بھیلیاں کی بھیلیاں چٹ کر جائیں
 عرض اس جھوٹی اور منافقانہ اور دکھانے کی شرم کو شرم کہتے ہوئے مجھ کو تو بہت ہی شرم آتی ہے۔ ایک بات
 اور ہے کہ یوں تو وہ شرم سے خارج ہے مگر ہے اسی کا خمیہ۔ چھوٹی عمر میں شادی کرنے کا دستور ہم مسلمانوں
 میں تو کم ہے مگر جیسی عمروں میں ملے یہاں اکثر شادی بیاہ ہوتے ہیں لوگ اس کو بھی جلدی سمجھتے ہیں۔ اور
 ان کا خیال یہ ہے کہ ایسی سے ہماری نسلیں کم زور ہوتی اور عمریں گھٹتی جلی جاتی ہیں۔ اصل میں عیبتراض
 آنکھ پڑوں نے نکالا ہے۔ اور دوسرے ان کی ماں میں ٹال ملنے لگے ہیں۔ لیکن اگر واقعہ میں ہماری نسلیں
 کم زور اور عمریں گھٹتی جاتی ہوں تو اس کا سبب یہ نہیں ہو جو قرار دیا جاتا ہے بلکہ اس کا سبب ہے ہمارا طرز تمدن کہ ہم
 لوگوں پر اصل صفا کی مطلق رعایت نہیں۔ گنجان آبادی۔ پند مکان۔ میل پانی۔ گندی ہوا۔ آپل حدی۔
 چنے کے نہیں پھرنے کے نہیں۔ بل بوتہ آگے تو کہاں سے آگے۔ اور دیہات میں یہ خرابیاں کم ہیں تو

و ایسے ہی وہاں کے لوگ موٹے تارے زبردست مضبوط چو پخال جاکش بھی جتے ہیں۔ ہم جیسے نہیں کہ
 پھینکے سے ناف ہمتی اور کھائے سے گولا اترتا۔ ملک کی آفت ہو کہ یہاں مرد اور عورت جلد جوان ہو جاتے ہیں
 اور سوسائٹی کی حالت دیکھ کر میں مسلمانوں کو شادی بیاہ میں زیادہ دیر لگانے کی ہرگز رائے نہیں دینگا کہ کو اس
 میری جان کو کوسیں۔ اگر بچے یہاں کچھ جلدی ہوتی ہے اور اس سے کچھ قباۃ لازم آتی ہے تو وہ اُس قباۃ
 بلکہ اُن قباحتوں کے آگے ہرگز قابلِ لحاظ نہیں جن کا دیر کی صورت میں پیدا ہونا کچھ بعینہیں۔ بلکہ آگے کونسل چلے او
 مرجونی ہو اور ہم بھلے مانس ہیں ہنتر ہے اس سے کہ چلے ہی نہیں۔ یا چلے۔ اور بے خرابی بصرہ چلے۔
 ہماری کمیٹی کی کتاب روداد بہت ضخیم ہو گئی ہے۔ مگر میں ضروری مطالب اُس میں سے اخذ کر لیتے ہیں
 آپ خیال کر سکتے ہیں کہ جو شخص اس کمیٹی کا ممبر ہو اور صرف ممبر ہی نہیں بلکہ سکرٹری بھی۔ شادی بیاہ کے
 باسے میں اُسکے کیسے خیالات ہونے چاہئیں۔ چنانچہ اسی کمیٹی کی تعلیم کا اثر ہے کہ میں نے جھوٹی شرم
 کو بالائے طاق رکھ کر یہ عرضیہ لکھا ہے۔ مجھ کو اس کے بھیجنے میں شرم تو مانع ہو ہی نہیں سکتی تھی مگر
 بار بار یہ خیال آتا تھا کہ ایسا نہ ہو آپ برا مانیں اور بیٹھے بٹھائے آپ کو یا کسی کو سچ دینا گو وہ سچ بے اصل اور
 بلاوجہ معقول ہی کیوں نہ ہو میں جائز نہیں کہتا۔ لیکن آخر میں نے سوچا کہ جب میں نے فیصلہ کر لیا کہ
 نواح کروں گا تو کیوں میں اپنی تجویز سے نہ کروں۔ اس کا نتیجہ بھلا یا برا تو میں سمجھتا ہوں گا۔ میں تنا بچ نہیں کہ
 اپنے نیکے ہاں تمیز نہ کر سکوں۔ ایسا برا ایسا ضروری کام جس میں پیری آئندہ کی زندگی کی کامیابی اور ناکامی
 خوشی اور ناخوشی موقوف ہوگی دوسروں کے سڑال کر میں بیٹھا تماشا دیکھا کروں تو مجھ سے اسحق کون۔ اُن
 حالات سے جو میں نے سنے تھے میں نے آپ ہی کے سایہ عاطفہ میں عافیۃ اور آسائش دیکھی۔ مجھ کو اس خط
 کے بھیجے حقیقتہ میں اس بات کی ٹٹول منظور ہے کہ میں نے جیسا کچھ آپ کو سمجھا ہے اس میں غلطی تو نہیں
 کی۔ اگر آپ میری اس جرات کو گستاخی اور بے تمیزی اور بیہودگی اور بے حیائی خیال فرمایا تو میں سمجھوں گا کہ
 نہ میں آپ کے ڈھب کا اور نہ آپ سے کڑھ کے۔ لیکن مجھ کو ایسا نہیں کہ آپ ایسا خیال فرمائیں۔ کیا ضرورت تھی
 کہ میں مشاطہ کے ماتھے رقعہ یا اسم نواری بھیجتا پھروں۔ یہ بھی ایک قسم کا رقعہ ہی ہے۔ مگر ذرا زیادہ تفصیل کے
 ساتھ۔ میں نے اپنے دلی خیالات تک اس میں ظاہر کر دیئے ہیں اور میں نہیں سمجھتا کہ میں اپنا حال پوشیدہ

بیان کرنے میں کچھ اٹھا رکھا ہے۔ میں اپنا فوٹو بھی اس میں ملفوف کرتا ہوں۔ تاکہ تعلق سے پہلے میں آپ کو اپنے بلے میں ہر طرح کی معلومات بہم پہنچانے کا موقع دوں۔ رہی آپ کے حالات کی تفتیش جب تک میں سبجہ نہیں کر لی اس خط کے لکھنے کے لئے قلم نہیں اٹھایا۔ میں آپ سے اتنی بات بھی کہیں چھپاؤں میں زیادہ تر اسی صفحہ کا گردیدہ ہوا ہوں جس سے لوگ بھڑکتے ہیں۔ عالم اردش کے ساتھ الیسا قوسی تعلق ایک نعمت خداؤ! ہو اور سخت افسوس کی بات ہوگی اگر کسی ناقدِ دران کے پتے پڑے فقط۔

راقم سید صادقہ رازنارس

آٹھویں فصل صادقہ صادقہ کے پیام کے بارے میں صادقہ کے میکے

والوں کی صلاحیں

میر صاحب کو بھلا کچھ نہیں تو خط کو پڑھتے اور سمجھتے ایک گھنٹہ تو لگا ہوگا۔ اتنا صبر لو کیونکر ہو سکتا تھا کہ خط کے تمام کرنے تک تصویر کو نہ دیکھتے جب جب صل کا نام آتا تھا کہتے تھے ہونہ ہوا اس سے غم نہ سید صادقہ ہے اور اس خیال کے ساتھ ہر بار بے اختیار تصویر پر نظر کر لیتے تھے۔ سارا خط پڑھ چکے تو ایک آنکھ بند کی اور دوسری کے آگے مٹھی کی دوہر میں لگائی اور کبھی دوسرے کبھی نزدیک سے کبھی اس پہلو سے کبھی اُس پہلو سے تصویر کو تابیر بہت ہی غور سے دیکھا۔ صورتہ پرشہ (رقہ منانہ) پڑی برس ہی تھی اور انگریزی لباس کے سولے کوئی چیز نہ تھی جو نظر میں کھٹکے۔ غرض میر صاحب نے تو اسی وقت بیٹی کا دینا بچا لیا ایک ماٹھ میں خط دوسرے میں تصویر گھر میں لے آئی اور بی بی سے کہا گوری تو تم تھو کہہ چکی تھو اب غصے کو بھی تھو کہہ دے میں ایک خوشخبری لایا ہوں۔ بنارس سے ایک شخص نے صادقہ کا پیام دیا ہے اور لو یہ اُس کی تصویر ہے۔

بی بی (تصویر دیکھ کر) اولیٰ یہ مرد و کیسا۔ یہ تو کوئی نگوڑا انگریز معلوم ہوتا ہے۔

میال بہت سے ہندوستانیوں نے انگریزی لباس اختیار کر لیا ہے اور جتنے انگریزی خواں ہیں ان کی یہی وضع ہوتی جاتی ہے۔ مگر یہ شخص مسلمان ہے اور ذات کا سید ہو۔ سید احمد خاں کا نام تم نے سنا تو ان کے مدرسے میں پڑھتا ہے۔ بی بی اسے پاس ہے۔

بی بی۔ سید احمد خاں وہ تو نہیں علی گڑھ والے۔

میال۔ ان ناں وہی سید احمد خاں وہ اہل میں ہماری دلی کے ہیں۔ انھوں نے علی گڑھ میں بڑا
بھاری سڑک جاری کر رکھا ہے اور آپ بھی وہیں رہتے ہیں۔

بی بی۔ کہو میں اُن کے خاندان کے بہت لوگوں سے واقف ہوں لیکن وہ تو بہت بدنام ہیں۔ کہتے ہیں
انھوں نے اپنا مذہب بدل لیا ہے اور مسلمانوں کو دین سے بے دین کیے ڈالتے ہیں۔

میال۔ بس یہی بے دینی ہے جو تم اس تصویر میں دیکھتی ہو۔

بی بی۔ نہیں۔ سنا ہے انگریزوں کے ساتھ کھاتے ہیں۔

میال۔ یہ بھی سچ ہے۔

بی بی۔ پھر دین تو آپ سے بدلے۔

میال۔ کیسی باتیں کرتی ہو کہیں دین بھی کھانے پینے سے بدلے۔

بی بی۔ کھانے پینے سے دین نہیں بدلتا تو کسی ہندو کو اپنے گھر کا پانی تو پلا دیکھو۔

میال۔ پھر کیا تم ہندی ہو۔

بی بی۔ خدا نہ کرے میں کیوں ہندی ہونے لگی تھی۔

میال۔ تو بی بی یکم ہم مسلمانوں کا دین ایسا بودا نہیں ہے کہ کھانے پینے سے جاتا رہے۔

بی بی۔ پھر شہر میں سید احمد خاں کا اتنا غل کیوں ہے۔

میال۔ یہ تو اُن لوگوں سے پوچھنا چاہیے جنہیں نے غل مچا رکھا ہے۔ میں تو سید احمد خاں کو اچھا جانتا

مسلمان سمجھتا ہوں۔ اپنے سے بہتر۔ سب آل رسول مسلمانوں کے خیر خواہ مسلمانوں کی بہتری چاہتے والے

بی بی۔ تو یہ مردو ابھی اُن ہی کے دین میں ہوگا۔

میال۔ اُن کا دین کیا معنی دین خدا کا یہ شخص بھی مسلمان کے گھر پیدا ہوا اپنے تئیں مسلمان کہتا ہے

کتاب کی کتاب خط لکھا ہے۔ اُس میں ایک حرف دین کے خلاف نہیں۔ جگہ جگہ قرآن کی آیتوں اور حدیثوں

کے حوالے دیتا ہے۔ اور مسلمان کہتے ہیں مسلمانوں کے سر میں کچھ سنگ نہیں لگے ہو کہ اس کے

سر میں نہیں ہیں۔ گھر کی زمینداری ہے۔ خوش حال باپ کا بیٹا ہے۔ لیاقت کا یہ حال ہو کہ آج مٹل پاس نہیں ملتے یہ بی بی اسے پاس کر چکا ہے اور ابھی پڑھ رہا ہے۔ صورتہ دیکھو ابھی خاصی بچھے مانسوں کی سی تمھارے دوسرے دونوں دامادوں سے زیادہ شان دار۔ کوئی عیب نہیں نقصان نہیں میری صلاح مانو تو آنکھ بند کر کے صادقہ کا ہاتھ پکڑ دو۔ پھر ایسی جگہ نہیں ملے گی اور ایسی کے کیا معنی ملے ہی گی نہیں سید پر کیدرست آید اسی کو کہتے ہیں کہ بچا ہی صادقہ اتنے دنوں بیٹھی تو خدائے اس کے بڑے ہی کی لائق کا دیا۔ اور مزہ یہ کہ وہ یہ بچھا ہے اس کے اُن ہی خواہوں پر جن کی وجہ سے کوئی اس کو پوچھتا نہیں بی بی۔ دیکھو صاحب بیٹی جیسی میری بیٹی تمھاری جو سمجھ میں آئے سو کرو میں تو صادقہ کے بارے میں ایسی عاجز آتی ہوں کہ کچھ کہہ ہی نہیں سکتی یہ میری آنکھوں کے آگے چلتی ہے پھرتی ہے اور میں ہوں کہ اس کو دیکھ دیکھ کر سہمی چلی جاتی ہوں کہ الٹی کیا ہوگا اور کب تک بیٹھی رہے گی ماورائے کے دل میں آپ کیسی کیسی باتیں آتی ہوں گی کہ چھوٹی بہنیں اس کے دیکھتے دیکھتے گھر بار کی ہو گئیں اور اسی کی تقدیر نہ کھلی رہے تو یوں کہو کہ بیٹی ذات ہو اور ہے بھی نیک۔ کہ اس نے اپنی سہیلیوں میں بھی آدمی بات موند سے نہیں نکالی سورنہ اور سری کی ہوتی تو ہر چیلے ہر ہمانے سے کاٹ کھانے کو دوڑتی۔ پر ناں اتنا ضرور خیال کر لینا کہ کسی کو یہ کہنے کو نہ ہو کہ بیٹی کو کہیں بڑے نصیب نہ ہوا تو کر شان کے گلے مڑھی۔

میاں۔ میں کیا خدا نخواستہ اپنی اولاد کا دشمن ہوں یا ہم نے یہ بیٹی کہیں کوڑے پر سے پڑی پائی ہے دنیا میں رہ کر ناک تھوڑی ہی کٹوانی ہے۔ پوچھوں گا تحقیق کروں گا۔ چار کی صلاح لوں گا پھر بات سو بات۔ بس ذریعہ ہی انگریزی وضع دیکھ کر جی ہچکچاتا ہے درنہ میں تو آج ہی جواب لکھ بیجا کہ ہم کو منظور ہے۔

میر صاحب نے اپنے طور بہت چھانا۔ پیام تو سید صادق کا اور لوگ علی گڑھ کا کالج کا نام سنتے کے تھے خواہی بخواہی ذکر نکال کھڑا کرتے سید احمد خاں کا۔ کوئی کافر تانا۔ کوئی مرتد کوئی نیچری کوئی لاندہب کوئی کر سٹان۔ صرف سید احمد خاں ہی کو نہیں بلکہ ان کے کالج کے مدرسوں کو طالب العلوم کو یہاں تک کہ کل کجے سنے اور دھوبی اور چوکیار اور باورچی کو۔ مگر عقل معاش رکھتے تھے اور اپنی اولاد کو معاش

پیدا کرنے کا سلیقہ سکھانا چاہتے تھے وہ سید احمد خاں کی اور ان کے کالج کی بیج ہی کرتے تھے بعض کو بعض عقائد میں کلام تھا اور بعض کو وہ بھی نہیں۔ تو میر صاحب نے اپنے جی میں سوچا کہ مجھ کو سید صادق کا حال دریافت کرنا منظور ہے۔ ان کے خط سے تو کوئی بد عقیدتی ظاہر نہیں ہوتی۔ اب میں دو باتیں ایک علی گڑھ کالج کا پڑھنا اور دوسرے انگریزی وضع۔ سو علی گڑھ کالج بے شک سید احمد خاں لے کھولا سید احمد نے جمایا اور سید احمد خاں اس کو چلاتے ہیں۔ اور ان کو کالج کے انتظام میں بھی بڑا دخل ہوگا۔ لیکن وہ مدرسہ نہیں لکچرار نہیں خدا جانے کس کے پاس کالج کی رپورٹ نظر پڑی تھی دسی کتابیں وہی تھیں جو دوسرے مدرسوں میں ہیں۔ تو سید احمد خاں کی وجہ سے طالب العلموں پر کیوں بدگمانی کی جائے۔ اور یوں خدا بن کر بیٹھو اور لگو بنو۔ بنوں سے حساب لینے تو جس کو چاہو کا فر بناؤ جس کو چاہو مرتد ٹھیراؤ۔ آدمی اپنے گریبان میں مونہ ڈال کر دیکھے تو آپ سبے بدتر ہے۔ ہم ہی لیے کون سے عمل اچھے کر رہے ہیں کہ دوسروں پر حرف رکھیں۔ یہ تو لوگوں کی سزا سزا دیتی ہے۔ ہاں انگریزی وضع دیکھ کر عورتیں ضرور بدکیں گی۔ اور لوگوں کو بھی باتیں بنانے کا موقع ملے گا۔ سو ایسی کیا تدبیر کی جائے کہ یہ بے لطفی پیش نہ آئے۔ سید صادق سے تو مجھ کو کہنے کا منصب ہی نہیں کہ تم بضرورت اس کو ہمیشہ کے لیے یا تھوڑی دیر کے لیے بھی ترک کرو۔ انھوں نے اتفاق طور پر خط میں اپنی کمیٹی کے پریزیڈنٹ کی ایک رائے اپنی نسبت نقل کی ہے۔ پریزیڈنٹ نے ایک عمل پر کہا کہ میں سید صادق کو ایسا ضابطہ اور مستقل مزاج آدمی سمجھتا ہوں کہ مشکل سے مشکل بات کو بھی جی میں ٹھان لیں تو چاہے دنیا ادھر کی ادھر ہو جائے یہ اس کو پورا ہی کرتا ہیں۔ یہ بات دوسری ہے کہ سید صادق میرے ساتھ فرزندانہ تعلق کرنا چاہتے ہیں اور وہ مجھ سے عمر میں بھی بہت چھوٹے ہیں مگر بزرگی بعقلیت نہ بسال کہاں وہ بی اسے پاس اور کہاں میں کہ ٹڈل کا امتحان دینا چاہوں تو نہیں ملے سکتا۔ خدانے کچھ ہم لوگوں کی طبیعتیں ہی ان چیزوں کے مناسب نہیں بنائیں۔ میرے کے ذری ذری سے لڑکے حساب کے ایسے ایسے پیچیدہ سوال چٹکی بجاتے میں حل کرتے ہیں کہ میں ہمینیوں غور کرتا رہوں تو نہ بتا سکوں۔ ہمارے وقتوں میں تاریخ اور جغرافیہ اور طبیعیات اور ریاضی اور ہیماۃ کی باتیں کون جانتا تھا۔ فارسی میں زلیخا بہار دانش پڑھ لی عربی میں ہدایۃ النجوا صے مولوی بن گئے۔ پس میں جو سید صادق کو عقل کھانی چاہوں

تو میری ناونی ہے انھوں نے انگیزی وضع اختیار کی ہے تو سچ سمجھ کر کی ہوگی اور کر لی ہو تو وہ اس کو
 چھوڑے کیوں گے غرض ان سے تو ترک وضع کی امید رکھنی ہی فضول ہے۔ اور جیسے سید صادق سے
 ترک وضع کی امید نہیں ویسے ہی ادھر والوں سے بھی توقع نہیں کہ اس وضع کے آدمی کے ساتھ وصالتہ کو جائز
 رکھیں۔ کُتنے والوں کا تو کچھ نہیں۔ ممکن ہو کہ کسی کو کانوں کا خیر نہ ہو۔ لیکن بی بی ذات کا معاملہ میرا ہی موجب
 ایک چھوڑ دوو ہو نہیں چھوٹی ہی سہی مگر میں تو بیابا ہی ہوں صاحب اولاد کیونکر ہو سکتا ہے کہ ایک گھر
 کے بسا نہ کے پیچھے اتنے گھروں کو اُجاڑ بیٹھوں۔ ادھر ایک تو پردیس اور پردیس سے بڑھ کر انگیزی وضع
 اور ادھر صادق کی عمر خرابوں کی وجہ سے اس کی نسبت عام واسمہ۔ عجب تردد کا مقام ہے مصرع
 گویم کل گر نہ گویم کل + میر خرواسی سچ میں بیٹھے تھے کہ اتنے میں میان مشیر آئے۔ مشیر سے او
 میر خرواسی سے دور کا رشتہ بھی تھا و و نول ہم عمر اور کسی زمانے میں ہم مکتب بھی رہے تھے۔ دونوں میں
 گاڑھی دوستی نہ تھی تو چنانچہ اس جنبہ سے بھی نہ تھی۔ صادق کا حال رشتہ دار تو رشتہ دار سرسری جان پہچان
 والوں سے بھی کسی پر چھپا نہ تھا۔ میر خرواسی کو مترود دیکھ کر چھوڑتے ہی مشیر نے پوچھا خیر یہ تو ہے سچ تو کچھ
 بہت ہی پریشان معلوم ہوتے ہو۔

میر خرواسی دیکھتے ہی ہونہ۔ دنیا میں حسانہ دار کی بھی مٹی ہی خراب ہے۔

مشیر۔ اشارۃً چشمہ بدور ظاہر حال تو پریشانی کی کوئی وجہ ہے نہیں اور یوں تو دنیا کے رگڑے جھگڑے
 پہلے ہی جلتے ہیں اگر کوئی کار خیز نہ اس نالائق کے قابل ہو تو تم کو میر سے ہی سر کی قسم فطینے میں ہرگز تامل نہ کرنا
 میر خرواسی۔ خراک اللہ تم سے ہی توقع ہے مگر بعض مواقع ایسے پیش آجاتے ہیں کہ کسی کی تدبیر کارگر نہیں ہوتی
 تم کو میری بڑی لڑکی کا حال تو معلوم ہی ہے۔ علی گڑھ سے بلکہ علی گڑھ کا بھی کیوں نام لوں بنا اس سے
 اس کا پیام آیا ہے۔ سب باتیں اچھی ہیں لڑکائوں کا سید ہے بی اسے پاس ہے خوش رو بھی ہے۔

مشیر۔ بات تو ٹھیک ہے۔ انہیں براے خدا آنکھیں میچ کر منظور کرو۔

میر خرواسی۔ ہاں سیری بھی یہی ہے اور منظور نہ کروں گا تو کیا کروں گا۔ کچھ یوں ہی سا خیال تو پردیس کا تھا
 حاسا کو بھی میں نے جانے دیا۔ ایک بڑی شکل یہ واقع ہوئی ہے کہ ان کا علی گڑھ کلج میں پڑھتا ہو چھینک

کی خبر تو خدا کو ہے مگر ظاہری وضع بالکل وہی سید احمد خانیوں کی سی ہے۔ اس کو کیا کیا جائے۔ بھلا اور یہ تو لڑکی کی ماں کا راضی کرنا تو مقصد ہے۔ سو میں یہی بیٹھا سوچ رہا تھا کہ مولویوں سے فتوے لوں غلط کہلاؤں کیا کروں۔

مشیر۔ مولویوں کی طرف سے تو ہاتھ دھو رکھئے۔ یہ مولوی یوں بات بات میں ایک دوسرے لڑتے بھی ہیں جھگڑتے بھی ہیں۔ یہاں تک کہ سارے شہر میں کوئی ایک مولوی بھی ایسا نہیں ملے گا جس کی نسبت کفر کے فتوے نہ لکھے گئے ہوں۔ مسلمانوں میں ہتھے مولوی و تنے گروہ۔ ایک کے پیچھے ایک بلکہ ایک کے ایک نماز پڑھنے تک کا تو روادار نہیں۔ چھوٹ تو اس قدر ہے مگر سید احمد خاں کو تو کوئی بھی اچھا نہیں تھا اور میری نظر میں تو ایک مولوی بھی نہیں آتا جو انگریزی وضع کے جوڑ کا فتوے دے۔ اور کوئی مسئلہ ہوتا تو میں جیسا کہتے فتوے لکھوا کر لادیتا کچھ ٹیسی بات نہ تھی۔ ایک وقت کی دعوت کرو۔ اور مولوی صاحب کے چاہو کھلاؤ نہیں ان کا حصہ ان کے گھر پہنچو اور پھر جیسا چاہو فتوے لکھواؤ۔ اور جب اور جتنی دیر چاہو وغلط کہلاؤ۔ لیکن انگریزی کے نام سے تو بھی مولوی بدستے ہیں جانتے ہیں نہ کہ یہی انگریز تہ ایشیا ایک دن دنیا جہان سے مولویوں کا کھو جڑا کھو کر رہے گی۔ تو میری صلاح تو یہ ہے کہ مولویوں کا نام ہی نہ لو ان سے تو کچھ ہونا ہونا نہیں۔ اپنی قوت بیانیہ کو کام میں لاؤ اور کسی قدر اپنا زور بھی دکھاؤ ایسا بھی کیا ہے کہ تمھارا کہنا نہ چلے یاں خوب خیال آیا فرقی ثانی سے شرط کر لو کہ نکاح کے لئے اپنے ملکی لباس میں آئیں آخر بچہ دار لوگ ہیں اتنی دیر میں کیا ہوا جاتا ہے پھر نکاح ہوئے پیچھے ان کو تیار ہے۔

بات معقول تھی آخر میر خسرو کی یہی رائے قرار پائی کہ دھوم دھڑکاغل غبارا مہمان داری کچھ نہ کرو۔ اور چپا تے نکاح کرو۔ سید صادق آدمی ہے معقول پسند ضرور رضامند ہو جائے گا۔ بڑا رضامند ہونا صادق کی ماں کا ہے وہ ماں کر لیں تو میں سید صادق کو خط لکھے بھیجتا ہوں ایک دن کے لئے چلے آئیں اور نکاح پڑھا کر چاہیں بی بی کو ساتھ لے جائیں اور چاہیں ہیں ہنہ دیں جیسی ان کی مرضی۔ چنانچہ ایک موقع پاکر میر خسرو نے بی بی سے کہا کیوں صاحبہ صادق کی بات کی کیا ٹھیری۔

بی بی۔ ٹھیری ٹھیری کیا۔ کسی اس شہر والے کا پیام ہوتا تو میں سو جتن کرتی اور اپنی آنکھوں سے لڑکے کو

دیکھتی گھر کا چال چلن دریافت کرتی اصل حقیقت کھلتی ہی نکلتی۔

میساں۔ خط سے بڑھ کر اؤر کیا حقیقت کھلتی اس بیچے نے کوئی بات اٹھا نہیں رکھی اس قدر حال تو برسوں کے پاس پہننے سے بھی معلوم نہیں ہو سکتا اور خط کا ذمہ میں لیتا ہوں کہ اس میں ایک حرف کی کمی بیشی ہے نہیں بس جو رد ادب ہے سو یہ جواب اس پر کہو کہ تمھاری کیا رائے ہے۔

بی بی۔ یہ تصویر ہی دیکھ کر طبیعت رکتی ہے اور کیوں جی اگر کہنے سننے سے لڑکا مان جائے اور ہمارے یہاں کا جوڑا پہن کر آئے۔

میساں۔ ممکن نہیں۔ ایسا تو بھول کر بھی خیال نہ کرنا۔ تم اس کو کہتی ہو لڑکا جی ہم تم جیسے تو اس کے ناخنوں میں پڑے ہیں۔ بچکو تو اس سے بات کرتے ہوئے بھی کھاڑا تا ہے۔ کیا بتاؤں کہ وہ کس سبب کا آدمی ہے تمھارے شہر میں اس کی لیاقت کے شاید دس آدمی بھی نہ ہوں گے۔

بی بی۔ خیر تم آپ نہ لکھو کسی سے لکھو ابھی دیکھو تو کیا جواب آتا ہے۔

میساں۔ تم ان لوگوں کے دستور قاعدے سے واقف نہیں ہو۔ یہ انگریزی خزان کے لوگ ہیں اپنی عقل کے آگے کسی کی کچھ حقیقت نہیں سمجھتے۔ ہمارے دیس کے مسلمانوں میں سب سے پہلے یہ وضع سید احمد خاں نے اختیار کی ساری دنیا ہی نے تو ان کو چھپر ڈرایا دھکایا ملا تہ کی مگر آدمی ارادے کا اتنا تو پکا ہونے تب کسی کام کا بیڑا اٹھائے انھوں نے جو قلم بڑھایا تھا اسی پر جیسے ہے نتیجہ یہ ہوا کہ ہزاروں کو اپنی وردی پہنادی۔ اور یہ صاحب بھی اسی جتھے کے ہیں۔ ان سے ترک وضع کو کہنا ان کو چڑانا ہے۔

بی بی۔ تم تو کچھ ایسے ڈرتے ہو کہ خدا کی پناہ۔ واما د صاحب کیا آتے ہیں گویا ہمارے حاکم بن کر آتے ہیں اچھا میں اپنی طرف سے لکھواتی ہوں۔

میساں۔ خواہ مخواہ بھی۔ میں آج ہی انکا لکھ بھجوتا ہوں تم بیٹھی لکھو یا کرنا۔

بی بی۔ میری کیا جتنی کو غرض پڑی ہے۔ کرسٹن کو بیٹی دے کر کون اپنی ناک کٹوائے۔ اس مرد کو کو یہ نہ سوچھا کہ کس نمونہ سے ایک بھلے مانس کے گھر پیغام دیتا ہوں اس کی لیاقت کو لگاؤں جھلسا لکھتا ہے بے دین۔ انگریزوں کا جھوٹا کھانے والا۔ اپنی صادقہ کے بائیں پانو پر اس کو ہوا کے پھینکے ہوں۔ پادریوں

یہاں بہت ساری چارباں بھری پڑی ہیں۔ ان میں گیا ہوتا۔ جیسی روح ویسے فرشتے۔
 میاں۔ تم ایک مرد آدمی کو اس کے پیٹھ پیچھے ناحی انا کیوں فطیحہ کرتی ہو جس کے گھر میں میری
 ہوتی ہے۔ پتھر آیا ہی کرتے ہیں نہیں کرنا منظور سید صاحب جواب دے دیا۔
 بی بی۔ مرد آدمی۔ ایسے ہی مرد آدمی ہوتے ہوں گے؟ تمہارا بس چلے تو نہ کو ادیکھو نہ کھائی بیٹی کو آنکھ
 بند کر کے دھکا دے دو۔

میاں ماں جی ماں میں تو اولاد کا ایسا جی نہیں ہوں۔
 بی بی۔ کیا دشمن کے سر میں سینک ہوتے ہیں اور تم بچارے کیا دشمنی کرو گے۔ میں جیتی بیٹی ہوں تو
 تمہاری دشمنی کو کب چلنے دیتی ہوں۔ بس آج سے اس کی بات میں دخل دیا تو تم جانو گے۔
 سیدانی کو جلال آیا تو کون روکے آخر بچائے میر صاحب طرح دے کر ٹل گئے۔

نویں فصل۔ ماں صادقہ کی جدائی کے خیال سے کڑھتی اور میاں بی بی
 کو تسلی دیتے ہیں

ادھر تو یہ جھگڑے پڑے ہوئے تھے اُدھر جس رات صادقہ نے پہلا خواب دیکھا اُس کے اگلے ہی دن
 ماں کو سامان خانہ داری سنبھالنا سمجھانا شروع کر دیا تھا۔ بلکہ ماں نے پوچھا بھی کہ کیا ہوا بات تو کہہ دینے
 تو تمہیں کبھی بھول کر بھی آدھی بات نہیں کہی اور کتنی کیوں کیا میرا سر بچھا تھا اتم ایسا کوئی کام ہی نہیں
 کرتیں۔ سارا گھر تم پر چھوڑ کر مہمان دہشل دروٹیاں میں بھی کھا لیتی ہوں کبھی کچھ دخل دیا ہو تو تم ہی بتا دو
 رہے بھائی بہن۔ مجھ سے تو لڑ بھی لیں جھگڑ بھی لیں تم نے کچھ ایسا سدھار کھا ہے کہ کوئی تمہارے حکم سے
 باہر نہیں۔ تم اٹھاؤ تو اٹھیں اور بٹھاؤ تو بیٹھیں۔ باپ کا حال تم دیکھ ہی رہی ہو کہ بے تمہاری صلاح کے
 ٹکڑا نہیں توڑتے۔ اور میری ان کی تو کچھ افتاد اسی طرح کی پڑ گئی ہے کہ بات بات میں دوکد ہوتی رہتی ہے
 اور یہ البتہ بخشتے تمہاری نانی کے ڈھنگ لے ہوئے ہیں وہ کہا کرتی تھیں کہ جہاں تک ہو سکے مرد
 دبے ہی نہیں۔ سو تمہارے باپ ایسے ٹھنڈے مزاج کے آدمی ہیں کہ ان کو کچھ ہی کہہ لو اٹ کر جواب دینا نہیں

جانتے اور تم ہو تو بیٹی مگر خاص کر تمہارا اتنا لحاظ کرتے ہیں کہ تمہارے ہاتھ سے پانی تک کے پینے کے دوا نہیں تو بیٹی ایسا کیا قصور ہو کہ تم گھر کی چیزیں سب مجھ کو دکھاتی سمجھاتی ہو۔

صداقہ۔ اما جان۔ نہیں یہ بات نہیں۔ میں تو بال بال تم سب کی احسان مند ہوں اور اس گھر میں ایسی لالوں کی لال بن کر رہی ہوں کہ کیا کوئی بیٹی بیٹے میں رہے گی۔ مگر اما جان اچھی بات ہو تم کو بھی ہر ایک چیز کا حال معلوم ہے خدا جانتے کیا اتفاق پیش آئے کوئی چیز درکار ہوئی وقت پر جا کر نکال تو لاؤ گی اب تو تم اتنا بھی نہیں جانتیں کہ نمک کس گھر سے میں ہو اور سب سے بھی یا نہیں۔

صداقہ کا چیز تو برسوں سے بنا ہوا اظہار رکھا تھا اور صندوق اور کوٹھڑیوں کی کنجیاں اسی کے پاس تھیں اور یہی سارے گھر کی مالک مختار تھی۔ ہمارے بہت دنوں سے اس کی جھولنیاں نمونے کے لیے منگوا بھیجی تھیں۔ اب صداقہ نے واپس طلب کیں تو ہمارے جواب دیا کہ کم بخت سنا ایسے وعدہ خلاف ہوئے ہیں کہ ہر روز آج کل کرتا ہے۔ اب تک تو دیں نہیں اب کل سے میں اس کے سر پر ایک آدمی بٹھاؤں گی اور اگلے جمعے تک ضرور ضرور آپ جھولنیاں لے کر آؤں گی۔ میری جھولنیاں آئیں ان سے ملاؤں تب واپس کروں۔ جسے کے دن صداقہ سب کو دے دلا کر کھانا کھائے بیٹھی تھی کہ ہمارے جھولنیاں لیے ہوئے آپہنچی۔ وہ بہتیرا اصرار کرتی رہی صداقہ نے زبردستی ہاتھ پکڑ کر کھانے پر بٹھالیا۔ کھانے کے بعد ہمارے دونوں جوڑیاں نکال صداقہ کے آگے ڈال دیں کہ لو اپنی بچان لو۔ ہر چند صداقہ نے دیکھا کوئی تمیز نہیں ہوتی تھی آخر ہلکی جوڑی کو کہا کہ یہ ہمارے یہاں کی ہو گی۔ ہمارے بولی نہیں بھاری جوڑی تمہاری ہو بنو گی تو میں بھی اتنی ہی بھاری مگر اس وقت ہاتھ تلے روپے نہ تھے۔

صداقہ۔ پھر تم بھاری جوڑی پہنے دو۔

ہمارے آگ لگے مجھ پہنتی کو۔ تمہاری تم کو مبارک۔ آئی چھپکے کے بالے پہنے۔ کبھی وہ بھی دن ہو گا کہ میں تم کو دو لہن بنی دیکھوں گی۔

صداقہ۔ تم نے آخر دعائیں مانگ مانگ کر اس دن کو بلا یا ہی بلایا۔

ہمارے سچ کہو کہیں بات ٹھیک نہ کی۔

صادقہ۔ ٹھیری ٹھیرائی تو نہیں مگر میں نے اوپر تلے تین خواستے ہیں بس کے بعد صادقہ نے اپنے خواب اُن کی تعبیر بنارس سے خط کا آنا ماں باپ کی تکرار سارا قصہ ہزار کو کہہ سنایا کہ تم چلتے ہو سے اتناں سے کہتی جانا اور اُن کو سمجھا دینا کہ جہاں خدا کو منظور تھا میری تقدیر کا فیصلہ ہو چکا ہے اباجان سے لڑیں جھگڑیں نہیں اور غریب کے شے کو بھی دل سے نکالیں کہ یہ بات ہے بے صل جو لوگ ایسی تہمت رکھتے ہیں ناحق ایک مسلمان کا گناہ سمیٹتے ہیں۔ آدمی کی طبیعت کا بھی عجب حال ہر ذری سے میں خوش دیکھ سے میں آزرہ۔ صادقہ کی ماں یا تو صادقہ کے بیاہ کی دعائیں مانگتی تھی یا اب جو ہمارے صادقہ کا پیام کبر دیا تو سوتے کے ساتھ موندتی ہی تو ہو گیا اور بے خست یا رانکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ اس سے پہلے ایک چھوڑ دو رو بیٹیاں بیاہ چکی تھی اور وہ خیر بہت آرام میں نہ تھیں تو چند اں تکلیف میں بھی نہ تھیں جیسی کسی خانہ داریاں ہوتی ہیں ان کی بھی تھیں۔ مگر صادقہ کا بیاہ جانا تھا۔ ماں کو حقیقت میں معلوم نہ تھا کہ اس بیٹی کے ساتھ اُس کو کیا تعلق ہے۔ یہ بیٹی اس کی ہائیں برس کی رفیق تھی کہ ایک دن کو ماں سے جدا نہیں ہوئی اور رفیق بھی ایسی کہ جبکے ہوش سنبھالا ماں پلنگے اُترنے نہیں دیا۔ دایہ گری یہ کرے۔ ماگر یہ کرے۔ سفالنیوں کا کام یہ دے۔ بال بچوں کو نہلائے دُلائے کپڑے بدلوائے۔ ان کی دوا درمن کھانے پینے کی خبر رکھے۔ گری پڑی چیز سینے اٹھائے۔ بیٹی کی بیٹی مصاحب کی مصاحب۔ پھر اس کے بیاہ کے اٹکاو سے ماں کو بڑی بڑی ایذا نہیں پہنچی تھیں۔ اس کے لیے ماں کا دل لیا ہو گیا تھا جیسا پکا پھوڑا ام جاتا ہے اور اب جو خدا کر کے پیام بھی آیا تو پر دین کا نہیں معلوم بنارس لے جاتے گا یا ساتھ ساتھ لیے پھر گا اور انگریز کا پٹنا الگ۔ کون جانے کہ دین پر بھی قائم ہے یا نہیں۔ عرض یہ روداد ماں کے رودینے کو بس کرتی تھی۔ آخر میر صاحب کو باہر سے بلوایا۔ بی بی کو روٹے دیکھ کر پوچھا خیر تیر تو ہے۔

بی بی ماں خبر تیر ہی ہے مگر میری صادقہ مجھ سے چھٹی۔ یہ بنارس کا جو پیغام آیا ہے اس کے آنے سے پہلے صادقہ اسی مردوے کو خواب میں دیکھ چکی ہے اور اُس کو اس کا نام تک معلوم ہو گیا ہے اور اُس نے یہ بھی خواب میں دیکھا ہے کہ گو اس کا ظاہر انگریزوں کا سا ہے مگر حقیقت میں مسلمان ہیں صرف انگریزی کپڑے پہن رکھے ہیں۔ بس تو جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔

میاں۔ دیکھو میں تو تم سے کہتا تھا تم ہی نے شبہ کیا پھر اپنا دل کیوں تھوڑا کرتی ہو اس من کے لیے
میں نے اور تم نے مدتوں ناک رگڑی ہے۔ اب خدا نے غیب سے سامان کیا ہے تو ہمیں خوشی اس کو خصہ کر
لی۔ بی بی ہے صادقہ کو ہمیں خوشی خصہ کروں میرا تو کلیجہ مونہ کو چلا آتا ہے جس وقت سے ہمارے اگر
کہا ہے بس ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی دل کو موسیٰ سے ڈالتا ہے۔ صادقہ بی بی تو پوتوں پھلے اور دودوں
اور تو بڑھ سہاگن جتنے جیسے آرام تو نے مجھ دیے ہیں ایک ایک کے بارے تو ہزار ہا رستہ دیکھ
خدا حافظ خوش ہو آداب ہو۔ مگر اب کو اپنی جدائی کا دل غ دے چلیں اب میں تمہاری صف کو پڑی ترا کروں گی
برسوں سے تمہارے برتے پر میں نے یہ بھی تو نہیں جانا کہ گھر کدھر ہے اور میں کدھر ہوں۔ اب تمہارے
پہچے اس کھڑک کو کون سنبھالے گا۔

عرض بی بی کی جدائی کے خیال سے مان کا دل بھرا آیا تو کوئی آدھ گھنٹے میں جا کر سنبھلا۔ تب میرے صاحب نے کہا کہ
تم نے ابھی سے صادقہ کو گپا ہوا کیوں فرض کر لیا ہے کیا معلوم کہ طرف ثانی کا کیا ارادہ ہے اس سے کہ انھوں
نے خود پیام دیا ہے عجب نہیں بنارس میں رہنے کی مرضی نہ ہو اور ابھی پڑھ رہے ہیں تو علی گڑھ میں رہنے
کا بھی کوئی موقع نہیں اور مانا کہ بنارس ہی جانا ہوا تو یہاں سے وہاں تک برابر ریل ہے آج شام کو سوار ہو
کل نماز عصر بنارس جا پڑھو۔ اور میں تو ایک سیدھی بات جانتا ہوں کہ جب آدمی اپنی آنکھوں کے سامنے
نہیں تو جیسا شکے ڈولی ویسا پردیس۔ سچ کہا ہے آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل۔ اب تمہاری ہی دونوں لڑکیاں اسی
شہر میں موجود ہیں ہماری طرف سے شہر میں ہوئیں تو اور ماہر ہوئیں تو۔ رہا آنا جانا خط پتہ ریل اور ڈاک اور
تار کی بدولت ہم تو سارے ہندوستان کو اپنا ہی شہر سمجھتے ہیں۔ اور پھر یہ تو دنیا ہے کون کس کے ساتھ رہا ہے
اور کون کس کے ساتھ رہ جائیگا۔ اس کی مثال ناؤ جنگ کی سی ہے کہ جب تک ناؤ دریا میں چل رہی ہے مسافر
ایک جگہ ملے بیٹھے ہیں۔ ناؤ کناٹے لگی اور ہر ایک نے اتر کر اپنا اپنا راستہ لیا۔ ناؤ کے مسافر ایک دوسرے
بچھڑتے وقت نہ روتے اور نہ رنج کرتے اس واسطے کہ وہ پہلے سے سمجھ ہوئے تھے کہ یہ سنگ ساتھ پار ہوئے
نہیں کا ہے۔ ہم لوگ اویلا کرتے اور فریاد مچاتے اس لیے کہ ہم نے غلطی سے ناؤ کو گھر فرض کر لیا ہے اور گھر
بھی ہمیشہ ہمیشہ کا گھر۔ میرے ایک دوست ہیں ان کو فقیروں سے بڑی ارادہ ہے وہ اپنی ایک نقل بیان

کرتے تھے کہ مجھ کو فقیروں سے ملنے کی ہمیشہ سے دھت رہی ہے سالک ہو مجذب ہو کسی رنگ میں ہو
مجھے ایک بار اُس سے ملنا ضرور ہزاروں قسم کے فقیر نظر سے گزرے جو بات میں ڈھونڈتا تھا کہ بھلا اور کچھ نہ
ہو تو فقیر سے مل کر تھوڑی دیر کے لیے دل تو گداز ہو کسی میں نہ پائی۔ بارے ایک نے خاکی شاہ ہمارے مکان
کے تلے سے جا رہے تھے۔ دو باتیں ان میں بھی بڑی ہی عمدہ ہیں ایک تو مجھے کے جیسے جنگل سے سو اکیس کا
لائے ہیں۔ نماز کے بعد جامع مسجد کی سیڑھیوں پر جا بیٹھے جس کو ضرورت ہوئی اُس نے سو اکلٹھالی کسی نے
از خود کچھ دے دیا تو خیر و نہ موند سے نہیں مانگتے۔ بس یہی ان کی معاش ہے۔ اور یوں کسی نے کچھ دینا چاہا
تو کہہ دیتے ہیں کسی اپاہج کو دو میں تو کھاتا ہوں اور کھا سکتا ہوں۔ دوسرے یہ کہ آندھی ہو مینہ ہو اندھیر ہو
اُجالا ہو یا پچوں وقت جامع مسجد کی اول جماعت میں موجود۔ خیر تو ہمارے مکان کے تلے سے نکلے تو میں نے
سلام علیک کی۔ لگے پوچھنے کیوں صاحب کوئی درویش بلا میں نے کہا تم کسی کو بتاتے ہی نہیں اور مجھے
خدا نے ایسی آنکھیں نہیں دیں کہ دیکھوں اور پچاں لوں۔ آہستہ لگے کہ ان دنوں ایک شخص آیا ہو ہے
سقوں کے بھیس میں ہو۔ لاہوری دروازے کے باہر نہر کے پُل پر پل پلا کر تاتا ہے اُس سے تو ملو۔ خاکی شاہ
تو اتنا کہہ کر چلتے ہوئے اور میں سید جانہر کے پُل پر پہنچا۔ دیکھا تو واقع میں ایک دھیر سا شخص لوگوں کو
کھڑا پانی پلا رہا ہے اور اس کل انداز رکھ دیتا ہے کہ یہ ستانہیں ہو۔ آس پاس کے سقوں سے پوچھا تو سب نے
انکار کیا کہ ہم تو اس سے وقف نہیں غرض میں اس کی ٹوہ میں لگا رہا۔ تو معلوم ہوا کہ آنے کی مشین میں وہیلا
شک کے حساب سے ہر روز ہزار ڈیڑھ ہزار مشکیں بھروائی جاتی ہیں وہاں یہ بھی ڈھائی تین آنے کا پانی بھرتے
ہیں۔ رات کو یہ کام کرتے اور دن بھر پیل پلاتے ہیں اور پیل بھی پنچ کو بیوک پانی کی۔ میں اس شخص سے
لگا وٹ کرنی چاہی تو ناتھ نہ دھرنے لے۔ آخر میں نے ایک ن پنچ کو بیوک پر چالایا اور تھلیہ پا کر کہا کہ اگر
تم کو کچھ خدا کا رستہ معلوم ہے تو اتنا مضائقہ کیوں کرتے ہو۔ پانی پلانے میں فیاضی اور خدا کا رستہ بتانے
میں بخل۔ یہ سن کر مشک تھکنے پر سے اُتار کر رکھ دی اور ہم دونوں زمیں میں بیٹھ گئے تو کہتے کیا ہیں کیا
تھکے پاس سول نہیں آیا۔ کیا تم پر قرآن نہیں اُترا۔ اب کون سے رستہ بتانے والے کے منتظر ہو خدا
کا رستہ کھلا پڑا ہے اور سب کو معلوم ہے اور تم کو بھی معلوم ہے۔ تم آپ تو رستے پر چلنا نہ چاہو اور رستہ

ہمانے والے کا یقین نہ کرو تو تم صرف بہانہ ڈھونڈتے ہو کیا تم نے قرآن میں دوزخ کا حال نہیں پڑھا
 کذلک اللہ فیہا فرج ساءلہم خزینتہا لعلہ یاتکھذنا یرقا لہ ابلہ قد جاءنا نذیر فکذبنا وقلنا ما نزل اللہ من
 شیء ان انتہزکافی ضلللکم بعد کہ جب اُس میں کافروں کی کوئی ٹولی جھوٹکی جائے گی تو دوزخ کے پتھر سے
 چوکی ڈالے ان سے پوچھیں گے کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں گیا تو جواب دیں گے ڈرانے والا
 آیا تو سہی مگر ہم نے اُس کو جھٹلایا اور کہا خدا نے تو کوئی چیز اتاری نہیں تم ہی گمراہی میں پڑے ہو وہ تم جو
 خدا کا رستہ پوچھتے پھرتے ہو تو اس کے ہی معنی ہیں کہ تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں پہنچا
 یا پہنچا مگر تم کو اس کے ڈرانے پر قناعہ نہیں اور چاہتے ہو کہ اس سے بہتر کوئی ڈرانے والا ہو تو عزیز
 سن یہ تو بہت ہی بُرا خیال ہے۔ اور کوئی مولوی سُن پائے تو ابھی کفر کا فتوے لکھ مارے۔ یہ سب شیطان کے
 دھوکے ہیں۔ ظالم نے کہاں دین کی آڑ میں جا کر غلام مارا ہے۔ پیغمبر خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) پر جو وحی نازل
 ہوتی تھی بلا کم و کاست سب کو پڑھ کر سنا دیتے تھے اور لکھواتے تھے۔ چنانچہ اس کا مجموعہ قرآن میں موجود
 ہے۔ اس میں سے ایک لفظ بلکہ ایک حرف بلکہ ایک شوشہ گھٹا نہیں اور گھٹے گا بھی نہیں۔ ایک لفظ
 بلکہ ایک حرف بلکہ ایک شوشہ اس میں بڑھا نہیں اور بڑھے گا بھی نہیں۔ کیونکہ خدا نے اس کی حفاظت
 کا ذمہ لیا اور فرمایا ہے وانالہ لحاظ فظون قرآن میں ہمارے لیے روز قیامت تک پوری اور مکمل اور کافی
 ہدایت موجود ہے۔ وہ میرے دوست کہتے تھے کہ سقے کی یہ تقریریں سن کر میں تو دنگ ہو گیا۔ اور میں نے اپنے
 جی میں کہا اللہ کی قسم یہ تو کوئی بُرا شخص ہے اس سے بڑھ کر کوئی کیا درویشی کرے گا کہ یہ تو علی ایسا ہے
 اور یوں اس شخص نے اپنے تئیں مٹی میں ملا رکھا ہے۔ آخر میں نے کہا تو پھر پیری مریدی کوئی چیز نہیں
 تو اس کا ایسا معقول جواب دیا کہ بس تسلی کر دی۔ کہا کہ ظاہر اور باطن دونوں کی اصلاح کا نام ہے دین۔ مثلاً
 طہارتہ ایک تو ظاہر کی ہے کہ آدمی کے جسم پر لباس پر اس کے بیٹھنے کھڑے ہونے کی جگہ پر گنہ گاری غلط
 گنہ گاری کی کوئی چیز نہ ہو۔ اگر کسی نے غسل کیا وضو کیا صاف ستھرے کپڑے پہنے پاک۔ کہ میں کھٹک رہا ہوں
 اس کا ظاہر درست ہو گیا۔ مگر خدا کی نظر میں وہ اتنا کرنے سے درست نہیں ہو جب تک اپنے دل کو غصے
 اور لالچ اور غرور اور حب کی گنہ گاری سے پاک نہ کرے۔ کلی کرنے سے اُس کا مومنہ صاف ہوا۔ لیکن پوری صفائی

تب ہو کہ قسم نہ کھائے جھوٹ نہ بولے فحش نہ بکے کسی کی غیبت نہ کرے۔ غرض دین کے یہ دو بڑے رکن ہیں ظاہر کی اصلاح اور باطن کی صفائی۔ قرآن میں دونوں کی تاکید ہے اور ایک ساتھ دونوں ہی کی تعلیم اور تعمیل ہونی چاہیے۔ لوگوں نے غلطی یہ کی کہ دونوں شاخوں میں جدائی قائم کر دی مولویوں نے تو یہاں ظاہر اور اس پر اتنا زور دیا کہ لوگ باطن کو بھول گئے۔ مشائخ نے باطن کو پکڑا اور ظاہر سے کی غفلت۔ نماز کے متعلق مولوی ان باتوں میں تو اختلاف کرتے ہیں کہ امام کے پیچھے مقتدی فاتحہ پڑھے یا نہ پڑھے امین پکار کر کہی جائے یا آہستہ۔ رفع یدین ہو یا نہ ہو۔ لیکن حضور قلب سے ان کے یہاں بحث ہی نہیں اور اگر اس کو شرط قرار دیا ہوتا تو عربی کی یوں مٹتی ہی کیوں خوار ہوئی کہ کوئی دن کو عنقا شاید ڈھونڈے سے کہیں مل گئے مگر عربی داں دو کو بھی میسر نہیں آئے گا۔ خیر یہ تو مولویانہ ناز ہے کہ سمجھو یا نہ سمجھو کھڑے ہوئے۔ رکوع میں گئے۔ سجدہ کیا تشہد پڑھا سلام پھیرا نماز ہو گئی۔ مشائخ کہتے ہیں نماز نام ہے حضور قلب اور وہ اس سے نہیں ہوتا کہ قبلے کی طرف مونہ کیا نیہ باندھی خیال جم گیا۔ اس کے لئے چاہیے بڑا کی ریاضت تاکہ آدمی کو خیال جانے کی عادت پڑے۔ مگر ظاہر کی اصلاح ہو یا باطن کی صفائی دونوں کا اصل الاصول اول درجے میں قرآن دوسرے درجے میں حدیث بلکہ قرآن اور حدیث کو دوجہ کیوں سمجھو قرآن متن ہے اور حدیث اس کی تفسیر۔ مولوی باطن پر زور نہ دیں مگر ان کی تعلیم ہی دو چیزیں ہیں جن کے ذریعے سے حکم خدا اور رسول ہم تک پہنچا ہے۔ مشائخ چپکے چپکے ایسا کٹھیا میں گڑ پھوڑتے ہیں کہ کچھ بھیجی ہی نہیں کھلتا سا اور انھوں نے سینہ بسینہ ایک تعلیم کی ہے مولویوں کی تعلیم سے الگ اور اُس کو انھوں نے اپنے گروہ کے ساتھ خاص کر رکھا ہے گویا وہ راز ہے جس کو خدا نے عام مسلمانوں پر ظاہر نہیں کرنا چاہا۔ سو بھائی اپنی سمجھ میں تو آتا نہیں کہ خدا ایک رسول ایک قرآن ایک دین ایک پھر یہ میر تیر کیسی۔ نتیجہ یہ ہے اور اس کے سواے ہونا بھی کیا تھا کہ جو لوگ مولویوں سے ہدایت پاتے اکثر ان کے معاملات اچھے نہیں۔ اس لئے کہ ان کے دلوں میں نیکی کا بیج نہیں بویا گیا۔ دین کے ساتھ ان کی نسبت ایسی ہے جیسے قانون کے ساتھ وکیل کی کہ مقنن کی اصل غرض سے تو اس کو مطلب نہیں وہ جس طرح بن پڑتا ہے اپنے موکل کو قانون کے لفظوں کی گرفت سے بچا ناچاہتا ہے۔ دوسری طرف

شاخ کا گروہ رعایتی ہے جیسے بادشاہی چیلے کہ وہ خدا کے ساتھ ایک طرح کی خصوصیت جتاتے ہیں اور ان کے یہاں احکام شرع ظاہر عطل نہیں تو بے قدر ضرور ہیں۔ اس پر میں نے پوچھا تو آپ کو کسی سے بیعت نہیں۔ کہا ہے نہیں اور ہوگی بھی نہیں۔ اور میں اس کی ضرورت بھی نہیں سمجھتا۔ تم کو میرے پاس میں دھوکا ہوا ہے میں مختصر طور پر اپنا حال بیان کیے دیتا ہوں اس سے تم سمجھ لو گے کہ میں کیا ہوں میں نے دیوبند کے مدرسے میں مدتوں طالب علمی کی ہے اور درسی کتابیں سب میری نظر سے گزری ہیں مگر میری طبیعت واقع ہوئی تھی غیور مولویہ کی شان سے معاش پیدا کرنے کو میں پسند نہیں کرتا تھا اور مولویہ کو کوئی پوچھتا بھی نہ تھا مجبور میں نے ریلوے پر کنکر کا ٹھیکہ لے رکھا تھا اس میں ایسی ناچار کڑ کارروائی کرنی پڑتی تھی کہ کرتا ہوں تو طبیعت گوارا نہیں کرتی اور نہیں کرتا تو الٹا نقصان ہوتا ہے ایک دن بٹے سپر سے نماز صبح پڑھ کر میں کنکر کے ڈھیروں کو دیکھتا پھر تا تھا کہ اتنے میں معمول کے مطابق ریل طیار ہوئی سٹیشن پر جیسا دستور ہے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ چل پھل رہی یہاں تک کہ ریل روانہ ہو گئی اس کا چلنا تھا کہ مجھے خیال آیا جس طرح اس ریل کی ابتدا اور انتہا ہے اسی طرح دنیا کا آغاز و انجام ہے جس طرح ریل کے سٹیشنوں پر لوگ چڑھتے اترتے ہیں اسی طرح دنیا میں لوگ پیدا ہوتے اور مرتے ہیں جس طرح ریل کی گاڑیوں کے درجے ہیں فرسٹ کلاس سکنڈ کلاس انٹرمیڈیٹ کلاس۔ تھرد کلاس۔ اسی طرح دنیا کیا دین کل باتوں میں لوگوں کے درجے ہیں کوئی امیر ہے کوئی غریب کوئی بد ہے کوئی نیک جس طرح سٹیشنوں پر روانگی سے پہلے لوگوں کو ٹکٹ دئے جاتے ہیں جن میں ایک مقام خاص تک ان کو سفر کرنے کی اجازت ہوتی ہے اسی طرح لوگوں کی تقبیریں ہیں عمر کے اعتبار سے رزق کے اعتبار سے اولاد کے اعتبار سے اور سب چیزوں کے اعتبار سے جیسی نسبت سیٹیم کو ریل کے انجن سے ہے ویسی ہی یا اسی کے قریب قریب انسان کی روح کو اُس کے جسم سے ہے جس طرح کوئی مسافر بیچ میں ریل پر سے اترنے اور اپنی حد سے بڑھنے نہیں پاتا اسی طرح ہم سے جبراً اذاجاء اجلہم لا یستأخرون ساعد لا یستقدمون کی تعمیل کرائی جاتی ہے۔ غرض ان خیالات سے میرے دل پر ایسا اجوم کیا کہ جہاں کھڑا تھا وہ پر نکٹ میں کھڑا

رہ گیا۔ پھر اپنی حالت پر آیا تو طلب دنیا کو جی نہ چاہا۔ اور اب میں اس حال میں ہوں جو تم دیکھتے ہو۔ چاہے اس کو فقیر ہی سمجھو اور چاہے جنون نہ مجھ میں خرق عادیہ ہے نہ کرامتہ اور نہ اس حال میں ہنسنے سے میں اپنے تئیں کسی مدح کا مستحق سمجھتا ہوں میں نے دنیا کو ویسا سمجھا جیسی وہ ہے اگر میں دنیا سے کسی قدر الگ ہو گیا ہوں تو یہ میری کم زوری ہے اور میں اس شان کو بدھنے ہی والا ہوں تاکہ تمہاری طرح دوسروں کو دھوکا نہ دے سکوں۔

دسویں فصل صداقت کا بیاہ

یہ حکایت تمام کر کے میر خسرو نے بی بی سے کہا کہ مجھ کو یہ بات ناؤ سنو گ پر یاد آگئی اور تمہاری خراشی تو پوٹ گئی میں امید کرتا ہوں کہ تمہارے دل کو اس سے کسی قدر تسکین بھی ہوتی ہوگی کیونکہ آدمی کو خدا نے ایسا ہی بنایا ہے کہ خیال کو اس کے پنج و راقعہ میں بڑا دخل ہے۔ تو آج میں سید صادق کو منظور ہی لکھے یہی بتا رہا ہوں اور میں میری یہ بھی رائے ہے کہ تم دو بیٹیوں کو دنیا کے دستور کے مطابق بیاہ چکی ہو اب ہر سب بچھڑ کرنا کیا ضرور ہے صداقت ایسی سمجھ دار بیٹی ہے کہ وہ بھی اسی کو پسند کرے گی اور سید صادق تو یقیناً اسے زیادہ خوش ہوں گے

بی بی بچھڑا کر نے ہی والا کون ہے کہ میں تو صداقت ہی کرتی ہوں۔ اور آخر دونوں بہنوں کے بیاہ میں اندر باہر سارا انتظام انھوں ہی نے کیا تھا۔ مجھے تو کچھ ہوتا ہوتا نہیں اور اب تو میرا دل ہی ٹھکانے نہیں بیٹی کو سر سے ٹالنا اور دھکے دے کر گھر سے نکالنا ہے۔ دن کے بدلے چپ چاپ رات کو ہو تو اور اچھا عرض میرے صاحب نے سید صادق کو لکھ بھیجا کہ ہم نے آپ کی درخواست بخوشی منظور کی آپ اپنے اپنے خط میں ایک مقام پر لکھا ہے کہ کسی کو رنج دنیا کو وہ رنج بے اصل اور بلا وجہ معقول ہی کیوں نہ ہو میں جائز نہیں رکھتا آپ کی اس سلامتہ روی کے بھروسے پرستورات کی یہ تمنا ہے کہ حتی الامکان لوگوں کو آپ اس کا موقع نہ دیں کہ آپ کی وضع ظاہر کی وجہ سے ہم کو رنج پہنچائیں اور جو خیالات آپ نے خط میں ظاہر کیے ہیں ان ہی سے ملتی ہوئی یہ بات بھی ہے کہ ہم شرعی نکاح چاہتے اور اس کے لیے ہر وقت تیار ہیں میں نہیں سمجھتا کہ آپ کو پانچ ہزار نہرشل کے قبول کرنے میں کچھ عذر ہوگا۔ راقم میسر و ازدہلی

اس کے جواب میں سید صادق نے جیسے اُن کی عادت تھی پھر اپنے چند حکیمانہ خیال ظاہر کئے۔ کہ میں نے دیدہ و دانستہ انگریزی لباس میں اپنی تصویر کچھ اگر آپ کی خدمت میں بھیجی اور مقصود یہ تھا کہ انگریزی وضع اور تصویر کے بارے میں میرا خیال آپ پر ظاہر ہو اور یہ نمونہ ہو جس کے عام خیالات کا اب تو بہت کچھ فرو ہو گیا ہے اور جیسا کہ وقت کا تقاضا ہے لوگ خود بخود انگریزی وضع اختیار کرتے چلے جاتے ہیں۔ لیکن شروع شروع میں اس پر ایسا غل بچا نہ صرف عوام میں بلکہ عوام سے بڑھ کر خواص میں کہ گویا انگریزی کپڑے پہن لینا یا انگریزوں کی طرح یا اُن کے ساتھ میز پر بیٹھ کر چھری کا نٹے سے کھانا کھنڈا کرنا اور اس کے فتوے لکھے ہوئے موجود ہیں۔ زمانہ جو سب کی عقلوں کو ٹھیک بنا دیتا ہے اس غلطی کی بھی اصلاح کرتا اور ہم دیکھتے ہیں کہ کر رہا ہے اور کسی قدر کبھی چکا ہے تو کیا سید احمد خاں کے باوجود کُتے نے کاٹا تھا کہ ناحق بیٹھے بٹھائے اپنے تئیں انگشت نما کر لیا۔ نہیں نہیں لیکن سید احمد خاں کے درد کو ہر ایک شخص نہیں پاسکتا۔ ان میں بڑی صفت یہ ہے کہ ہم سب سے پہلے زمانے کی رفتار کو پہچانتے۔ اور مسلمانوں کو آگاہ کر دیتے۔ ان کی مثال مسلمانوں کے ساتھ ایسی ہے کہ گرمی کے دنوں میں تلے ہندوستان کے بعض مقامات میں ایسی سخت ٹوچتی ہے کہ خدا نخواستہ آدمی کو لگ جائے تو پھٹکا نہ کھائے۔ ایسی ہی جگہ ایک شخص نے مئی جون کی ساری رات لغویات میں بسر کی۔ صبح ہوتے سویا۔ دن چڑھتا چلا آتا اور دو دھوپ میں کھلی چھت پر غفلت کی نیند پڑا سوتا ہے۔ اور لو کوئی دم میں چلی کی چلی۔ اس کا ایک رفیق درد مند اس کو جھنجھوڑتا اور چلاتا کہ خدا کے لیے کیا غضب کرتا ہے اٹھ بھاگ۔ اور یہ شخص ہے کہ اُٹا اُس رفیق پر جھنجھلاتا کہ کیوں میری نیند خراب کرتا ہے۔ معلوم ہے کہ دھوپ کی تیزی اس کو سونے نہیں دے گی اور یہ جگہ اور اس کا اچھا جاگے۔ مگر اس کا بھی تو ڈر ہے کہ کہیں سونے کا سوتا ہی نہ رہ جائے۔ اسی طرح جو کچھ سید احمد خاں کہتے ہیں مسلمان اگر دنیا میں رہنا چاہیں گے تو کریں گے اور اس سے بڑھ کر کریں گے مگر ابھی نہیں۔ اچھی طرح مٹ لیں گے پیٹ بھر کر خراب ہو لیں گے تب کہیں جا کر سمجھیں تو سمجھیں میں جانتا ہوں اور افسوس کرتا ہوں کہ سب لوگ کیوں نہیں جانتے کہ سید احمد خاں کے دل میں انگریزی وضع کی ذرا بھی وقعت نہیں اور وہ سب سے بڑھ کر سمجھتے ہیں کہ یہ وضع ہماری ملکی حالت کے بھی مناسب نہیں مگر ان کو

اس وضع کے اختیار کرنے اور دوسروں کو اس کے اختیار کرنے کی ترغیب دینے پر مجبور کیا ہے دو چیزوں نے۔ اول یہ کہ انگریز ٹھیکرے حکام وقت ان کی نسبت سے ان کی کل چیزوں میں وقار کیا ہے۔ انہیں جملہ وضع میں بھی تو مسلمان وہ وقار کیوں پیدا نہ کریں۔ دوسرے یہ کہ دنیاوی ترقی کے لئے جہاں تک ممکن ہو ہم کو چاروں چار انگریزوں کے ساتھ سازگاری رکھنی اور ان کی پیروی کرنی ضرور ہے اور اس کی جہاں اذیت سی تدبیریں ہیں ایک یہ بھی ہے کہ ہم ان کے ساتھ ان ہی کی زبان میں گفتگو کر سکیں ان ہی کے طور پر ہیں کہ اس سے اختلاط میں آسانی ہوتی ہے اور ان دو غرضوں کے علاوہ ایک اہم مطلب اور ہے کہ مسلمانوں نے جو اپنے مذہب کو ہندوؤں کے دھرم کی طرح چھوٹی موٹی بنا رکھا ہے ذرا ٹھیس لگی اور کھلایا اور خیال ان کو پنپنے اور ابھرنے نہیں دیتا۔ یہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ جو شخص لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ سونے کہتا اور دل سے اس کا عقیدہ رکھتا اور عقیدہ نہ رکھے گا تو اس آزادی کے زمانے میں مونہ سے کہنے ہی کیوں لگا کوٹ پتلوں پہنے ہے اور مسلمان ہے۔ میز پر چھری کا سٹے سے کھارہا ہے اور مسلمان ہر انگریز کی زبان بول رہا ہے اور مسلمان ہے غرض اس کل سا نظام انگریزوں کا سا ہے اور مسلمان ہے۔ میں بھی اتنی آسائش کے اعتبار سے تو انگریزی وضع کو پسند کرتا نہیں مگر مصلحتوں کے خیال سے نہ صرف پسند کرتا ہوں بلکہ جن کی نیتہ بخیر ہے ان تجسین کا مستحق جانتا ہوں۔ مجھ کو معلوم ہے کہ اس وضع کے لوگ نفرت سے جاتے ہیں اور مذہبی خیالات کے تزکیے کو ابھی مدد میں چاہئیں اور میرا مطلب اُنس پیدا کرنا ہے نہ وحشت دلانا۔ تو انکے طمسِ نام رکھیں کہ سوائے اُس نے یہ نریتہ کے جو مردوں کو شایاں نہیں آپ بھکواؤ اُسی شان میں دیکھیں گے جس شان میں آپ مجھے دیکھنا پسند کرتے ہیں۔ جو خوشی مجھ کو اپنی رفعت کے منظور کیے جانے سے ہوئی اُس سے دو چند بلکہ زیادہ اس بات سے ہوئی کہ آپ شرعی طور سے اس کام کا سر انجام کریں گے میں ان بیہودہ اور لغو اور لایینی مصارف کا جو ایسے مواقع پر کیے جاتے ہیں سخت مخالف ہوں اور اس دستور کو من جملہ اسبابِ فلاس مسلمانان سمجھتا ہوں اور اگر میں کسی جہی محض مسلمان کے یہاں بھی سُن پاتا ہوں تو مجھ کو قریب قریب ایسی ہی ایذا ہوتی ہے جو اپنے ذاتی سرمایے کے نقصان سے ہوتی۔ افسوس کہ مسلمان جوانوں میں سے زیادہ محتاج ہیں ایک پیسہ بھی جھوٹی شنی اور نمودیں اگر ضلّ لیں کریں۔ مہر کے

باسے میں میری یہ رائے ہو کہ اگر مسلمان مرد اور عورت میں نسبت سادہ کو قائم رکھیں جو شائع اسلام کو
 دلائل جال علیہن حجۃ کے لحاظ سے ان میں قائم رکھنی منظور تھی تو مہربانکم ہو بہتر لیکن ہم لوگوں نے اس
 نسبت کو قائم نہیں رہنے دیا اور ملکی دستورات نے عورتوں کے بہت سے حقوق چھین لیے ہیں اور سوائے
 اس کے کہ مہر زیادہ کیے جائیں عورتوں کے باقی ماندہ حقوق کی حفاظت کی اور کوئی تدبیر نہیں پہنچ رہا
 روپیہ اگرچہ میری حیثیت موجودہ سے زیادہ ہے مگر محکوم اس کے قبول کر لینے میں کچھ بھی غار نہیں بات یہ
 کہ میں نے آج تک اپنے والدین کی نافرمانی نہیں کی بلکہ میں نے ان کے ہوتے اپنا کوئی ارادہ ہی نہیں کیا
 کیونکہ میں جانتا ہوں کہ والدین کے سچے خیر خواہ ہیں اور جو کچھ کہتے ہیں میری بہتری کے لیے تو میں نے
 اپنا دستور یہ رکھا کہ جو فرمایا تمہیں سے سرکار کھا بھی یہ بھی تو نہ پوچھا کہ اس سے کیا غرض ہے۔ اب جو میں نے
 اس تعلق کا خیال کیا تو ساتھ ہی جی میں یہ بات بھی ٹھہری کہ میں یہ کام اپنی ہی پسند اور اپنی ہی تجویز سے
 کروں گا۔ اور میں اس کو اپنا حق انسانیت سمجھتا ہوں۔ معلوم نہیں کہ والدین اس سے اتفاق رائے کریں یا نہ
 کریں۔ لیکن اگر کریں بھی تاہم میں اس آزادی کے عمل میں لائے کو نافرمانی ہی سمجھتا ہوں اور میں نے اپنے
 لیے اس جرم کی یہ سزا تجویز کی ہے کہ اپنے تئیں تمام حقوق فرزند سے محروم رکھوں اور یہی وجہ ہے کہ اس
 وقت میری حیثیت کچھ بھی نہیں۔ محکوم کل کچھ سے سکا لڑپ لٹی ہے اور وہ اتنی ہے کہ میں اس سے اپنی مختصر
 خانہ داری کو بخوبی چلا سکوں گا۔ لو کہ بیاں محکوم اب بھی لٹی میں مگر جب تک امتحان کے مرحلے طے نہ کروں کوئی
 سی نوکری بھی اختیار نہیں کر سکتا۔ اور معلوم نہیں کہ آئندہ کیسے اتفاقات پیش آئیں گے۔ مگر دنیا بانیہ قائم نہیں
 نے اسی غرض سے انگریزی پڑھی ہے کہ محکوم معاش کی طرف سے فارغ البالی ہو اور ان شاء اللہ ہوگی اور ضرور
 ہوگی پس اگر پانچزار میری حیثیت موجودہ سے زیادہ اور بہت زیادہ ہے میری حیثیت آئندہ سے کم اور بہت
 کم ہے اور چونکہ میں اس خیال کا آدمی ہوں کہ برابر کے درجے میں مرد کو عورت کا اور عورت کو مرد کا پابند رہنا چاہیے
 عجب نہیں محکوم مقدار مہر کے زیادہ کرنے کا موقع ملے۔ اب میں نہیں سمجھتا کہ اس بابے میں زیادہ مرسلہ کی ضرورت
 ہو۔ اور میں آج کے پندرہویں دن اپنے چند دوستوں کے ساتھ حاضر خدمت ہوں گا اور شرعی معاہدہ ہو جائے
 کے بعد ایک ہفتہ رہ کر تہا کالج کو واپس آؤں گا۔ اور جب تک امتحان سے فارغ ہونے کے بعد میرا معاملہ

ایک سو نہ ہوا اس انتظام کو جاری رکھوں گا۔ راقم سید صادق۔ از بنارس۔

ایسا ہی ہوا کہ روز مقرر پر سید صادق اور ان کے دو دوست ہندوستانی بھلے مانسوں کے لباس میں شام کو آئے۔ نکاح ہوا۔ دونوں دوست اسی رات نو بجے کی گاڑی میں واپس گئے۔ سید صادق ایک ہفتے تک ٹھہرے رہے۔ ان میاں بی بی کے حالات بھی شروع سے آخر تک بیٹھے ہی بجا آئے اور دل چسپ ہیں۔ دونوں اچھی خاصی پکی عمر میں بیاہے گئے۔ جب کہ دونوں سمجھتے تھے کہ بیاہ ہے کیا چیز۔ صادق کے خیالات اس کی تعلیم کی وجہ سے اور صادقہ کے اس کی جیتی افاد مزاج کے سبب ایسے ایک دوسرے سے ملتے ہوئے تھے کہ وہ جو ایک جان دو قالب کہتے ہیں بس ان دونوں پر صادق آتا تھا۔ دونوں کی غرض و غایت یہی تھی کہ جہاں تک ہو سکے ایک دوسرے کو خوش رکھیں۔ بھلا پھر ان میں سا دکاری نہ ہو تو اور کون میں ہو۔ ایسا نہیں ہوا کہ راہ چلتے ایک کا ماتھ دوسرے کے ماتھ میں بچڑا دیا گیا ہو۔ جیسا کہ عموماً ہوتا ہے بلکہ دونوں ایک دوسرے کو بقا پر کان جانا سمجھا اور جانے سمجھے پیچھے میاں بی بی بننے پر راضی ہوئے۔ پس حقیقتہ میں ان کا ایجاب قبول ابستہ ایجاب قبول تھا۔ وقت پر تو اعلان نہ ہوا مگر چھپانے کی چیز نہ تھی اور چھپانے ہی کی کیا آخر لوگوں کو معلوم ہوا اور معلوم ہوا تو گھر گھر اس کا چرچا تھا۔

ایک بار ہوں فضل دلی کے مسلمانوں کی سوسائٹی

میر خسرو معمولی طور پر پٹی کو بیاہتے تو شہر میں ان کے عزیز و اقارب دوست آشنا جان پہچان اڑکھ رہا۔ دو ہزار آدمی جاتے۔ یا اب گلی گلی کو پچے کو پچے ایک ٹھنڈا سا پٹ گیا۔ مولوی تو ایسی باتوں کی ٹوہ ہی میں لگے رہتے ہیں ان کو رسالوں کے واسطے مضمون، فتوؤں کے لیے مسئلہ و خط میں بیان کرنے کو قصہ ماتھ آیا۔ سید صادق شروع سے اپنے پڑھنے لکھنے میں لگے رہے۔ یہ تو نہیں کہہ سکے کہ ان مسلمانوں کی مذہبی خیالات سے آگاہی تھی۔ تھی اور بہت کچھ تھی۔ مگر وہ اتنا ہی جانتے تھے کہ مذہبی تعصب مسلمانوں کی دنیاوی ترقی کا مانع ہے۔ اب جو انھوں نے دلی سے ایک تعلق پیدا کیا۔ اور یہاں کے لوگوں نے زبردستی سر ہو کر اپنے تئیں بچھوایا تو انھوں نے جانا کہ شاید رو سے زمین پر کہیں کے مسلمانوں کی مذہبی حالت ایسی ردی نہ ہوگی جیسی دلی کے مسلمانوں کی۔ انھوں نے دیکھا کہ اس بذعیب شہر کے بذعیب مسلمانوں کو حاکم ربات

اور ضعف سلطنت اور زوال سلطنت اور آخر کار شہ لہ کے خد کی وجہ سے جیسے جیسے صدے پہنچے وہ ان کو سیکڑوں برس تک پہنچنے نہ دیتے مگر یوں کہو خدا کی کچھ ایسی ہی مہر کی نظر تھی کہ انگریز حاکم وقت ہوئے اور ماں باپ اولاد کی کیا پرہیز کرتیں گے جو انھوں نے رعیت کی پردہخت کی۔ اور ان کی عملداری میں عجز اس قدر آسودہ ہوئی کہ کبھی کسی وقت میں نہ ہوئی ہوگی۔ لیکن مسلمانوں کی کچھ ایسی مت ماری پڑی کہ یہ لگے انگریزوں سے بدگمانی رکھنے۔ نتیجہ یہ ہوا اور اس کے سوا سے ہونا بھی کیا تھا کہ دوسرے لوگ باڑی لگے اور یہ مونہ دیکھتے دیکھتے ہی رہے۔ بھلا کہیں خدا سے بندے کی ضد چلتی سنی ہے مسکے برباد ہو گئے تب کچھ چیتے پھر بھی سب نہیں ہزاروں میں الگ آدھ وہ بھی دلی میں نہیں۔ کہ یہ اپنی اُسی پُرانی کبیر کے فقیر بنے بیٹھے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کے مسلمانوں پر خدا کا خاص غصہ ہے۔

نعم ہا للہ من غضب اللہ اور وہ ابھی پورا نہیں ہوا۔ بلا سے یہ کہیں غار ہو چکیں کہ مسلمانوں کے سر بلا تلے جس کم جہاں پاک مصیبت یہ ہے کہ آپ بگڑے سو بگڑے یہ نادان دوست دوسرے مسلمانوں کو بھی سنوئے نہیں دیتے۔ مصرع میں تو ڈوبا ہوں مگر تم کو بھی لے ڈوبو گا۔ یہ سچ ہے کہ بنا بگڑنا سب کچھ خدا کی طرف سے اور اُسی کے حکم سے ہو۔ لیکن خدا بھیر یا یا شیر بن کر آدمیوں کو نہیں بھارتا پھرتا۔ اور سانپ کے جون میں اگر ڈسا بلکہ عادی آئی یوں جاری ہے کہ جو کچھ اُس کو کرنا ہوتا ہے ہمارے دل میں ویسے ہی خیال ڈال دیتا ہے۔ اور ہم ہی اپنے ماتھوں سے اپنا فائدہ یا نقصان بھلائی یا بُرائی بہتری یا بدتری سب کچھ کر لیتے ہیں اور اتنے ہی تعلق سے تحسین یا ملامت کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔ اور پھر انسان نرا پھر بھی نہیں کہ جگہ سے سر کاؤ تو سکھ اور اٹھاؤ تو اٹھے۔ بلکہ ایک حد تک اعلیٰ محتاس ہے۔ اور خدا نے کسی کو اس حد کا علم نہیں دیا۔ تو خواہی نخواہی سارا بوجھ انسان ہی کو اٹھانا پڑتا اور ہر صورت سے وہی ملزم ٹھہرتا ہے۔ تم ہی بناؤ مسلمانوں کو بگڑا دیکھ کر مسلمانوں سے نہ کہیں تو اور کس سے کہیں مطالبہ علمی کی وجہ سے سید صادق کے مزاج میں تو ایک طرح کی غولہ پن کی آگئی تھی اور حقیقت میں وہ ملاقات کا چور تھا۔ لوگوں کی جیسی عادی ہے طرح طرح کی اس کی توجہات کرتے۔ کوئی کہتا مغرور ہیں۔ کوئی سمجھتا انگریز تہ چر گئی ہی ہندوستانیوں سے نفرت رکھتے ہیں

کوئی خیال کرتا عقائد بھڑے ہوئے ہیں کیا نمونہ کے مسلمانوں میں نہیں لیکن چاہے کس خیال سے اس کی ملاقات سے کنارہ کشی کریں کیا مذکورہ ولی میں کتنے لوگ ایسے بے کار پڑے پھرتے ہیں جن کو دنیا و دین کا کوئی کام کرنے کو نہیں صبح ہوئی یہ خدا جانے کہاں ہے کوئی ڈیڑھ پہرات جاتے جاتے بیوی کے درے گھرتے چھینکے پرے روٹی اتار مونڈھے تلے سے سالن کی تیلی نکال بچا کھچا کھاپی مونڈ لپیٹ پڑ رہے ہے آنکھ کھلے کیا خاک غرض جیسے دیکھوئے تھے ویسے ہی دیکھ لٹھے مونڈ ماتھ دھویا بالوں میں گنگھی کی تیلی ڈالا سرمہ لگایا پان کھا چھڑی وصال تھیں لے چلتے ہوئے کسی کام سے نہیں کسی خاص شخص کی ملاقات کو نہیں جس کسی جان پہچان کے گھر جی چا یا جا موجود ہوئے بلکہ جان پہچان کی بھی کیا ضرورت ہے یہ معلوم ہونا کافی ہے کہ مردانی بیٹھکے تقریب ملاقات کو اتنا بس کرتا ہے کہ بندہ بہت دنوں سے آپ کی شہادۃت سن رہا ہے شتاق ملاقات تھا مگر کل مر رہا تھا یہ سرفروغ حاصل ہوئی لکھی تھی ہر چند ارادہ کیا نہ بن پڑا اس وقت اتفاق سے ادھر گزر ہوا تو طبیعت بے اختیار ہو گئی۔ اسم شریف؟

صاحب خانہ کمترین کا اصل نام تو میر خورم علی خاں ہے بچپن میں پیار سے چھٹن صاحب کہتے تھے اور جہاں بیٹھا ہوں میری سسرال ہو اور جب یہ تعلق ہوا ہے یہیں ہے کا اتفاق ہوتا ہے یہاں لوگ محکم شاہنشاہ دو لہا پکارتے ہیں۔ اور چونکہ اپنی بولی میں کچھ ٹکٹے تک بھی ملاپتا ہوں میر موزوں کے نام سے مشہور ہوں۔

میں ملاقاتی رجن کا نام خواجہ سلطان تھا) ناشار اللہ جیسا سنتے تھے اُس کا ہر چند پایا۔ مانے زمانہ ہی قدر ہنر کا نہیں ورنہ آپ جیسے باکمال آدمی کے دروازے پر تو ماتھی جھولتے ہوتے۔ کیوں حضرت وجہ تھی تو یہی کرایہ وغیرہ سے ہوگی آخر کتنے ایک کی آمدنی ہے۔

شاہنشاہ دو لہا میر خورم علی خاں موزوں۔ اے جناب کیا آمدنی ہے یوں توئی سرک کے سڑکے کیکر چھوٹے دریا تک لین کی لین یہ سب اپنی ہی جا یاد تھی۔ اور تفرقات علاوہ لیکن طبیعت واقع ہوئی تھی لا ابالی روپے کو کبھی روپیہ سمجھا نہیں وہ جا یاد تو ماتھ سے نکل گئی اب گھر کے لوگوں کے نام چند دوکانیں قاضی کے حوض پر ہیں اور سبز منڈی میں چار ہزاری آپ نے سنا ہو ایک باغ ہی بس یک کل کا ہے

کچھ خدا کی برکت سے گزر ہوئے چلا جاتا ہے۔ بزرگوں کے وقت سے مہاجن لگا ہوا ہے جو ضرورت ہوئی کہلا بھیجا آدمی ہے بھلا مانس کسی بات میں آج تک تو غدر کیا نہیں ورنہ میں تو اس ریوڑ کی چکر میں گر پڑتی ہوتی۔
خواجہ سلطان۔ نصیب اعدا۔ آپ کی تقدیر میں جو بلاؤں کی رکابی لکھی ہے سو سب ہی گی۔ قسم پر شکر کر رہی ہے اور آخر آج تک ایک شان سے گزری ہے۔ ان شاء اللہ اسی طرح گزرتے جائے گی۔

موزوں۔ جی ماں میں تو فکر کو پاس نہیں آنے دیتا۔ دوست آشناؤں میں ہنس بول کر اپنا وقت گزار دیتا ہوں۔ مجھ کو خبر نہیں ہوتی کہ کن وقت صبح ہوئی اور کب شام ہوئی۔

خواجہ سلطان۔ بس کیا عرض کروں بھنسنے میری بھی یہی خصلت ہے سر مو تفاوت نہیں گویا ہم دونوں کے مزاج ایک سا پئے ہیں ٹھٹھے ہیں اور تعجب ہے کہ ہم دونوں میں آج تک معرفت کیوں نہیں ہوئی۔
موزوں۔ آپ صوفی آشنا تو ہیں بارنا چلتے پھرتے آپ کو دیکھا ہے طبیعت تو میری بھی آپ کے انس کرتی تھی مگر وہی آپ کا فرما نا کلاں مرہون ہا و قانہ۔ حضرت کا نام نامی؟

خواجہ سلطان۔ فقیر کو خواجہ سلطان کہتے ہیں۔ اور آپ کی پشت پر جو یہ کم بخت پھڑوں کی لگی کہلاتی ہے اسی میں غریبانہ ہے۔ میں تو پہلے میرے عاشق کے کوچے میں رہتا تھا مالک مکان کم بخت ایسا بے مروتہ کہ ضرر سوا یا ڈیڑھ برس کا کرایہ اتفاق سے چڑھ گیا تھا لگا سخت تقاضا کرنے مجھ کو ہوانا گوار بھری برسات میں مکان چھوڑنے کا ارادہ کیا وقت پر اور کوئی مکان اپنے ڈھب کا ملا نہیں آئیں ساری مکان میں آ رہا۔ خانہ داری خدا کا فضل و راز زیادہ ہے مکان ہونا چاہیے گنجائش کا اور یہ آسائش تو اس میں خاصی ہے۔

موزوں۔ آپ کے کچھ خیال ہی نہ کیا ہوگا۔ ورنہ چاہتے تو بہتر سے مکان اپنی ذات کے کر لیتے ہوتے۔
خواجہ۔ جناب بزرگ تو کچھ ایسے قناعت والے لوگ تھے کہ جو ملا کھا لیا جو میسر آیا پہن لیا اُٹھوٹے دنیا میں بہت پانو پھیلائے چلتے ہی نہیں۔ مدایہ عاجز تو والد مرحوم نے اپنے اوپر تکلیف سہی مگر میری آنکھ پر کئی طرح کا میل نہیں آنے دیا۔ اور میں نے اُن کی بدولت وہ وہ عیش کیے کہ جب کبھی یاد آ جاتے ہیں روئیں روئیں سے دعا نکلتی ہے۔ اور اب بھی اُن کی بدولت وہ عیش نہیں تو خیر خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے تکلیف بھی نہیں۔ ہم وہی بھائی ہیں تھے ہمیشہ کو انھیں نے ایسی چھی جگہ دیکھ کر دیا کہ اُن کی سسرال سے بہت کچھ مدد ملتی

اور ادھر سے ایک برادر نسبتی رجاڑے میں نوکر ہیں وہ اپنی بہن کی خبر لیتے رہتے ہیں اور نہ کیوں لیں اپنے اسی دن کے لیے ہوتے ہیں قیامت میں تو کوئی کسی کو بخشوانے ہی نہیں۔ غرض آپ کی دعا سے مجھ کو کسی طرح کا تردد نہ پڑتا نہیں دو وقت گھر میں گئے اور کھانا کھا لیا۔ خانہ داری کے جھگڑوں سے میری طبیعت الجھتی ہے اور میں نے گھر میں کمرہ رکھا ہے کچھ بھی کرو میں جس وقت آؤں کھانا طیار پاؤں سو وہ نیک نجات اس کا اہتمام رکھتی ہے جب تک والدہ زندہ ہیں وہ میری ضرورتوں کی خبر لیتی ہیں۔ اب ان کی جگہ یہ عورت ہے۔ بندہ درگاہ نے نہ کبھی ماتھ پانو ہلایا اور نہ جیتی جی ہلائیں۔

مسوڑوں۔ بس تو ہماری آپ کی صحبت خوب نبھے گی۔ قیس جنگل میں کیا لہو مجھے جانے دو۔ ہوتا گزرے گی جوں سیٹھیں گے دیوانے دو۔

اس کے بعد دونوں میں اور بہت سے سوال و جواب ہوئے۔ اور پہلی ہی ملاقات میں ایک دوسرے سے اتنے لکھے کہ سارا کچا حال انھوں نے ان کا اور انھوں نے ان کا کھود کھود کر دریافت کر لیا۔ بس ایک عورتوں کے نام پوچھنے کی نوبت تو نہیں آئی اور وہ بھی شاید اس سبب کہ موزوں کے گھر سے کھانے کے لیے بلا دے پڑا واچلا آتا تھا۔ ہاں روزانہ دو وقت ملاقات کی قسم قسمی ہو کر دن کے ایک بجتے بجتے بھجوری خواجہ سلطان رخصت ہوئے۔ گھر گئے اور وہی ٹھنڈی روٹی جا ہوا سالن جو ان کی تقدیر کا تھا کھا تو بے کا حق پی پھر جو سوئے تو دو گھڑی دن رہے کی خبر لی جاگے اور پڑے پڑے سر اٹھا کر چند ہی چند ہی انھوں سے دھوپ کو دیکھا تو گھبرا کر اٹھے اور یہ ان کے نصیبوں کی دوسری صبح ہوئی اٹھتے کے ساتھ پہلے گھر کی ماما پر خضہ ہوئے کہ صبح کا کھانا کھا دو پہر پیچھے گھر آیا تم کیا جانو کس کام میں تھا ذرا کی ذرا لیٹا بندہ بشر ہے آنکھ لگ گئی تو تم سے اتنا نہ ہو سکا کہ جگا دیتیں مگر تم کو تو سوائے کھانا پکانے کے اور کسی کام کو ماتھ لگانے کی قسم ہے۔ آواز دینے میں بھی کچھ زبان تھکی جاتی تھی۔ ماما تو میاں کے پیچھے جھاڑ ہو کر چپٹی مگر بی بی قتمہ تو بول پڑیں کہ خیر ہے خواہی خواہی خدا واسطے کو ماما کے سر کیوں ہوئے بچوں نے اتنی اودھم مچائی تو تمھارے فرشتوں کو خبر تک نہ ہوئی۔ ماما کیا تمھارے کان میں جا کر ڈھول بجاتی۔

میاں۔ پھر تم نے میری بات میں دخل دیا۔

بی بی۔ ماں دیا اور سو دفعہ دیں گے ہزار دفعہ دیں گے۔ تم ہمارے آدمی سے بولنے والے کون ہوئے ہو۔
 ہوسو نہ لگائی ڈوسنی گائیے آل پتال۔ ماماؤں کو نکالنا ہی جانتے ہو یا کبھی اتنی عمر میں کی ماما بوا کر بھی دی ہے
 ماما نہیں ہوتی تو مصیبت تو ہمارے دم پر پڑتی ہے تمہارا کیا ہے آئے اور پچی پچائی ننگلے کو بیٹھ گئے۔
صیباں۔ میں نے نکالنے کو تو نہیں کہا۔ ماما تم ہی خدا لگتی بات کہنا۔ ماں اب کیوں بولو گی۔ مگر یہ بی بی شہ
 دے دے کہ تم کو کسی اور کے کام کا تو رکھنے کی نہیں۔

بی بی۔ چلو جب تمہارے گھر وہاں نوکری کرنے جائے گی تو تم نہ رکھنا اور تم یوں بھی کیوں رکھنے لگے
 تھے۔ تم اندر رکھے رکھو گے غلام رکھو گے باندیاں۔

صیباں۔ تم کچھ اپنے بھائی کے برتے پڑاتی ہو گی تو میں کسی کا دلیل نہیں بٹا۔ وہ کچھ دیتے ہوں گے تو تم کو
 دیتے ہوں گے۔ مجھ کو تو خدا نے تمہارے یا ان کے نمک کا بھی شرمندہ نہیں کیا اور نہ کرے گا۔ خدائیکر دولا
 بھائی کو سلامتہ رکھے جن کی بدولت میں چاہوں تو تم جیسی چار اور کر لاؤں۔

بی بی۔ بھگڑے بے غیرہ بہنوئی کے کھونٹے پر کودتے ہوئے شرم نہیں آتی۔

وہ تو ماما ہی بی بی کو ماں کر کوٹھے پر لے گئی نہیں تو خوجم صاحب کے پٹھے بی بی کے ماتھیں ہوتے اور بی بی کی
 چٹیا خوجم صاحب کے ماتھ میں۔ مگر یہ یہ کہ خوجم صاحب کے بھی دل کے بہت ہی صاف ان کا عرصہ پانی
 کی سی ایک لہر ہوتی تھی ادھر آئی ادھر اُڑی۔ بی بی کوٹھے تک پہنچی بھی نہ ہوں گی کہ انھوں نے سو نہ ماتھ
 دھویا لنگھی کی شام کی سیر کے کپے رُبدے پٹاری کھول پان بنایا اور بن ٹھن کر باہر کو چلے چلتے چٹا کر
 کہتے گئے کہ شام کوٹھے کے کباب اور ایک آنے کی ملائی منگا رکھنا دیکھنا بھولنا مت۔ اُور دن نئے بانسوں
 لے کر قاضی کے حوض ہوتے ہوئے چاڈری اور دماں سے بڑے دریبے کے تین تو ضرور اور کبھی چار پھیر
 بھی ہو جاتے تھے۔ آج جو کسی قدر دیر ہو گئی تھی تو دو ہی پھیروں میں جھپٹا ہو گیا اور بازار کے چلنے والوں کو
 کوٹھوں پر کا آدمی اچھی طرح دکھائی نہیں دیتا تھا خوجم صاحب کو خیال آیا کہ میر سوزوں سے وعدہ کیا چوہلیں
 ان ہی کے سرہوں مگر گنجنے شطرنج کے پُرانے ٹھکانے بندھے ہوئے تھے ان کا معمول انہی کرنے
 سے اپنی بھی ایک طرح کی ہیٹی ہوتی تھی کہ کل برابر باتیں کھائیں سفو پر نادری چڑھوائی آج بھاگ کھڑے ہوئے

ناچار اپنے قدیم اکھاٹے پر جامو جو دھوئے۔ خو جم صاحب کا پیٹھ پیچھا ہے یہ بیچارے اپنی طرف سے بہتیری ہی جلدی کرتے تھے مگر بانی پر تو کسی کا بس نہیں جتنا اڑی تو اڑی اور اکثر ایسا بھی ہوتا تھا کہ جو مارا وہ پیچھا نہیں چھوڑتا کہ اس کے بانی لے جاؤ تو جانوں۔ بھٹنے کی چڑھی تو نہیں ہو کہ دینی آئی تو انہیں کھیلنے غرض ہر چند قصد کرتے تھے بارہ بجے سے ادھر کبھی چھٹکارا ہوا ہی نہیں۔ اور بی بی کے ساتھ ڈیو بگاڑی کا کپڑا تھا مرد ہو کر نکھٹو اور اس پر گھر کے رہنے سہنے کا یہ حال کہ مسافر بھی بھٹیاری سڑک میں شام سے آ پڑتا ہے اور یہ سو پر لوٹے تو ادھی بجے اور نہیں تو ایک بجے دو بجے۔ لیکن ہم کو تو موقع نہیں ورنہ اس نیک بخت کو ضرور سمجھا دیتے کہ کیوں اس غم میں گھلی جاتی ہو۔ شخص گھر ہی پڑا پڑا کیا کرے گا۔ سینے کا یہ نہیں پر دے گا یہ نہیں۔ ہاں دن بھر اس کو گرگر لے کو حقہ اور چبانے کو پان دیئے جاؤ۔ تو تم جاننا پان ٹاکو ہی کا خرچ کیا اور ہر وقت کے پاس سہنے سے دو برتن ہوتے ہیں تو وہ بھی کبھی نہ کبھی کھڑکھڑایا اٹھتے ہیں ایسے آدمی سے تو جتنی دیر الگ ہو تو مٹی دیر کو فٹ سے بچو۔ آنکھوں دیکھتے تو صبر نہیں ہو سکتا کہ ایک آدمی ہٹا کٹا لنگر نہ میر لولا نہیں اپنا بچ معذور نہیں اندھا نہیں ہرا نہیں اور کمانے کے نام سوئی مٹی کا لاسونہ نیلے ہاتھ پاؤ۔

خواجہ سلطان کے طور کے احدی بندے شہر میں بہتیرے ہی بھرے پڑے تھے اور یہ لوگ اگرچہ آدھرب باتوں میں تو احدی ہوتے ہیں مگر چل پھر کر اپنے ڈھب کے آدمی ڈھونڈھ نکالنے میں بڑے چالاک سید صادق کو تازہ وارد سن کر دھڑکے۔ لیکن سید صادق میں اور ان میں کوئی وجہ مناسبہ تھی ہی نہیں کسی کی دال گلی اور پہلی ہی ملاقات میں اپنا سامونہ لیکر بیٹھ رہے۔ ان کے جلسوں میں ذکر تذکرے تو ہر طرح کے سہے ہی ہیں سید صادق کے ہاتھ میں ان لوگوں کی یہ رائے تھی کہ آدمی ہے تو قابل ملاقات مگر خدا جانے علی گڑھ کے نیچر ہی نے کیا پڑھ کر کان میں پھونک دیا ہے کہ یار لوگوں کے ہتے پر چڑھنے والا نہیں میر خضر بھی اس کا حال دیکھ کر گرے ہیں اب پچھتاؤں گے۔ یہ عمر اور ایسا مردہ دل کہ کتنی ہی گدگدی کرو خبر نہیں اس نے تو ملاؤں کو بھی بات کیا ہے آدمی کی صورتہ سے جھینپتا ہے اس سے نوکری چاکری کیا خاک ہو سکے گی۔ وہ ہاتھ ہی نہیں صر نے دیتا ورنہ ہم تو دو تین ملاقاتوں میں اس کو اپنے طور کا کر لیتے۔ اس کی جھجکے در کرتے۔ اس کو علم مجلس سکھاتے۔ کہ اس کے دروازے پر بھی ایک جھگھٹا رہتا۔ عجب کوڑمخ آدمی ہے کسی چیز کا مذاق نہیں۔

گنجفہ شطرنج چوسر تنگ بٹیر مرغ ستار شعر و سخن سپر و تماشاء ارے میاں میں نے اس کو ہر طرح سے سونپا
 اس غزیر کے کان پر جوں بھی تونہ چلی۔ خدا جانے کس ملک کا جانگلو پکڑ کر آیا ہے۔ ہاں صورتہ شکل تو ایسی
 پائی ہے کہ ہزاروں میں ایک۔ جی چاہتا ہے کہ بیٹھے دیکھا کیجئے۔ مگر تمہارا سر قرآن کی جگہ ہے بن دال کی
 سورت جان نہیں موند میں زبان نہیں۔ خیر ان بلاؤں سے تو خدا نے سید صادق کا بچھا چھڑایا اور آج
 کیا چھڑایا اس کا بچھا اُن دن سے پھوٹا ہوا تھا جسے یہ علی گڑھ کلج میں داخل ہوا۔ کھیل تو لڑکوں کو دیا
 بھی کھلائے جاتے ہیں اور ایسی تاکہ سے کہ جیسا پڑھنے کا اہتمام ویسا بلکہ اس سے بڑھ کر کھیلنے کا مگر کھیل
 کھیل میں فرق ہے۔ ایک تو ہمارے یہاں کے کھیل ہیں جن میں سے اکثر بے سود اور بے سود ہوں تو خیر
 اُسے سفر۔ ہدایاتی کی تہید۔ کابلی کی تعلیم۔ اور بعض میں جو کچھ دماغی فائدے نکل سکتے ہیں مثلاً گنجفہ میں
 حافظہ کی ترقی جو شطرنج میں غور اور غرض کی عادت تو ان میں بڑی فباقت یہ ہے کہ زیادہ سی معاملات میں
 ان سے مطلق مدد نہیں ملتی لڑکوں کی گنجفہ اچھا کھیلتا ہے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ اُس کو پتوں کی یادداشت
 اچھی ہے لیکن بازیوں کے ورق یاد رکھنے سے کتابوں کے ورق تو کیا صفحہ بلکہ دو چار سطریں بھی یاد نہیں
 ہو سکتیں۔ اسی طرح بڑے سے بڑا شاطر شطرنج کے نقشے میں خوب طبیعت لڑاتا ہے مگر ایک سید صاحب اس قدر
 اس کے سامنے بیان کر تو سمجھ نہیں سکتا تدبیر سوچے گا کیا اپنا سر غرض ہندوستانیوں کے جتنے کھیل
 میں سبکے۔ مروجہ تصبیح وقت۔ اب مدرسے کے کھیلوں پر نظر کرو تو زری جسمانی ریاضت اور تفریح طبع کے
 علاوہ دماغی زحمت کا کچھ دخل نہیں کیونکہ اوقات درس میں جتنی دیر پڑھنے میں مصروف ہے۔ بدن دماغی زحمت بہت سی
 ہوتی۔ کھیل میں بھی شطرنج کی طرح سوچنا پڑے تو دماغ کہاں تک اس فشار کو دفا کر سکتا ہے۔ اور اگر جسم سے
 بالکل کام نہ لیا جائے تو جس طرح گھوڑا تھان پر بندھے بندھے ہڈے موترے نکال لاتا بادی میں بھر جاتا
 ورنہ گھاس اچھی طرح ہضم نہیں کر سکتا تھوڑی دور چلنے سے ہانپنے لگتا کوس دو کوس دھڑنا چاہو تو ورنہ نہیں سکتا یہی
 حال آدمی کا ہے کہ اگر وہ اپنے ہاتھ پاؤں سے کام نہیں لیتا تو اگر کوئی بیماری اس کو نہ بھی ستائے یہ کیا تھوڑی
 بیماری ہے کہ وہ اپنا بیج ہو جاتا ہے۔ اسی آرام طلبی کے نتیجے میں کہ ہمارے عموں کے اوسط گھٹتے اور ہماری سلسلہ
 کم زور ہوتی چلی جاتی ہیں خیر کامل کے پٹھانوں اور گوروں کے ساتھ تو ہم ہندوستانی گزرتیں کیا مقابلے

کریں گے اپنے ہی ملک کے دیہاتی کبھی شہر میں آسکتے ہیں تو ان کو دیکھ کر عقل حیران ہو جاتی ہے کہ الٹی
 بھی آدمی ہیں جن کی کاٹھیاں لوہے کی اور ماتھے پاؤں پتھر کے ہیں۔ معلوم ہے کہ ساگ بھوجی اور جوار باجر سے
 اکی روٹی کے سواے اور کچھ میسر نہیں آتا مگر یہ آنکھوں کی کبھی بات ہے کہ ایک دیہاتی سوسو اسون کی چوہلہ کی
 گاڑی لائیکے لیچلا جاتا تھا۔ شہر کی بھیڑ دیکھ کر ریل پارک کے گاڑی کا ایک پہیہ نالی میں جا تار مار یہیلوں نے بہتیزو
 مارا پہیہ جگہ سے نہ کھسکا گاڑی بان نے اُنکر کہہ کاسہارا لگا بات کی بات میں گاڑی کو ایسا دھکا دیا کیچ ٹرک
 میں۔ نہ دیہاتیوں کا پانی نہ شہر یوں کا مارا لکھسم۔ نہ ان کا چینا اور نہ ہمارے بادام پستے۔ بے شک شہر اور
 دیہات کی آتب ہوا میں بھی بہت بڑا فرق ہو مگر دیہاتیوں کی توانائی اور ان کا ٹانٹا نہیں ہے مخمخ کی وجہ سے
 شہر کی ایک تو کثرت آبادی کی وجہ سے آتب ہوا خراب اس پر مخمخہ مشقتہ نذر وجس کو دیکھو بدن پر بوٹی نہیں
 اور بوٹی ہو تو کہاں سے ہو بے چارے کو کبھی کھل کر بھوک نہیں لگتی اور مارے ہو کے کے کچھ بے اثر تھا کھلتا
 ہے تو ہضم نہیں ہوتا۔ اور جو ہم میں پہلوان کہلاتے ہیں سینہ ابھر ہوا ہے۔ قبضہ چڑھے ہیں دیکھنے کو موٹے
 تانے دا پیچ بھی خوب رواں۔ مگر اصلی بل بوتان میں بھی نہیں۔ اس پر ایک کھکیتہ یاد آئی ہے کہ جن دنوں
 قلعہ آیا دتھا تو سلاطین کو سواے اوقات گزاری کے اور کوئی کام نہ تھا نکتے بیٹھے بیٹھے ان کو ایسے ہی شعلے
 سو جھتے تھے کہ سنا بجا ہے ہیں یا بیٹیں لڑا ہے ہیں یا شطرنج کھیل رہے ہیں یا اس کی دھن ہے کہ
 کوئی ایسی قسم کا کھانا بچا ہے کہ کوئی پہچان نہ سکے۔ چنانچہ اگلی صاحب عالم کو پہلوانوں کی کشتی دیکھنے کا بہت
 شوق تھا بہت سے پہلوانوں کے راتب بندھے تھے اور انھوں نے ایسی ایسی جوڑیں طیار کی تھیں کہ جواروں
 میں جا جا کر کشتیاں مارتے تھے۔ ایک مصاحب کو یہ سوچی کہ ان دنوں ولایتی میوہ فروش آئے ہوئے ہیں
 کسی ولایتی کو ایک پہلوان سے لڑوایا جاسے۔ صاحب عالم اس ایجا دو کون کر پھر گئے اور فرمایا بھائی وہاں
 تخت کی قسم ہے کیا بات پیدا کی ہے۔ معمولی کشتیاں دیکھتے دیکھتے جمی اکتا گیا ولایتی کی کشتی میں مزہ تو خوب
 آئے گا۔ دیکھیں وہ بچ کا کیا توڑ کر رہا ہے۔ داروغہ جی دینا ان کو ایک دو سالہ۔ اور بھائی تم ہی اس کشتی کا اتہام
 بھی کرنا اور میں حضور میں بھی عرض کروں گا۔ سرفراز فرمائیں گے ؟

مصاحب۔ پیر و مرشد سرفراز فرما کیسا بہت مخطوط ہوں گے اور خانہ زاد نے جو جو کچھ عرض کیا

حرف حرف اس کی تصدیق ہو جائے گی۔ سرکار کو تو معلوم ہے کہ جناب عالیہ کے آب خاصہ کی خدمت
 غلام کی خالہ جان کو ہے وہ کل بھی کہتی تھیں کہ جناب بیگم صاحب بیٹی تاش کھیل رہی تھیں دیکھتے کیا ہیں کہ
 حضور والا تشریف لیئے چلے آ رہے ہیں۔ جناب عالیہ کے ساتھ تخبہ ہوا تو خالہ جان نے اپنے کانوں
 حضور کو سرکار کا نام لے کر فرماتے سنا کہ ساری ادائیں اور نگ زیب کی سی ہیں۔ سپاہیانہ فرج واقع ہوا
 اور شوق بھی ہیں تو اس قسم کے کہ اگر موقع ملا تو یہ لکڑ کا انگریزوں سے ملک آبائی اگلو کر رہے گا۔ اتنا کہنا تھا
 کہ صاحب عالم نے بڑے دنگل کی طیاری کا حکم دیا اور صاحبوں کی بن آئی۔ نہیں معلوم ظالموں نے کیا تہ
 کی کہ ایک کھڑو حشی ولایتی کو کچھ دے کر شاہی پہلوان کے ساتھ لڑنے کو رضی کر لیا۔ ولایتی کو ہم نے بھی
 دیکھا تھا سچ تو یہ ہے کہ مائے دہشتہ کے نظر نہیں ٹھیرتی تھی۔ آدمی کا ہے کو تھا ایک نے یو کا دیو تھا۔ بالوں کی
 لٹیں کندھوں تک لٹکتی ہوئیں۔ سیلے کشیف کپڑے۔ چار چار پانچ پانچ گز سے ست دُنبے کی سی بوہی
 سخت کہ ناک نہ دی جائے پیٹھ پر ہینگ کا مشکیزہ۔ اودھر جوتیوں سے اور اودھر مشکیزے سے چیر چیر کی آوا
 چلی آئے۔ خوشخوار آنکھیں۔ ڈراونی صورتہ۔ لوگ جو اُس کو بہلا پھسلا کر لائے تھے اُس کے گرد گرد ایسے
 معلوم ہوں جیسے بڑے آدمی کے آگے بچے۔ اور یہاں اکھاڑے میں پہلوان پڑے جھوم رہے تھے
 کوئی ڈنڈ پیل رہا ہے اور کوئی تین سواتین من کی جوڑی کے رومالی ہاتھ اس خوب صورتی اور صفائی سے
 ہار رہا ہے کہ سائے تاشانیوں کی ٹٹکلی اُس پر بندھی ہے کوئی لیزم کی کتہ کر رہا ہے کوئی ہنڈھی کے تڑبے کھا
 اتنے میں تو غل ہوا کہ وہ چٹھان آیا۔ جوں اُس کو لاکر اکھاڑے کے پاس کھڑا کیا اُس کا پھیلاؤ دیکھ کر پہلوانوں
 کا رنگ فق ہوا۔ اب کسی کی ہمت نہیں پڑتی کہ موت کے مونہ میں جائے اور ولایتی ہے کہ زمین میں آتی
 پانسی مائے ہینگ کے مشکیزے کا گاوٹ چھہ بنائے نظر حیرت و تعجب سے سب کو بٹھا دیکھ رہا ہے اور ان پہلوانوں
 کو سمجھتا ہے کہ نٹو کا تاشا کر رہے ہیں۔ اکھاڑے کا استاد اگرچہ تھا تو عمر سے اتر اٹھا۔ مگر اُس کی بدنیا
 مرتب تھا اور اُس کو ایسے ایسے داؤ گھات یاد تھے کہ یکایک کوئی اس سے لڑنے کی مامی نہیں بھرتا تھا
 مگر وہ خوب جانتا تھا۔ فرہی چپے زگر آتا جس پیکر دیگر ست۔ اُس نے چپکے صاحب عالم کے پاس
 جا کر عرض کیا کہ آج تک آپ کے اکھاڑے نے کسی سے نیچا نہیں دیکھا اور استاد کی برکت سے ہمارے

یہاں کے پتھے بھی اپنے وقت کے رستم و ہفتم۔ یار میں لیکن سکڑے راجہ جس چاقو کو قسانی کے بغڑے سے بھڑتے ہیں ساری عمر ہنسنے سرکار کا نمک کھایا حکم کی تعمیل میں مجالِ عذر نہیں پچھڑیں گے تو نہیں مگر اس کاڑ تو ملاحظہ کیجئے کہ کلائی دونوں ہاتھوں میں سمائی مشکل ہو سرکار کو جان ہی لینی منظور ہو تو بسم اللہ اس کا دبوچا ہوا آدمی پھٹکا تھی نہیں کھانے کا۔ اونٹ کی پکڑ کو اس کی پکڑ سے کیا نسبت۔ صاحبِ عالم سمجھے گو سہی مگر اسے میں غل مچھا چکے تھے کس طرح کشتی کو تلوئی کر دیتے۔ باسے لوگوں نے ولایتی سے کہا کہ آغا خان لوگوں میں سے جس کے ساتھ تمھارا جی چاہے کشتی لڑو۔

آغا۔ ہم سب کے ساتھ لڑے گا۔

اب تو پہلوانوں کے دم میں دم آیا کہ خیر ایک کی دار و دو ہو ستاد اور شاگرد سارے کا سارا اکھاڑا اکیلے کو لپٹ پڑا۔ جو در داؤ پیچ یاد تھے سبھی نے تو چلائے آغا ہیں کہ قطب از جا بخت بد۔ لوہے کی لاٹ کی طرح گرے ہوئے کھڑے ہیں۔ ان لوگوں نے نادانی یہ کی کہ آغا سے گتھ گئے اُس نے موقع پا ایک کھ تو اس نعل میں دبا اور دوسرے کو دوسری نعل میں۔ اس نے تو اپنے نزدیک آہستہ ہی سے دبایا تھا مگر اُن میں کا ایک تو آج تک کو بے پئے پھر تابہ اور دوسرا مدتوں خون تھوکتا رہا اب سنا اچھا تو ہو گیا ہے مگر جاٹے کے نول میں مائے پسلیوں کے درد کے پچائے سے سانس نہیں لیا جاتا۔ خیر بنی آدم میں یہ ولایتی پٹھان تو اور بھی نسل کے ہیں اور اُن کی سی بات حال کرنی تو مشکل بلکہ محال ہو مگر اس کی عقلی دلائل موجود ہیں کہ اگر ہم اپنے طرزِ تمدن میں صفائی کے قاعدوں کی پوری پوری رعایت کریں اور جسمانی ریاضت کی عادت ڈالیں تو آئندہ کی نسلیں بہت بہتر ہو سکتی ہیں۔ یہ سچ ہے کہ ہم لوگ گرم ملک کے رہنے والے ٹھیرے۔ ہم کو خدا نے مخنتہ کے لیے پیدا نہیں کیا اور نہ ہم سے مخنتہ کا تحمل ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر شاخِ مخنتہ نہ ہو تو جس قدر برداشت کی جا سکتی ہے وہ بھی سود و اکی ایک دوا ہے اور پھر نہ ہلدی لگے نہ پھٹکری۔ اور علی گڑھ کالج میں جو لڑکوں سے مخنتہ لی جاتی ہے تو خدا نخواستہ کچھ تھوڑا ہی ڈھلوئے جاتے یا لکڑیاں تھوڑا ہی چروائی جاتی ہیں۔ یہی کوڈ پھاند و دھوپ جس میں ان کے اعضا جست و چالاک ہیں جس کو عادت نہیں اُس کو شروع شروع میں درزی سی مخنتہ بھی ناگوار گزرتی ہے لیکن آہستہ آہستہ ایک حدِ اعتدال تک عادت ڈالی جائے تو آرام سے زیادہ

اس میں راتہ رات مٹی ہے جس کو یقین نہ ہو جاری طرے یا وہ نہیں ایک چل بس صلاح پر عمل کر کے دیکھے کچھ فائدہ معلوم نہ ہو تبھی اگلا ہندو دینار لیکن لوگوں نے اس کو کچھ ایسا عیب سمجھ رکھا ہے کہ جہاں تک ہو سکتا ہے کوئی ہل کر اپنے ہاتھ سے پانی نہیں پینا چاہتا۔ اور طالب العلوم کے حق میں تو ایسی سختی ہے کہ گویا پڑھنے اور لکھنے میں بیسے اور اتنا نہیں سمجھے جس کے بدن میں توانائی نہیں اس کے دماغ میں طاقت نہ ہیں دل میں قوت نہیں عقل میں تیزی نہیں ذہن میں رسائی نہیں۔ کبھی دیکھا ہے روگی ماں باپ کی اولاد چو پچال تن درست کیس سنا ہے مہربانی ہوئی تھی کے پتے ہرے ہرے شاداب۔ غرض سید صادق نے کھیل بھی کھیلے تھے مگر وہی کھیل جن سے مقصود تھی ریاضت اور تفریح اور وہ بھی قاعدے سے اپنے ہم جماعتوں کے ساتھ استادوں کے ساتھ سرکاری عہدہ داروں کے ساتھ۔ اس کو نہ یہاں کے کھیل آتے تھے اور نہ وہ ایسے چلبوں کو پسند کر سکتا تھا۔ پس حقیقت یہ ہے ہندوستانی سوسائٹی کے قابل تھا اور نہ ہندوستانی سوسائٹی اس کے لائق۔ اس کی طبیعت ڈھونڈھتی تھی وہی کلج کی صحبتیں کہ پڑھنا ہے تو اور باتیں میں تو اور کھیل کر تو تمام وقت کسی نہ کسی شغل میں مصروف ہے اور شغل بھی مفید اور دل چسپ تعلیم کی تعلیم اور تفریح کی تفریح۔ ہندوستانیوں میں اگر ایسے مذاق ہوتے تو یہ روز بہ روز ہی کیوں پیش آتا۔ سید صادق کو معلوم تھا کہ طالب العلومی کے بعد ہندوستانی سوسائٹی کو اڑھنا بچھونا بنانا پڑے گا اور اسی غرض سے اس نے خانہ داری کا تعلق پیدا کیا تھا۔ مگر یہ ایک تعلق سوسائٹی کا کام تو نہیں ہے سکتا۔ بلکہ اس کے ہوتے سوسائٹی کی ضرورت بڑھتی جاتی ہے۔ پس چارونا چار اس کو لوگوں سے ملنا پڑتا تھا۔ آدمی کہاں تک کتاب دیکھے اور کب تک عورتوں کی طرح چار دیواری میں بند رہے۔ ولی جیسے شہر میں سید صادق کو سعد و دے چند اپنے ہم خیال بھی کیوں نہیں مل سکتے تھے آخر برسوں سے انگریزی تعلیم ہو رہی ہے اور یہ تو ممکن ہی نہیں کہ آدمی شن سکول آتش سہی کہیں بھی انگریزی پڑھے اور اس کے خیالات بالکل ویسے کے ویسے ہی نہیں جیسے فی زمانہ عام تو کے ہیں۔ ہاں اتنا فرق ضرور ہے کہ بعض اپنے خیالات کو ظاہر نہیں کرتے یا ان کو ظاہر کرنے کا موقع نہیں ملتا اور بعض بھر بھڑیا ہوتے ہیں کہ جو ان کے دل میں ہے وہی ان کی زبان پر ہے۔ لیکن اتفاق سے سید صادق کو آتے کے ساتھ ان ہی لوگوں سے سابقہ پڑا جن کو اس کے۔ سے خیالات چھوٹی نہیں

گئے تھے۔ یہ تو کیونکر کہیں کہ سید صادق کو ہندوستانی سوسائٹی کا حال معلوم تھا۔ وہ ہندوستانی سوسائٹی میں پیدا ہوا ہندوستانی سوسائٹی میں اس نے پرورش پائی اور وہ بھی ہندوستانیوں میں کا ایک ہندوستانی تھا۔ مگر اس نے ہوش سنبھالا علی گڑھ کالج میں پس سوسائٹی کے متعلق اس کی معلومات بیشتر کتابی تھی کہ وہ اخبار میں کتابوں میں ہندوستانیوں کے حالات پڑھتا رہتا تھا۔ اب جو لوگوں سے ملا جلا تو جانا کہ جو کچھ جانتا تھا اس کو وہ بات سے اتنی بھی تو نسبت نہیں جتنی چھٹانک کو من سے۔ اس کے خواب خیال میں بھی نہ تھا کہ مسلمانوں نے مذہب کا یہ حال کر رکھا ہے کہ اس میں اور دنیا میں اس طرح کا بیڑ کہ دونوں جمع ہو ہی نہیں سکتے خصوصاً انگریزی عملداری میں۔ خد نے تو بندوں کی مصلحت اس میں سمجھی کہ انگریزوں کو وقت کا بادشاہ کر کے دنیاوی عزت اور دنیاوی دولت کی کنجیاں ان کے حوالے کر دیں کہ جس کو چاہیں دیں اور جس کو چاہیں نہ دیں۔ اور مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ باوجود اسے کہ نصاریٰ اہل کتاب بھی ہیں۔ ان کے ساتھ کھانا پینا عیسائی مذہب کی عورتوں سے مخلع کرنا کہ دنیا میں میل جول اور دوستی ملاقات کے یہی طریقے ہیں قرآن میں ان سب باتوں کی اجازت صاف صاف موجود ہے۔ نصاریٰ کی طرح بھی جو ادیب بھی اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ امن اور انصاف اور آسائش اور آزادی غرض ہر طرح کی راحت جیسی ان کی عملداری میں ہے نہ کبھی ہوتی اور نہ اب کسی دوسری عملداری میں ہو۔ باوجود ان سب باتوں کے مسلمان ہیں کہ ان کے سامنے سے بھاگتے ہیں سان کی زبان سے نفرت۔ ان کے علوم سے نفرت ان کی وضع سے نفرت سان کی طرز و روش سے نفرت۔ جس کا ضروری نتیجہ یہ ہے کہ مسلمان ذہن پر مغفل و غافل ہوتے چلے جاتے ہیں۔ جتنے ذریعے معاش کے دنیا میں ہیں اور ہو سکتے ہیں سبھی میں تو مسلمان دوسری قوموں سے پیٹے ہیں۔ کیا نوکری کیا تجارت کیا زمینداری کیا دستکاری کیا کچھ کیا کچھ۔ اور جو دو چار نے اس لم کو سمجھا ہے اور اب سچا تے اور اپنی دنیاوی حالت درست کرنی چاہتے ہیں۔ ان کو اپنے ہی بھائی بندھن نہیں لینے دے کہ دنیا کے پیچھے دین کو چھوڑ بیٹھے عاقبت خراب کی۔ ان کا پانی پینا روا نہیں ان سے رشتہ ٹاٹ کر نارست نہیں اور جو لوگ اس طرح مٹونہ بھر بھر کے دوسروں کو برا کہتے ہیں وہ اگر اپنے نفس کا احتساب کریں تو پائیں گے کہ ان ہی کے خیال کے مطابق دوسروں کی آنکھ میں ناخن ہے تو ان کی اپنی آنکھ میں ٹینٹ۔ دوسروں کو

خارش ہے تو ان کو کوڑھ۔ دوسروں کو خفقان ہے تو ان کو جنون اور جنون بھی طبعی۔ مگر خدائے دلوں پر
 مہر لگا دی ہے ان کو دوسروں کے عیب دیکھنے سے فرصت نہیں کہ اپنے عیوب پر نظر کریں۔ اپنی نجات سے ایسے
 مطمئن ہیں کہ عشرہ مبشرہ کو بھی ایسا ایسا نصیب نہ ہوا ہوگا کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ باوجود بشارت کے
 بھی وہ لوگ مدتہم تک خدا کی بے نیازی سے ڈرتے ہی رہے اور ان کو شاید کبھی بھول کر بھی خیال نہیں
 آتا کہ ہم کو بھی خدا کے یہاں چل کر کچھ جواب ہی کرنی ہے۔ اصل میں تو کبر یا حسد یا طمع دنیا یا حب جاہ یا اسی
 طرح کی کوئی اور خباثت باعث ہوتی ہے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا جیلہ بنارکھا ہے گویا تمام بندگان
 خدا کے اعمال کی باز پرس ان سے ہوتی ہے اور یہ خود مرفوع القلم ہیں نفسی نفسی کی پستی سے نکل مائے شیخی کے
 اُمتی امتی کی معراج پر جا دھکے اور یہ سمجھے کہ یہاں سے پائو پھسلنا تو پھر سفار لسا فلین سے ورے کہیں
 آدمی کا ٹھکانا ہی نہیں۔ اور اگر خدا نے دل ہی ایسا بنایا ہے کہ پیغمبری نہیں محتسبی کی خدمت نہیں مسلمان بھائی
 کی غلطی دیکھی نہیں جاتی تو خوشنود کیوں اور دل آزاری کس لیے۔ اور صاف صاف بات تو یہ ہے کہ جب اس کو
 پیشہ ٹھہر لیں اور معاش کے لیے اسی پر دھرنادے کہ بیٹھیں تو بدگمانی نہ ہوتی ہو تو ہو۔ دوسروں پر انہر
 ڈالنے کے لیے ضرور ہے خلوص۔ اور ثنائیہ غرض کے ہوتے اول تو خلوص ہو ہی کیوں اور ہو تو آدمی فرستہ
 ہے ورنہ نیکی برباد گنہ لازم۔ غرض مذہب بھی عجب تماشے کی چیز ہے اس کی عینک آنکھوں سے لگاتا تو دوسروں
 کے تش لٹھے اور شہید دکھائی دینے لگیں اور اپنے پہاڑ اول تو دکھائی ہی نہیں دیں گے اور دکھائی دیں گے بھی تو
 رائی یا شخاش یا بہت غور سے دیکھو تو جیسے تل۔ کبر اور خود پسندی کو اگر درخت فرض کریں تو مذہب بہتر
 اس کے لیے کوئی کھاد نہیں اور صہ ڈالا اور ادھر بھان متی کے درخت کی طرح پتے پھول پھل سب کچھ طیار
 موجود۔ مذہب ایجاد تو ہوا ہندی کی بیخ کنی کے لیے افسوس ہو کہ اس کو ہندی کا پروردہ دار بنایا جائے تو اس کے
 یہ معنی ہوں گے کہ پوپس چوروں کا تھا کچی مگر انسان کی سرشت ہی اس طرح کی واقع ہوئی ہے کہ وہ اپنی بدی
 سے نہیں چوکتا یہاں تک کہ مذہب میں بھی رگڑا کیے ن آئے گا کہ اس کی ساری شہرتیں اس پر اور جن کو
 اپنے زعم میں دھوکا دے رہا ہے اُن پر ظاہر ہوں گی۔ یحذرون اللہ والذین امنوا واما یحذرون انفسہم فاما یشعروا

لے اپنے نزدیک نہ کو اور مسلمانوں کو دھوکا دیتے ہیں اور نہیں دھوکا دیتے مگر اپنے منہں اور اتنی بات بھی نہیں سمجھتے ۱۷

آدمی بھی ایک طرح کا سر نہ لٹا دیتا ہے اور خدائے اس کو ایسی مضبوطی سے بند کیا ہے کہ دوسرے تو اس کے اندر کا حال کیا جان سکتے ہیں یہ خود بھی اپنے دل کے کونے کھاروں سے اچھی طرح واقف نہیں رہے۔ پیچھے یہ لٹا دیکھو لا جائے گا اور اُس وقت معلوم ہوگا کہ خط میں کیا لکھا ہے اب توجہ کرنا چاہیے لٹا کر خوش نما بنا کر لوگوں کو گرویدہ کر لے مگر یہ لٹا دیتا ہے کہ دن کا کفن کے میلے ہوتے دیر بھی لگتی ہے اور تو آج قبر میں رکھا اور تیسرے دن بھاٹا اچھوٹا۔

بارہویں فصل صادق اور مذہب

سید صادق کا خیال یہ تھا کہ جو لوگ دنیا میں پھنسے ہیں وہ تو خیر مگر جو دین کے پیشوا کہلاتے ہیں ان کے مذہبی خیالات ضرور اپنے اور عمارہ اور پاکیزہ ہوں گے۔ اور اس کا ارادہ بھی تھا کہ طالب علمی کو اُس کی حد تک پہنچا کر جب میں موساٹی میں آؤں گا تو ایسے ہی لوگوں سے صحبت رکھوں گا اگرچہ ہم اُس کی اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ اُس نے طلب دین کو دنیا کے بعد رکھا کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اپنے نزدیک دنیا اور دین کو کچھ رکھا تھا حال آنکہ اسلام کا بڑا اصول یہ ہے کہ دین اور دنیا میں ہوا اور گل کی نسبت ہے دین کوئی علیحدہ چیز نہیں دنیا کو نیکی کے ساتھ برتنے کا نام دین ہے اور بس۔ لیکن وہ ایک نوجوان آدمی تھا۔ اُس کی دینی معلومات بہت محدود تھیں۔ ہم نے بھی بوڑھے ہو کر اتنی بات سمجھی اور اگر اس کے کان میں کسی نے ڈالی ہوتی تو وہ بھی سمجھتا مگر ڈالنے والا ہی کون تھا۔ سوئیں نانوے آدمی تو اس خیال کے ہیں کہ دنیا اور دین ایک دوسرے کی ضد ہیں جیسے گل اور پانی۔ بہر کیف سید صادق کو ابھی مذہب سے ایک طور پر قطع نظر ہی تھا کہ دلی کے لوگوں نے زبردستی اس کے ساتھ مذہبی چھیڑ چھاڑ شروع کی۔ وہ اس کے پاس آئے اسی عزت سے تھے۔ اس کو جو آداب مجلس کلاچ میں سکھائے گئے تھے وہ تو یہ تھے کہ بے تقریب کسی سے ملو تو ملاقات میں اس کا ضرور کھانا رکھو کہ جس سے ملنے جاؤ اُس کی فرصت کا وقت تاکر جاؤ کہ اُس کا کسی طرح کا حرج نہ ہو اور ضرورت سے زیادہ اُس کے وقت کو مشغول نہ کرو اور کسی کے ذاتی اور خانگی معاملات میں جیسے عقائد مذہبی وغیرہ کو وہ تمھارا کیا ہادی دوست کیوں نہ ہو ہرگز نہ گھڑ بھول کر بھی دخل نہ دو مگر جو لوگ اس سے ملنے کو آتے تھے وہ کسی تقریب کے محتاج نہ تھے جس وقت جی میں آیا بے تکلف آمو جو دہوئے کندی کھڑکھرائی

یا نام لے کر بکار اور پھر ڈٹے تو ایسے ڈٹے کہ اٹھنے کا نام نہیں لیتے اور پہلی ہی ملاقات میں اسے سوالوں کے
 اٹو کر دیا کوئی راز نہ تھا جس کی ہندی کی چندی نہیں پوچھی۔ یہ بہت ہی بیچ ہوتا تھا اور باوجود ضبط کرینکے
 کسی کی حق مانوشی بشرے سے بھی ظاہر ہو جاتی تھی مگر ملنے والوں کی دُور بلا وہ اس کی کھسانی ہنسی کو
 مذاق میں اُڑا دیتے تھے۔ اور مصیبت یہ تھی کہ آپ ہی تو کھود کھود کر یہ کرید کر اس کی رسے دریافت کرتے اور
 اگر ایک حرف بھی اُن کے خلاف اس کے مُونہ سے نکل جاتا تو کافر بناتے مرتد ٹھہرتے اور سارے شہر میں
 اس کا ڈھنڈورا پیٹتے سوا لگ۔ اور اُس وقت تک اس کی اپنی دینی محلوں میں کچھ ایسی اعلیٰ درجے کی نہ تھی اور
 اعلیٰ درجے کی ہو بھی کیسے سکتی تھی اُس کی عمر ہی کیا تھی اور جو تھی اُس میں یہ ہمہ تن کالج کی پڑھائی میں مصروف
 رہا اور ہمہ تن مصروف نہ رہتا تو جیسے جیسے امتحان اس نے پاس کیے اس کے اچھے سے بھی دہوتہ پڑا ایک
 عقلی مذہب کھتا تھا جو بات اس سے پوچھی جاتی اپنی رسے سے کچھ نہ کچھ اُس کا جواب دیتا اور اُسی کی
 پیچ کرتا اُسی پر چار ہوتا اتنی غلطی تو اُس کی بھی تھی کہ اُس کو عقل پر زیادہ اعتماد تھا۔ لی اسے پاس ہو کر اُس کو
 یہ تو سمجھنا چاہیے تھا کہ دنیا ہی کی باتوں میں بٹے بڑے عقلمندوں کو دیکھتے ہیں ایک کتاب ہے بہت تو دوسرا
 کتاب ہے بہت۔ اس سے بڑھ کر انگریزوں کی عقل و دانش کا کون متفق ہو گا اور ہزار عقلمندوں کے تحت پڑھ کر
 اگر وہ جو سلطنت کا انتظام چلا رہے ہیں سوان کا تو حال یہ ہے کہ ایک کتاب ہے دن تو دوسرا کتاب ہے رات۔
 ہوس آف کا منظر پارلیمنٹ کا کونسا اجلاس ہے جس میں تو تو میں میں نہیں ہوتی۔ آج لبرل نور پوڑے ہیں تو
 کل کانسر ویٹو بازی لے جاتے ہیں۔ یونینٹ پارنٹلائٹ گلیڈسٹونین ہم کو تو کم بختوں کے نام بھی نہیں
 آتے کتنے فرقے پیدا ہو چکے ہیں کہ ایک کی ایک سے نہیں بنتی۔ یا مثلاً ڈاکٹر جو سیجائی تو مسیحائی خدائی کا دعویٰ
 کرتے ہیں یہ یار یوں کو تو تو اپنے بس میں کر ہی چکے اب موت کے پیچھے پڑے ہیں کہ کسی طرح اس کو اپنے قابو
 میں لائیں ان کو بھی دیکھا وہی پھوٹ وہی اختلاف۔ ایک کتاب ہے بعضی بیاریاں اُڑ کر لگتی ہیں انھوں نے
 زور دے دے کر قارئین پہنچا دیا۔ دوسرے متفقہ ہیں کہ تعدیہ امراض کوئی چیز نہیں صرف اہمہ ہی وہ ہے
 غرض ان عقلمندوں کے باتوں جان ایک مصیبت یہ ہے کہ کس کی باتیں لو کس کی نہ مانیں۔ تو جب دنیا کے
 معاملات میں جو کچھ مشاہدہ کر رہی ہیں عقل انسانی کا یہ حال ہو تو دین کی باتوں میں جو انسان کی آئندہ زندگی

سے متعلق میں عقل انسانی اگر غلطی کرے یا سرے سے سمجھے ہی نہیں تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ پس سید
صداق میں یہ بڑی کسر تھی کہ وہ ہر جگہ عقل دوڑانی چاہتا تھا۔ جہاں اس کی سمجھ میں نہ آتی اُس کو جھٹلانے
الگتاً ایک طرہ پر اس کا کہنا بھی سچا تھا کہ انسان جو مختلف ہوا تو اسی عقل کی وجہ سے ہوا اگر اس میں عقل نہ ہوتی
تو یہ بھی اور جانوروں کی طرح کا ایک جانور تھا۔ عذاب ثواب دونوں سے بری۔ آدمی کے پیچھے جو عاقبت کا
جھگڑا لگتا تو اسی سے لگا کہ اس کو عقل ہی گئی ہے نیک بد کی تمیز رکھنا تو جس عقل کی وجہ سے اتنی ساری
ذمہ داری گھلے بڑی ایسی کو دین میں مہطل کر کے بٹھادیں تو اس کے یہ معنی ہیں کہ خدا نے تو بنایا آدمی اور
ہم نہیں جانور اُس نے تو دیں آنکھیں اور ہم باز دھلیں اوپر سے پٹی۔ دوسرے قرآن میں یہود اور نصاریٰ
اور مشرکین اور دوسرے غلط عقائد والوں کے ساتھ مناظرے ہیں مباحثے ہیں اور خدا جگہ جگہ
لوگوں کو بل لایشعرون افلا یعلمون اذ لا یحقلون کا الزام دیتا ہے جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ دین کے لیے
علم و عقل کو مادی بنانا چاہیے۔ اور یہ لوگ جو اس سے نہ سچی کجاریں کرنے آتے تھے وہ کہتے تھے دین کے
اس گئے عقل کا نام ہی نہ لو اگر نہ عقل سے کام چلتا تو خدا کتابیں ہی کیوں اتار تا پیغمبر ہی کس لیے بھیجا شیطان
سے بڑھ کر بھی کوئی عالم ہوگا کہ وہ سب فتنوں کا اُستاد تھا خدا نے آدم کو یہ لکھ کر کے کل فتنوں کو حکم دیا
کہ آدم کو سجدہ کرو۔ شیطان اپنے علم کے غرے میں آکر گھا جھٹیں کرنے اذ انیرا منہ خلقنی من نار و خلقنی مطاوع
علم و عقل کا انجام یہ ہوا کہ ہمیشہ ہمیشہ کو راندہ گیا۔ جب دونوں کے اصولوں سے قدر مختلف ہوں تو ان میں اتفاق
ہو کیا ناک۔ نتیجہ یہ تھا کہ بات بات میں کجاریاں بات میں جھگڑا کہ صداق کی امت مسلمانوں کے متعارف فرقوں میں سے کسی
فرقے سے ملتی ہی نہ تھی مگر اس کو اپنے سے زیادہ مسلمانوں کا باہمی اختلاف ناگوار تھا کہ ان میں جزئیات اور
فروع اور چھوٹی چھوٹی باتوں کے اختلاف کے سبب اس قدر پھوٹ پھوٹتی کہ ایک رسول کی اُمت ہونا کیسا ان کا بدلہ
تو ایک خدا کے بندے ہونا بھی ان کو منظور نہیں۔ ان ہی اختلافات کی بدولت ایک مسجد میں نماز نہیں پڑھ سکتے
اُسے دن دیوانی اور فوجداری کے مقدمے دائر ہوتے رہتے ہیں۔ آگے کو تو خیر بندی ہوئی سو ہوئی لگے
لگاے رشتے رشتے ناطے چھوٹتے چلے جاتے ہیں۔ تو کیوں کجاریں کہ ان کا مذہب ایک ہے۔ اور اگر جہاد مذہب ہوتے

ملنے میں آدم سے بہتر ہیں آپسے جھگڑنا یا آگ سے اور اُس کو بنایا ہی ہے ۱۲

تو اس سے بڑھ کر اور کیا کرتے جواب کر رہے ہیں سید صادق نے یہ حکایت بیان کرتے وقت یقین جان کر
 ماننا رو دیا کہ ایک مسجد کا امام تھا غیر مقلد اور نمازی کچھ ٹری یعنی بعض مقلد بعض غیر مقلد۔ ان دونوں فریقوں
 میں فیوض یدین اور آئین باجمہر اور الصاق السوق اور سینے پر ماتھہ باندھنے کے اختلافات ہیں ایک سلسلہ مختلف
 فیہ یہ بھی ہے کہ غیر مقلد سجدے کے بعد جلسہ استراحت کر کے دوسری رکعت میں کھڑا ہوتا ہے اور مقلد جلسہ
 استراحت نہیں کرتا۔ مقلد مقتدیوں نے یہ حجت کمال کھڑی کی کہ امام کی اطاعت فرض ہے نہ کہ تو نماز پل۔ ہمارا امام
 جلسہ استراحت میں ہوتا ہے کہ ہم کھڑے ہو جاتے ہیں تو اس امام کے پیچھے ہماری نماز کیسے ہو سکتی ہے چاہا
 کہ امام کو معزول کریں غیر مقلدوں نے کی اس کی حاکمیت مقدمہ لڑا اور لڑنا ہی تھا۔ حاکم تھا انگریز اس نے فہم متغیر
 کی غرض سے نماز کی نقل کر لی اور ہر کی تعیین کے لئے زیر و بم کی سہولت میں آئین اکملہ اکرنی۔ سید صادق
 کہتے تھے کہ بد قسمتی سے میں بھی گواہی میں پڑا گیا تھا یہ مقدمہ ہو چکے پر فریقین نے مٹھائیاں بانٹیں اور میں
 مائے رنج کے کھانا بھی نہیں کھایا۔ بھگواندھری وہ بات کہ کسی یہودہ تھنیر والے نے جناب رسول مقبول صلی
 اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نقل کرنی چاہی مسلمانوں کو علم ہوا تو اس کے سے اس سے ننگا ایک غل سلج گیا بلکہ
 کے کان تک خبر پہنچی اور سختی کے ساتھ ممانعت کر دی گئی۔ اللہ اللہ ملکہ کو عیسائی ہو کر اسلام کا اتنا پاس اور غور
 مسلمانوں کا یہ حال کیا فرق ہو سکتا ہے پیغمبر صاحب کی نقل میں اور نماز کی نقل میں۔ وہ رسول خدا ہیں تو یہ
 فرض خدا ہے۔ مگر مسلمان ہی اپنے دین کی ہنسی اڑوانا چاہیں تو اس کا کیا علاج سید صادق مذہبی تکرار
 کو سخت ناپسند کرتا تھا۔ اور اس کو معلوم تھا کہ یہ تکرار باتوں سے شروع ہو کر بہت جلد لکڑوں اور لاتوں پر بٹ جائیگا
 اور خدا جانے کیا اسرار ہے کہ اور تکرار میں تو رفع ہو بھی جائیں مگر مذہبی تکرار کبھی مٹتی ہی نہیں۔ اس کو کمال التفہیم
 تھا کہ مسلمانوں کے تنزل کے جہاں درباب ہیں ان میں سب سے بڑا سبب یہی اختلاف ہے کہ یہ ان میں یکدلی اور
 اتفاق کے پیدا ہونے کا مل ہے اور چاہے مسلمان دنیاوی علم و لیاقت ایجاد و صنعت و دستکاری و حرفہ متعلقات
 و محنت و تفتیش و تلاش کل صنعتوں میں اہل یورپ سے بڑھ بھی جائیں مگر بدون اتفاق کے فلاح قومی ہونی نہیں۔
 تو اس نے اپنے تئیں بڑی نفیر میں کی کہ اتنی مختلف مسلمانوں میں پہلے ہی سے سنگ رہی تھی میں نے
 اگر اس کو بھڑکادیا۔ اس نے ملاقات میں کمی کرنی چاہی مگر لوگ زبردستی اس کو پٹتے تھے اور کبھی وہ یہ بھی خیال

کرنا تھا کہ گو اس وقت میں نے اختلاف کا ایک پہلو اختیار کر رکھا ہے مگر میرا اصل مطلب تو رفع اختلاف
ہو اور اگر میں اپنے مقصد میں کامیاب ہوا تو مسلمانوں کے رستے میں سے ایک پھاڑ ٹل جائے گا اور
آسانی کے ساتھ ترقی کر سکیں گے۔ سید صادق تو بڑی سچ سمجھ کا آدمی تھا اس نے دلی میں قلعہ کرتے
وقت اس بات کا خیال کیا تھا کہ وطن کیا چیز ہے اور متقل سکونت کے لیے آدمی کو کسی خاص جگہ کا پابند
ہونا مناسب بھی ہے یا نہیں اور ہے تو میں کوئی جگہ کو اختیار کروں۔ آخر اس نے فیصلہ کر لیا کہ شہر
سے مقصود اصل ہے اسلئے اسلئے اسلئے جیسی شہر میں میسر آسکتی ہے وہاں میں ممکن نہیں۔ شہروں میں
قسم کا آدمی موجود ہر طرح کی چیز مہیا۔ بے شک وہاں میں بھی خاص خاص فائدے ہیں جو شہریوں کو نصیب
نہیں جیسے آب و ہوا کی عمدگی۔ دیہاتیوں کی سادہ اور بے تکلف زندگی۔ ان کی سحرانہ یعنی غور سے
دیکھا جائے تو انسانی فطرۃ کا رنگ ان دیہات میں زیادہ جھلکتا ہے۔ نسبتہ ان شہر کے ہیں تو دیہاتی بھی آدمی
کی اولاد مگر پھر بھی ان لوگوں میں اتنی خرابیاں نہیں ہیں جتنی شہریوں میں۔ مگر ویسے ہی دیہات میں عقلی ترقی
کے سامان نہیں۔ شہریوں کے ناشائستہ حالات روی خیالات و کچھ کر سید صادق کا دل دیہات کی طرف
کو جھکتا تھا مگر طالب علمی کا روگ ایسا اس کے پیچھے لگا تھا کہ یہ شوق بے شک پورا نہیں ہو سکتا تھا۔
پس اس نے قطعی فیصلہ کر لیا کہ ہوں گا تو شہر میں۔ یوں تو وہ خود بھی شہری تھا مگر اس نے اپنی جو نیز سے بیاہ
کیا کیا کہ مارغیر کے آپ ہی آپ بنارس کے رہنے کا بھی عہد کر لیا۔ بنارس چھوڑا تو اس کی نظر واپس پڑی
کہ یہ بھی بڑا شاہی شہر ہے۔ مدتوں دارالطنت رہا ہے۔ شاہ جہان نے پہلے اس کا نقشہ بجالایا اس
بعد لوگوں نے کوہنے کا حکم دیا تو اس کی آبادی بہت ہی خوش قطع واقع ہوئی ہے۔ لال قلعہ اور جامع مسجد اور
چوک جلالپور پیریں تو اپنا جواب نہیں دیتیں۔ اور یوں شہر کے لیکر قوط صاحب تک چھ سات کوس کے
گرداسے میں ایسی ایسی عمارتوں کے بے شمار کھنڈر پڑے ہیں کہ دیکھ کر خدا بار آتا ہے۔ بڑے بڑے باکمال
لوگوں کی سسزمین میں ہو کر رہے ہیں اور اگرچہ ہمارا کام تو مکمل کیا۔ مگر ایسا بھی کیا ہے کہ ہوا میں ذرا سی بھی
مکمل فی نہ ہو۔ زبان جیسی یہاں کی مستند ہے میں کی ہونہیں سکتی۔ لوگوں کی وضع بھی بھلے مانسوں کی سی
موندہ پر قطع ڈاڑھیاں نیچے نیچے انحر کے تنگ موہری کے پاجامے مگر شے کھلے ہوئے۔ سجدیں بکثرت

اور سب آباد۔ دین کے اعتبار سے اگر دلی کو ہندوستان کا مکہ مدینہ کہیں تو کچھ بے جا نہیں۔ کوئی شہر کسی دفعہ مگر رونق دہی کی وہی شہادت کے خدر کا البتہ بڑا جھکولا پہنچا مگر یہی سہری کا شہر تھا کہ فتح اور بیجا پور کی طرح اُجڑا نہیں۔ خیر صوبہ پنجاب کا صدر مقام نہیں نہ سہی دلی تو ہے اس سے بہتر رہنے کے لیے اور کوئی جگہ ہوگی اور ابھی سے رہنے سے ہی کا کیا ٹھکانا ہے میں نے نام گنولے کے لیے تو اتنی عمر ضائع نہیں کی محنت سے پڑھا ہے امتحان پاس کیے ہیں تو اسی دن کے لیے کہ بڑی سے بڑی نوکری کروں امیر ہو جاؤں خوش حالی سے زندگی بسر کروں اور لوگوں کو دکھاؤں کہ عمدہ تعلیم پانے کے یہ نتیجے ہوتے ہیں تو نوکری پیشہ کی جہاں نوکری وہیں اس کا وطن مگر پھر بھی آدمی کو چاہیے کہ کسی ایک جگہ کا ہوئے چلے پھرے اپنے ٹھکانے آگئے اور دنیا بامید قائم آخر میں کبھی نہ کبھی پشیم لوں ہی گا تو اگر ساری عمر اٹھاؤ چوٹھا بنا پڑا پھر اس وقت بڑی پیش آئے گی اور ابھی سے سامان جمع کر چلوں گا تو آسائش ملے گی۔ غرض کوئی نہ کوئی مقام مل سکوت کے لیے متعین کرنا ضرور ہے کہ وہاں کے لوگوں کے ساتھ خصوصیت پیدا ہو اور وقت پر ان سے ہماری اور دلی کی توقع کی جائے۔ ایسے ایسے خیالات سے سید صادق نے دہلی کی بود و باش جی میں بھر لی تھی مگر یہاں کے مذہبی اختلافات دیکھ کر دلی کو بڑی ہی وحشت ہوئی اور اس کی طبیعت دوچار دن کے لیے اٹھنے میں بھی مضائقہ سا کرنے لگی۔ مگر دل برداشتگی کے ساتھ ایک بڑا فائدہ بھی ہوا کہ اس کو مذہب کی طرف توجہ کرنی پڑی۔ اس کی سی عمر اس کی سی بیاتہ کے آدمی کو یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ وہ مذہبی اختلافات سے بالکل بے خبر تھا۔ علی گڑھ کالج جس میں اس نے پڑھا تھا کھولا تو گیا دنیا دہی تعلیم کی غرض سے مسلمانوں نے زبردستی مذہبی بدگمانیاں کر کے شروع سے اس کے ساتھ مخالفت کی اور جب تک مسلمانوں کے لیے کبھی پرچوں کی عادت نہیں جاتی اور وہ کیا جائے گی علی گڑھ کالج کی نسبت بدگمانیاں ہوتی ہی رہیں گی۔ پس مجرد بدگمانی کا طالب العلم ہونا دلائل کر رہا ہے کہ وہ اختلاف کے ہنگامے میں شریک نہ تھا تو تماشائی ضرور تھا اور وہ۔ حق نہ تھا تو اس کی سی اس کی توجہ بھی تھی۔ اب جو ہر قسم کے لوگوں سے خود اس کو سوال و جواب کرنے پڑے۔ انہیں نے دیکھا کہ سب اشتہار مناظرے کے لیے تیار نہیں۔ اُس نے دنیاویات کی کتابیں دیکھنی شروع کیں۔ اس نے اسلام کی طرف سے تو کچھ دیکھا تھا کہ اس سے زیادہ سادہ اور سلیس اور آسان اور قریب الفہم اور فطرۃ انسانی کے ٹھیک نہ تھا۔

یہی سب باتیں مذہب کی حقانیت کی شناخت ہیں اور کوئی مذہب نہیں اسلامی فرقوں کے باہمی اور اندرونی اختلافات ہیں اس کی عقل الباطنیہ پر مبنی تھی کہ یکساں آپس میں لڑتے مرنے اور ایک دوسرے کو کافر اور مرتد بناتے اپنے اپنی طرف سے ہتھیار چاٹا کہ کوئی ایسا منصف مزاج آدمی ملے جو اپنی کلمے اور دوسرے کی کلمے اور بالمشافہ گفتگو ہو ہو کر حق معلوم کر لیا جائے لیکن کسی کو اس ڈھب کا نہ پایا دو دو باتیں بھی سبھی طرح نہیں ہوتے باتیں کہ فرقہ بین آپس سے باہر ہو جاتے ہیں اور ان میں فوجدارسی ہوئے نہیں رہتی۔

تو گوئی خروسان شاطر بچنگ در افتاد با ہم ہنس قمار و چنگ

پس کتاب بنی کے سوا سے اور کیا چارہ تھا۔ مگر کتابیں بھی تو اکثر ان ہی لوگوں کی لکھی ہوئی تھیں اور بعض تو ان میں اس قدر بے تہذیب کہ اگر کسی غیر مذہب والے کی نظر پڑ جائیں تو اسلام کے مقابلے میں اس کو ایک جگہ ماتھے آئے۔ اور مذہب اسلام اس قدر عمدہ مذہب ہو کر جو نہیں پھینکا اور دوسرے مذہب والے اس کثر سے اس کو اختیار نہیں کرتے جس کثر کے ساتھ ان کو اختیار کرنا چاہیے کیا خبر ہے کہیں ایسی ہی کتابوں نے ان کو نہ بھڑکا دیا ہو۔ ایک پادری صاحب تو ہم سے کہتے تھے کہ مجھ کو دریافت کرنا منظور تھا کہ اسلام میں کہاں کہاں پانی مریا ہے۔ سنی شیعوں کا اختلاف میرا سنا ہوا تھا میں نے دونوں کی ایک ایک کتاب منگو کر دیکھی اسلام کی آدھی برائی شیعوں نے بتائی تو دوسری آدھی شیعوں نے تو صادق نے بھی یہی غلط استدعا کیا اور بجائے اسکے کہ اطمینان حاصل ہو اور شکوک بڑھتے گئے کیونکہ ان لوگوں کے مناظرے کا معمولی طرز یہ تھا کہ کسی نے ان میں ایک عیب نکالا تو انھوں نے اس میں ایسے ہی یا اس سے بھی سخت دو نکال کھینچے کہ تو یہ وہی بات ہوتی کہ حامد نے محمود کو چھیرا کہ تیری آنکھ میں ناخن ہے محمود کو لازم تھا کہ اپنی صفائے عیب آنکھ لوگوں کو دکھا کر حامد کو چھوڑا مگر تا وہ لگا حامد کی آنکھ کا سینٹ دکھائے اس سے آنکھ والوں کی نظر میں محمود یا حامد یا عیب ارا اور حامد بھی اس کے ساتھ سن گیا۔ مذہب میں اس طرح کی چھان بین ہی ٹھیک نہیں اس سے طبیعت شکنی ہو جاتی ہے۔ اور شک اور مذہب میں ہے میر۔

تیرھویں فصل عقلی مذہب

صادق نے کتابیں تو دیکھنی شروع کیں اسلامی فرقوں کے اندرونی اور باہمی اختلافات کی وجہ سے

اور وہ چاہتا دوسرے مذہب کے جھگڑوں میں۔ اور اب ہم نے اس کا یہ تماشا دیکھا کہ عقل کی بھول بھلیاں میں
 بھٹکا بھٹکا پھرتا تھا اور نکلنے کا رستہ نہیں سوچھ پڑتا تھا۔ اُس پر ایک وقت ایسا بھی گزرا کہ وہ سرے سے
 کسی مذہب کی معتقد نہ تھا اور دل میں کہتا تھا کہ شروع سے آدمی مذہب کے خیال کے پیچھے پڑے ہیں اگر
 مذہب حق واقع میں کوئی چیز ہوتا تو اب تک انسان کی نظر سے مخفی نہ رہتا۔ اور ساری دنیا میں کبھی کا ایک
 مذہب نہ ہوتا۔ دنیا جتنی پرانی ہوتی جاتی ہے مذہبوں کی شمار بڑھتا چلا جاتا ہے تو جس چیز کو اتنی مادہ ڈھونڈا
 جائے اور ڈھونڈا بھی جائے تو ایسی کاوش سے کہ کوئی فرد بشر اس کی جستجو سے فراع نہیں اور وہ نہ ملے تو
 اس کے یہی معنی ہیں کہ اُس چیز کا وجود ہی نہیں۔ دنیا میں ہزاروں مذہب ہیں اور ہر ایک مذہب اللہ اپنے
 ہی تئیں بے سرحق سمجھتا ہے اور حال یہ کہ نیک و بد بھی جگہ میں کیونکر مان لیں کہ ایک شخص خدا سے
 ڈرتا اور خیر ہوں پتہ رس کھاتا اور کسی کو ایذا نہیں دینی چاہتا۔ معاملے کا صاف دیا نہ دار امانہ گزار فرما رہے ہیں
 شیخی نہیں غور نہیں وہ صرف اس مذہب کے خاص طور کے عقیدے نہیں رکھتا اور نہیں رکھتا تو اس وجہ
 کہ وہ سچے دل سے اُن کو ٹھیک نہیں سمجھتا کیونکر مان لیں کہ ایسا شخص جہنمی ہوا بلا الہ آباد کے لئے مستوجب
 عذاب آئی۔ اور خدا کو بھی کس نے دکھا ہے۔ یہی نہ کہ دنیا میں کوئی چیز بے بنائے نہیں بنتی اور بنائے والے
 کون ہم ہی آدمی تو جو چیز ہم میں سے کسی نے نہیں بنائی۔ جس نے بنائی وہی خدا۔ یہ دلیل ظاہر میں تو
 بڑی مضبوط معلوم ہوتی ہے لیکن اس کو منطق کی کسوٹی پر کس کر دیکھا جائے تو ٹھیک نہیں اُترتی۔ کوئی چیز
 بناے بناے نہیں بنتی اس کی جگہ ہم کو یوں کہنا چاہیے کہ آدمی کے بنائے کی کوئی چیز بے بنائے نہیں
 بنتی۔ وہی لفظوں کی کمی بیشی میں بات کیا ہے کیا ہو گئی۔ نہ دعوے رہا اور نہ دلیل۔ اور کوئی چیز بے بنا
 نہیں بنتی میں تو خدا بھی آگیا تو گویا ہم ایک ہی سانس میں خدا کو ماننے اور اُس سے ملنے بھی ہیں۔ جو
 شخص کسی چیز کے لئے آپ آپ ہو جانے پر اچھٹا کرتا ہے بڑا اچھٹا یہ ہے کہ وہ خدا کے ہونے پر اچھٹا
 کیوں نہیں کرتا۔ اور دنیا میں اگر مثلاً ایک بات سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا ہے تو دوسرے ظاہر ہوتا ہے
 کہ نہیں ہے۔ ہم ہزاروں لاکھوں آدمیوں کو بتلائے مصیبت دیکھتے ہیں اور یہ بھی دیکھتے ہیں کہ وہ
 مصیبت بڑی کسی بکر داری کا نتیجہ نہیں ہے جیسے کہ مادر زاد یا ایک عام مصیبت موت ہی کی ہے جس کی

نور نہیں چلتا تو ہم سمجھتے ہیں کہ یہ کام خدا کے نہیں ہیں اور نہیں ہونے چاہئیں۔ اور فرض کرو کہ خدا ہے
 تو مجرد خدا کا ہونا چاہتا ہے کہ دین نہ ہو کیونکہ اگر خدا ہے اور اس نے جیسا چاہا دنیا کو بنایا تو وہ دنیا کے مخلوق
 کیوں چاہتے لگا اور اگر چاہے تو اس کی ایسی مثال ہوگی کہ ایک شخص گھڑی بنائے اور بنا کر اس میں ایک
 کیل ٹھوک دے کہ چل نہ سکے۔ ہم کو بے ہماری درخواست کے پیدا کیا اور چند در چند ضرورتیں اور خواہشیں
 ہمارے پیچھے لگا دیں پھر بھوکو ان سے روکنے اور باز رکھنے کے معنی کیا۔ یہ ہیں سید صادق کے چند جلال
 جو اس نے عقل کی راہ نمائی سے ہم پہنچائے تھے اور جن کو ہم نے نقل کفر کفر نباشد کے بھروسے پر بھجور رہی
 دڑتے اور لرزتے لرزتے لکھ دیا ہے خدا گناہوں کو معاف کرے۔ اور ہمارا مقصد اس بات کا دکھانا ہے
 کہ عقل بھی کیسی پا جی چاہے کہ خدا ہی نے تو اس کو بنایا اور خدا ہی نے اس کو سمجھنے کی طاقت دی اگر خدا کا
 فضل و شگرتی نہ کرے تو یہ عقل دمی کو اوندھے موندے و فرخ میں جا کر اسے۔ اور پھر جو بیکبارگی پٹا کھاتا تو
 سوچتا کہ چاہے خدا کے کرنے سے ہو اور چاہے آپ کے آپ ہو انسان کی ہستی ہی کیا ہے بہت سے بہت
 جی تو ساٹھ ستر برس۔ اور سیکڑوں ہزاروں میں شاذ ناد کوئی ایک آدھ سیکڑا بھی گھسیٹ لے گیا تو کس طرح
 کہ بے لکڑی کے سہارے کے چار قدم چلا نہیں جاتا۔ پاؤں ڈالتا ہے کہیں اور پڑتا ہے کہیں۔ سر ہے کہ بھٹکتے
 بھٹکتے گھٹنوں میں آگاہ ہے۔ آنکھوں سے دھندلا دکھائی دیتا ہے۔ کانوں سے اونچا سنائی دیتا ہے۔ کچھ
 عجیب طرح کی بولی بولتا ہے کہ نہ اردو نہ فارسی نہ عربی دنیا کی زبانوں میں کسی سے نہیں ملتی۔ اپنے منہ
 سے تو سیدھی بات نہیں نکلتی۔ اور لوگ نہیں سمجھتے تو ان پر چھنچلاتا ہے۔ بات ابھی کہی ہے اور ابھی ذہن
 سے اتر گئی۔ ہو کا بڑھ گیا ہے ہر چیز کو جی چاہتا ہے کہ کھالوں۔ دانت نہیں چبائے کا ہے سے۔ اور کھیر کو
 پھلا پھلا کر کوئی چیز خلق سے اتار بھی لی تو ماضیہ نہیں۔ اب گھر والوں کا دم ناک میں ہے۔ پوتیاں پڑتیاں
 ہاتھ اٹھا اٹھا کر اور پکار پکار کر دعائیں مانگتی ہیں کہ بڑھا کہیں مر چکے تو پاپ ٹلے۔ اس پر پوت بہو بولی
 فوج ہوا تم اس طرح موند بھر بھر کر بڑے میاں کو کیوں کوستی ہو یہ مر جائیں گے تو قیامت کے بورے کون
 سینے گا۔ اتفاق سے تو اسی آئی ہوئی تھی تھان آخر تو خون کا جوش ہوتا ہے اس سے سہارہ نہ ہو سکی او
 لگی کہنے لگو خدا سے ڈرو یہ سب ان ہی کے دم قدم کا ظور ہے اور یہ سارے اللہ تلے ان ہی کی کھائی

میں ہو رہے ہیں باد کو تو ایک پیسہ لانا بھی نصیب نہیں ہوا تم لوگ جن ہسٹیا میں کھاؤ اسی میں چھید کرو
 نانا اب اپنے تو آپ اپنی مٹی غار کر رکھی ہے۔ اناں خدا ان کو بہشت نصیب کرے اسی تمنا میں مر گئیں ہیں
 سیکڑوں دفعہ ہاتھ جوڑے وہ اس گھر سے نکلنے کا نام ہی نہیں لیتے۔ ورنہ میں تو ان کو اپنی آنکھوں پر پٹھاؤں
 اور اپنے ہاتھ سے ان کی ٹہل کروں لیکن ہم تو سدا کے بد قسمتہ ہیں ہماری تقدیر ایسی کہاں تھی کہ بزرگوں کی خدمت
 پوٹ ہو۔ ہاں بول سچ کہتی ہو ہم تو ایسے ہی نمک حرام ہیں۔ ہماری طرح آٹھ پہر گھر میں رہو تو جاؤ کہ بڑے
 نے سانسے گھر کو سر پر اٹھا رکھا ہے ان کو تو دن رات کی تمیز باقی نہیں سوئے پڑے ہیں تو اسن ہر ادھر کھڑے
 کھلی اور پکارا شروع کیا۔ کرکے کے جاٹے آؤھی رات اور ماوٹ برس پاتے اور لونڈی کی طلب ہے جاؤ تو چھا
 بھائی جان اٹنے کو موجود تم چاہو شوق سے گنا دینا ہم سے تو یہ بوڑھے بچے نہیں پاسے جاتے۔

غرض بٹے میاں اپنے گھر میں ہیں تو اس قدر غور کے ساتھ جن کو عقل سکھائی ابے ہونہ درہونہ کہتے ہیں کہ
 تم سترے بہترے ہو گئے ہو۔ جن پر حکمرانی کی اب بات بات میں ان سے دنیا پڑتا ہے۔ جن کی خدمتیں کیا
 اب وہ پانی پلاتے ہوئے بڑھاتے ہیں۔ اپنا پیسہ اور آپ ہی دست لگے غرض زندگی ہے میت سے بڑے
 اپنے پر خدا اب دوسروں پر وبال آئی کبھی بوجھی چکے گی۔ اور فرض کیا کہ آدمی کی بڑی سے بڑی عمر بھی ہوتی
 اور اس کو بڑھاپے کی اینٹا نہیں اور کھینچیں بھی بیش نہ آئیں تو بھی ساری مزہ داریاں ایک طرف اور مرنا ایک
 طرف۔ دنیا میں یہی تو سب سے زیادہ عجیب بات ہے کہ بھلی بھی گزر جاتی اور بُری بھی گزر جاتی یعنی انجام سب کا ایک
 کتنے مفلس ہو گئے کتنے تو مگر ہو گئے خاک میں جس دم سے دونوں برابر ہو گئے

پس حقیقتہ میں آدمی خواب سا دیکھ رہا ہے کوئی اچھا کوئی بُرا کچھ بند ہوئی جس کو کہنا چاہیے کہ کچھ کھلی تو
 کچھ بھی نہ تھا۔ اسے نادانی کہ بے از مرگ یہ تاب نہ ہوا۔ خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا۔
 اس قسم کے خیالات ہجوم کرتے تو سید صادق کو دنیا کی طرف سے ایسی بے دلی پیدا ہوتی تھی کہ کہاں کا استخوان اور
 کیسی نوکری کس کی بی بی اور کہہ کر کے تعلقات سب کو چٹاؤ۔ الغرض ان دنوں سید صادق انارٹی کی ترانو
 ہوا تھا کبھی ادھر کا پادہ جھبکا گیا کبھی اُدھر کا۔ اور اس کا سبب یہ تھا کہ وہ عقل سے اُس کی بساط سے زیادہ کام
 لینا چاہتا تھا اور خدا کو اُس سے یہ دکھانا منظور تھا کہ ہم نے نہ تمہاری جتنی عقل سب کو دی رہتیرے تم سے کم بہترے تم

سے زیادہ) اور نہ مذہب کے لئے آسمی عقل کی ضرورت اور جتنی کی ضرورت ہے اس سے ہم نے مرد اور عورت اور عالم اور جاہل و شہری اور دیہاتی کسی کو محروم نہیں رکھا۔ اور یوں آپ اپنے اوپر کوئی چیز لازم کر لو تو تمہاری خوشی کچھ تم سے دینی ہی باز پرس ہوگی۔ تمہارے دنیاوی امتحانوں میں بھی بعض چیزیں اختیار ہی ہوتی ہیں چاہے ان میں امتحان دو اور چاہے نہ دو لیکن از خود دینا چاہو گے تو نمبروں میں رعایت نہیں ہوگی دیکھنا تہ ابتداء عواما

کتبناھا علیہم الا ابتغاء رضوان اللہ فنادھوہا حق رعایتہا فاذنبت الذین امنوا منہم اجرہم وکنیز منہم فاسئلو
 دین کا وہ درجہ جو ضروری ہے ایسا سہل رکھا گیا ہے کہ ہر ایک آدمی اس کو بدوں کسی زحمت کے پاس کر سکتا ہے اگر
 بھی لوگ فیل مچتے ہیں۔ مذہب کا کچھ ایسا خواص ہے کہ جتنا چھانو و تناسلی کر کر اچل جوں نتھارو توں تول گدلا
 اور اسی واسطے حدیث شریف میں آیا ہے کہ دین کا اور بڑھیبو کل کوڑکے کے بقچی پکال یعنی بوڑھی عورتیں اور مکتب کے
 مبتدی بچے دل کے بھولے اور طبیعت کے صاف ہوتے ہیں جس طرح کورا کپڑا رنگ کو خوب پکڑتا ہے جھوٹے لٹل
 اور صاف طبیعتیں دین کی باتوں کو جلد قبول کرتی ہیں۔ اور اللہ جل جلالہ کہتا ہے تو اس کی بھی یہی وجہ ہے کہ
 بہت سیان پت بھی آدمی کو گمراہ کر دیتی ہے۔ غرض سید صادق پر دین کے عتبہ بار سے کچھ وقت اسی طرح کاگزرا
 جیسے بنی اسرائیل چالیس برس جنگل میں بھٹکتے پڑے پھر بہتیری انگلیں دوڑاتے اور ہر روز صبح سے شام تک
 چلتے آخر کار ہر چہرہ کو وہیں اکھٹے کر دیتے جہاں سے چلے تھے۔ مگر تھا کیا کہ طلب تھی صحیح اور تلاش تھی سچی اس
 سوچ میں اس کا یہ حال ہو گیا تھا جیسے کوئی مہموت۔ دیکھتا ہے اور نظر نہیں آتا۔ سنتا ہے اور سمجھتا نہیں بہتیری
 کوشش کرتا کہ یہ خیال دل سے دور ہو مگر سوتے جاگتے ہم وقت یہی تصویر پیش نظر تھا کسی چیز میں طبیعت نہیں
 لگتی کسی بات سے جی نہیں بہتا۔ کتاب لیکر بٹھکا ہر چند طبیعت پر زور دیتا ہے مگر طلب علم نہیں ہوتا۔ لوگ باتیں
 کر رہے ہیں اس کو خبر نہیں کہ کیا کہہ رہے ہیں۔ یہاں تک کہ اس کے رستہ ضروری میں خلل پڑنے لگا اور چندے اس کے
 خوف رکا کہ کہیں ایسا نہ ہو مجھ کو جنوں ہو جائے اور سارا پڑھا لکھا غارتہ ہو۔ نیند تو اس کی مدتوں سے اچھی ہوئی
 سی تھی ہی ایک رات آخر شب اسی خیال میں پڑا کروٹیں بدل رہا تھا کہ اس نے بیقرار ہو کر دعا کی کہ اے خدا اگر
 واقع میں تو خدا ہے جیسا کہ تمام اہل مذہب تجھ کو مانتے ہیں تو مجھ کو اس رستہ حیرت سے نکال اور حق بات میرے

صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہائیہ نکال کھڑی کی جو چاروں طرف سے اُن پر فرض نہ تھی۔ رہا تہ سے اُن کی غرض خدا کی رضا جو کی تھی اور بس تو ان سے اسکا نباہ لیا
 کہ چاہے تھا نہ ہو سکا۔ پس جو ان میں ایمان دار لے گئے ان کو اجر ملے اور ان کو توبہ کا راس ۱۳۱۱ھ علم ہوا سے خود پر ابھری ۵۵ سے ۱۶

دل میں ڈال رہا بھی پورے لفظ بھی اسکے ٹونڈ سے نہیں نکلتے تھے کہ برابر کے پٹنگ سے صادق نے آواز دی
کیا تم جاگتے ہو۔

صادق۔ میں جاگتا ہوں کیوں خبیث۔

صادق۔ میں نے ابھی ایک بڑا سا مطالبہ کیا ہے۔ جیسے تم کسی قیمتی کپڑے کی ایک نہایت نفیس شیروانی
پہنے ہو ایسی کہ میں نے آج تک ایسا سفید کپڑا دیکھا نہیں۔ جا بجا اس پر سیاہی گری ہوئی ہے اور تم داغوں کے
چھڑنے کی فکر میں ہو اور تم کو ایک طرح کا رنچ اور رنچ کے ساتھ نا اُمید ہی بھی ہے کہ ہاتھ کیسی عمدہ شیروانی تھی
اب اس کو بچھ کیا چھوٹیں گے۔ تم نے بہتیرے جتن کیے اور جس نے جو تدبیر تائی آزمائی دیکھتے پھیلنے اور
پہلے سے زیادہ بڑھا ہوتے گئے۔ یہاں تک کہ تم نے انا للہ وانا الیہ راجعون کہہ کر چاہا کہ شیروانی کو انا بھینک لوں
اسنے میں تو ایک بزرگ نے مجھ سے کہا کہ یہ دیکھتے مٹی سے چھوٹیں گے۔ مجھ کو اس طریقہ معاموم ہے میں تمہارے
ہی ہاتھوں اس کو صاف کر دوں گا اور شیروانی حدیصل میں تھی ایسی ہی نکل آئے گی گھبراؤ نہیں۔ اس کے بعد
تو سوتے ہی میں خود بخود خواب کی تہ سیڑھی سمجھ میں آئی کہ شیروانی تمہارا دل ہو اور سیاہی کے دھبے تمہارے
منہ ہی شکوک ہیں اور مٹی سے مراد ہے خاک ساری۔ پھر کیا دیکھتی ہوں کہ جیسے تم میں اور ان بزرگ میں اسی طرح کی ہڈیا
بحث ہونے لگی جیسی تم لوگوں سے کیا کرتے ہو جوں جوں بحث ہوتی جاتی ہے شیروانی کے دھبے ہیں کہ
ٹٹے اور کم ہوتے چلتے جلتے ہیں یہاں تک کہ سب داغ دور ہو کر شیروانی اچھی خاصی اُجلی نکل آئی گویا اس پر سیاہی
گری ہی نہ تھی اور تم اس کو پہن کر بہت ہی خوش ہوئے ہو اور کہتے ہو کہ بس اب میں اسی کو پہنے رہوں گا اور جو بچھا
ہے شیروانی کی تعریف کرتا ہے کہ سجان اللہ کیا کپڑا ہے اور دھوپ سے کیسا اچھا دھویا ہے۔ وہ بحث جو تم میں
اور ان بزرگ میں ہوئی مجھ کو لفظ بلفظ یاد ہے اور میرا قاعدہ ہے کہ چاہوں سمجھوں نہیں مگر خواب کی بات مجھ کو
بھولا نہیں کرتی۔ وہ بحث اتنی لمبی ہے کہ اسے بیان کرنے بیٹھوں تو کسی دن میں ختم ہو مگر خواب میں تو یہ باطل
ہماں تک میں خیال کرتی ہوں شروع سے آخر تک ادھ گھٹنے میں طے ہو ہو گیا تھا۔

صادق تو نہ ہر کے ساتھ ہیں بے چین تھا ہی سُننے کے ساتھ اُٹھ بیٹھا اور چاہا کہ اسی وقت سے اپنا زنگ لگ
چلے اس پر صادق بولی کہ صبح صادق ہو چکی ہو میں نماز پڑھ لوں تم بھی اپنی ضرورتوں سے فارغ ہو لو پھر طہستان سے

باتیں کریں اور یہ جھگڑے ایک دن کے تو نہیں ہیں جتنی باتیں میں نے خواب میں دیکھی ہیں کئی مقتول ہیں جگر
 طے ہوں تو ہوں۔ صادق نے اپنی معمولی نماز پڑھی قرآن کی تلاوت کی اور خانہ داری کے متعلق جو کچھ کہنا سُننا تھا
 کہا سنا اور یہ صادق ہیں کہ پہلے سے اگر مجھے بیٹھے ہیں۔ ہاں جب صادق سب باتوں سے فراغت پا چکی تو صادق
 سے مخاطب ہو کر بولی کہ خدا کے ہزاروں لاکھوں بھیا ہیں جن میں آدمی کی عقل کچھ کام نہیں کرتی۔ اُن میں سے
 ایک بھید خواہجے اور خاص کر میرا خواب کہ میں بچپن سے خواب بکھیتی ہوں جیسا کہ سب بکھتے ہیں یہ
 خوابوں میں تین باتیں بٹے اچھنے کی ہیں۔ ایک تو میں نے آج تک جھوٹا خواب نہیں دیکھا۔ آگے کی خبر نہیں
 دوسرے تو خواب دیکھا اکثر تو خواب ہی میں اُس کی تعبیر بھی دکھائی دے گئی اور خواب میں نہ دکھائی دی تو جگہ
 ہی سمجھ میں آگئی اور وہ اب تک غلط نہیں نکلی۔ آگے کی خبر نہیں۔ عرض مجھ کو اب تک کسی سے تعبیر نہ چھنے کی
 ضرورت نہیں پڑی۔ آگے کی خبر نہیں۔ تیسرے یوں سیکڑوں باتیں بکھیتی ہوں سنتی ہوں اور بھول بھی جاتی
 ہوں مگر خواب کی ایک بات بھی آج تک بچھو نہیں بھولی۔ آگے کی خبر نہیں۔ نہ صرف میں اپنے خوابوں کے
 معاملے میں حیران ہوں بلکہ جو سنتا ہے حیران ہوتا ہے۔ بعض خیال کئے ہیں کہ اس کے سر پر کچھ جو حال آں کہ
 خوابوں کے سوا میں کوئی بات اپنے میں نہیں پاتی۔ اور تم نے بھی کوئی بات نہیں پائی ہوگی اور ان شاء اللہ
 پاؤ گے بھی نہیں ہیں نے ہر چند چاہا کہ مجھے خواب نہ دکھائی دیا کریں بلکہ دعا بھی کی مگر خدا جلے کیا مصلحت ہو کہ
 خواب آئے بدون نہیں رہتے۔ بعض ان خوابوں کی وجہ سے جھکوڑی مقدس سمجھتے ہیں اور جہانک میں خیال کرتی رہا
 میں ایک معمولی طور کی عورت ہوں۔ ماں نماز روزہ جیسا کچھ بن پڑتا ہے کرتی رہتی ہوں اور میں بہتیری عورتوں کی جانی
 ہوں جو نماز روزے میں مجھے کہیں بڑھ کر میں مگر خدا جلے کیا بات تھی کہ بچپن سے مجھ کو جھوٹ سے بڑھ چھ
 لوگوں کو بُرا کہنے سے بچنے سے لڑائی جھگڑے سے عرض کسی کو کسی طرح ستانے ایذا پہنچانے سے ولی نفرت کی
 سیری اتنی عمر پہنچنے آئی میں نہیں سمجھتی کہ میں نے کسی کو ناراض کیا یا کسی کا دل دکھایا ہو۔ میں سچ کہتی ہوں کہ
 میں خدا سے زیادہ اُس کے بندوں سے ڈرتی رہی اس واسطے کہ میں جانتی تھی کہ خدا بڑے نیازدار و غفور رحیم ہے
 اگر میں اس کا کوئی قصور کروں گی تو اُس سے معافی کی امید ہے۔ بندے محتاج اور اسی سبب دل کے تنگ
 ہیں اگر ان کا کوئی حق میری گردن پر رہ گیا تو مجھے اس کا بدلہ نہیں لینا چاہئے گا۔ ماں باپ بھائی بہن پرستہ و اتر پاس

پڑوس جان پہچان میں آپ رکنتی ہوں ان میں سے کسی کو میرا شکی نہیں پاؤ گے کیونکہ میں سب کو ضامنہ رکھنے کی کوشش میں لگی رہی ہوں۔ جب شادی بیاہ کا چرچا ہوا میں نے اچھی طرح جی میں ٹھان لیا کہ جس طرح ہو سکے تم کو راضی رکھنا اور بے تنہائی مرضی کے نیکانہ ٹوڑنا۔ بار بار مجھ کو شبہ ہوا کہ میں جو بندوں کے حقوق کو خد کے حقوق پر مقدم رکھتی ہوں میری یہ بات کہیں خدا کو بُری نہ لگے بارے رات جو میں نے خواب دیکھا اور جو میں اب تم سے بیان کرنا چاہتی ہوں اُس سے دل کو پوری تسکین ہو گئی اور اب میں نے سمجھا کہ یہی اصل دین داری تھی میں اُس پروردگار کے صدقے جاؤں جس نے اپنے فضل سے مجھ کو اس کی سمجھ دی۔ اب میرا خواب نہا چاہو تو اسکے دورستے ہیں ایک تو یہ کہ جیسی جیسی باتیں تم میں اور ان بزرگوں میں ہوئی ہیں میں اُن کو قلم بند کر دوں یا میں بولتی جاؤں اور تم لکھتے جاؤ۔ یا میں تمہارا پہلا سوال لکھ کر تمہارے حوالے کیے دیتی ہوں تم اس کو دیکھنا مت جب میں بیان کر دوں تو میرے لکھے ہوئے سے ملا لینا اگر سطا بق پاؤ تو جاننا کہ سارا خواب سچا ہے اور جو کچھ میں کہتی ہوں اُن بزرگ سے سُنی ہوئی کہتی ہوں۔

صادق سارا خواب لکھنے میں تو بڑی دیر لگے گی مجھے اتنا صبر نہیں ہو سکتا۔ اور پہلا سوال لکھنے کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ تمہاری نسبت یہ ایسا شبہ نہیں ہو سکتا کہ تم اپنے دل سے بنا کر ایک بات بیان کرو گی اور جھوٹ موٹ لکھ دو گی کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے اور اس بحث میں بہت سی باتیں ایسی بھی ہوں گی جو میں جانتا ہوں کہ تمہاری سمجھ سے باہر ہیں پس سطا بق جواب کے تمہارے خواب کی تصدیق ہو جائے گی۔

صادق لیکن یہ چاہو کہ میں اور باتوں کی طرح خواب کو دو ہزاروں تو مجھے نہیں ہو سکے گا۔ چھوٹے چھوٹے خواب تو خیر بال بڑے خواب چمکے بیان کرنے میں وہی لفظ نقل کرنے پڑتے ہیں جو میں نے خواب میں سنے تھے ذرا شکل سے ادا ہوتے ہیں میرے دل پر ایک طرح کا بوجھ پڑتا ہے جس کی کیفیت میں بیان نہیں کر سکتی۔ اتنا بڑا نہیں مگر اسی طرح کا ایک خواب میں اپنے ماموں کے لیے دیکھ چکی ہوں اُن کا امتحان ہونے والا تھا اور بہت پریشان تھے۔ مجھ کو خواب میں پہلے سے سوالات معلوم ہو گئے اور میں نے اُن کو وقت سے پہلے لکھ کر بھیج بھی دیئے تو بڑی مشکل سے لکھے گئے تھے۔ پس مجھے زبانی بھی کہلو گے تو کوئی دن لگیں گے اور میں گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے سے زیادہ اس داعی بوجھ کی برداشت نہیں کر سکیں گی۔

صادق۔ یہ ہے تو زبانی بیان کرنے سے لکھنا ہی بہتر ہوگا کہ خواب کی تحریر ہی یادداشت بھی رہے گی
صادقہ۔ ہاں میں بھی لکھنے ہی کو زیادہ پسند کرتی ہوں تم سے پیاس بیٹھے رہو اور میں تمہاری روبرو لکھتی جاؤں
 تم ہاتھ کے ساتھ دیکھتے جانا۔ میرا لکھنا بیان کی جگہ ہوگا اور تمہارا دیکھنا سننے کی جگہ۔

صادق۔ یہ ٹھیک ہے۔ اور اس کو سوال و جواب کے طور پر لکھو۔ یعنی جو کچھ میں نے کہا ہو سوال اور جو
 اُن نے فرمایا ہو جواب۔

اس کے بعد صادقہ نے اپنا خواب قلمبند کرنا شروع کیا۔ وہ پہلے تھوڑی دیر کے لئے آنکھیں بند کر کے بعض
 اوقات مانتے پر ہاتھ رکھ کر یاد کرتی اور پھر اُس کو لکھتی۔

چودھویں فصل صادقہ کا مذہبی محراب اور اس کی حدیث اور صفا کا عقلی ثبوت

سوال۔ پہلے جب کو اس سے تو مطمئن کیجئے کہ خدا ہے۔

جواب۔ طہینان کی طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک طہینان تو آدمی کو اپنی آنکھوں کے دیکھے کا ہوتا ہے ایک
 طہینان دوسرے کے کا ہوتا ہے ایک طہینان عقلی گواہی کا ہوتا ہے کہ دیکھا نہیں سنا نہیں مگر دل پر کہ آپ
 ہی آپ تسلیم کر لیتا ہے کہ ہاں یہ بات اسی طرح پر ہے۔ لوگ عید کے چاند میں اختلاف کرتے ہیں کہ ہوا یا نہیں
 تو اس صورت میں طہینان کے دوزدیعے ہو سکتے ہیں یا تو یہ کہ مطلع صاف ہو اور ہم اپنی آنکھ سے واضح طور
 پر چاند دیکھ لیں یا ہم آپ نہ دیکھیں تو معتبر آدمی جنھوں نے واضح طور پر چاند دیکھا ہے گواہی دیں۔ یا مثلاً
 دنیا میں ہزاروں شہر ہیں جن کے دیکھنے کا ہم کو اتفاق نہیں ہوا مگر تاریخ اور جغرافیہ کی کتابوں میں ان کا
 بیان نقشوں میں ان کا نام اور موقع لکھا ہوا موجود ہے اور بہت سے آدمی ان میں ہو چکی آئے ہیں تو ہم کو
 طہینان ہو کہ ہاں یہ شہر اپنی جگہ روئے زمین پر ہیں۔ تو اس طرح کا طہینان خدا کے بارے میں نہ کسی کو ہوا
 اور نہ کسی کو ہو۔ لیکن طہینان کا تیسرا ذریعہ یعنی عقلی گواہی ابھی باقی ہے اور کمرشہ صورتوں میں اس سے بھی
 ویسا ہی طہینان ہو جاتا ہے اور ہونا چاہئے جیسا آنکھوں نے دیکھے سے مثلاً ایک گھڑی ہمارے سامنے پیش کی
 جائے تو اکثر ہم خیال نہیں کرتے لیکن کریں تو اس سے انکار بھی نہیں ہو سکتا کہ یہ آپ نہیں بن سکتی

بلکہ کسی کے بنائے سے بنی ہے۔ یہی بات کہیں ہمارے خیال میں نہیں کہ کوئی چیز بے بنائے نہیں
 اسکی سیدھا سا جواب کہ خدا نے ہمارے دل ایسے ہی بنائے ہیں۔ جیسے آنکھ رنگ کو ڈول کو نزدیک
 دور کو ناک بو کو۔ زبان منے کو کان آواز کو۔ جلد بدن سرد گرم کو سخت و نرم کو بھاتی ویسے ہی عقل چیز
 بنانے والے کو پہچانتی نہیں ہو سکتا کہ آنکھ صحیح و سلاست ہو اور آدمی چیزوں کا رنگ روپ نہ پہچانے۔ اسی طرح
 ممکن نہیں کہ انسان معمولی عقل بھی رکھے اور اس کا مقرر نہ ہو کہ دنیا کے کارخانے کا کوئی نہ کوئی بنانے والا ہو جس
 خدا رکھتے ہیں۔ ہمارے ظاہری عاقل ایک حد تک کام دیتے ہیں اور اس حد سے بڑھ کر معطل رہا۔ آنکھ سیکڑوں کو
 کی چیز نہیں دیکھتی مکان سیکڑوں کو اس کی آواز نہیں سنتے۔ بعض عقل کے کام دینے کی بھی ایک حد ہے۔ ہم دنیا
 کا رخانے کو دیکھ کر عقل کے ذریعے سے اتنا جانتے ہیں کہ اس کا کوئی بنانے والا ہے اور ایک ہے۔ عیب سے پاک
 نقصان سے منزہ۔ قادر ہے عظیم ہے حکیم ہے رحیم ہے یعنی جتنی عمدہ سے عمدہ صفات خیال میں آسکتی ہیں وہ
 ان سے متصف ہے۔ کیونکہ ان سب باتوں کا پتہ ہم کو اسی دنیا کے کارخانے سے ملتا ہے۔ مثلاً اگر کئی خدا ہوں
 تو ایسی تو کیا بات ہے کہ ان میں کبھی خست اف ہو ہی نہیں اور اختلاف ہوا تو لڑائی بھڑائی ضرور ہے کہ ایک بار
 اور ایک جیتے تو ہمارا وہ بچا رہے خدائی سے مغرور۔ بندوں کی لڑائی نے دنیا کا کیا حال کر رکھا ہے اگر کئی خدا
 ہوں اور آپس میں لڑنے لگیں تو ان کی ٹکڑوں کو کون سمجھائے۔ مغرض دنیا کے کارخانے کا نظام دلائے کر رہا ہے
 کہ یہ ایک ارادی و محکوم ہے اور یہی حال ہر خدا کی کل صفات کا۔ اس عقل کے ذریعے سے ہم اتنا پہچانتے ہیں کہ خدا
 ہونا چاہیے اور ایسا ہونا چاہیے اور وہ ہے اور ایسا ہی ہے۔ اتنی ہی معرفت انسان کو ہے اور اتنی ہی ہو سکتی
 ہے اور اتنی ہی اس سے طلب کی جاتی ہے۔ انسان اس سے آگے قدم رکھنا چاہے تو وہ اس راوے پر
 اس سے زیادہ کامیاب نہیں ہو گا جیسے وہ آنکھ سے پسینہ یوں دیکھنا چاہے یا سیکڑوں کی چیز کے مدد و رہبر
 دیکھنا چاہے۔ پہلی اور مکروہ غلطی جو انسان سے ہوتی ہے یہ ہے کہ وہ یا تو عقل سے بالکل کام لینا نہیں چاہتا
 یا چاہتا ہے تو اس کی بساط سے بڑھ کر کام لینا چاہتا ہے۔

سوال۔ تو کیا سارے آدمی جو خدا کے قائل ہیں ایک ہی درجے کی معرفت رکھتے ہیں۔

جواب۔ بے شک۔ مگر یقین یقین میں فرق ہو۔ اب سمجھو کہ شاموت ہی ایک چیز کو کہ اس بڑھ کر کوئی دوسری

یقینی چیز نہیں سکتی لیکن لوگوں کا کیا حال ہے کہ اس تصور کو ذہن میں آنے ہی نہیں دیتے اور آنے دیتے تو دنیا کا یہ رنگ نہ ہوتا پس موت کے یقین کے معنی یہ ہیں کہ اُس سے انکار نہیں ہو سکتا۔ پھر بھی سب آدمیوں کا حال یکساں نہیں ہے۔ بعض شاید دن رات میں ایک لمحے کے لیے بھی موت کا خیال نہیں کرتے اور بعض کا شاید کوئی سنٹ موت کے خیال سے خالی نہ ہو۔ خلیفہ عمر بن عبد العزیز کے حال میں لکھا ہے کہ انھوں نے گھر میں ایک سرداب کھدوا رکھا تھا سلطنت کے مشاغل سے فارغ ہو کر بالاتزام ہر روز کچھ دیر کے لیے موت کا خیال تازہ رکھنے کی غرض سے سردابے میں جا کر لیٹتے۔ زیارتہ قبور کی بھی اصل غرض ہی ہے کہ قبروں کو دیکھ کر آدمی موت کو یاد کرے اور سمجھے کہ ایک نہ ایک بن میری بھی یہی نوبت ہونی ہے۔ لیکن آدمی ایسا بے جا ہے کہ عورت کی جگہ بزرگوں کے مزاروں پر سیلوں کے جگٹھے ہوتے یا خدا سے حق و قیوم کی عوض عاجز مردوں کی سترش کی جاتی۔ قبریں تو قبریں ہیں تو لوگوں کے جنازے کے ساتھ دیکھا ہے کہ کچھ تو سچ میں ہیں اس مسئلے کی نسبت مہلے سے کچھ غرضیں فوت ہوتی ہیں کچھ تقسیم ترکہ اور مراسم غمی کی سوچ میں ہیں کچھ الٹا ہٹا مارنے کے لیے ساتھ ہو لے ہیں کہ کل کلام کو کوئی یہ نہ کہہ بیٹھے کہ اتنا قریب کا رشتہ ایسی محبت ملاقات چار قدم میت کو کندھا لگاتے یا مٹی دیتے نہ بن پڑا کیا مضائقہ جینا مرنا سبھی کے ساتھ ہے میت کے ساتھ بھیڑ بھڑکاؤ تو ہتیرا کچھ ہے مگر دلوں کو ٹٹولو تو کسی ایک کو بھی اس کا خیال نہیں کہ یہ ہوا تو کیا ہوا کہ ہم ہی جیسا ایک آدمی سب کچھ تھا یا ایک بچونک نکل گئی تو کچھ نہ تھا اور یہی منزل ہم سب کو درپیش ہی نہیں معلوم کس وقت بلاوا آئے اور یہ سارا ڈھوڑا دھرا کا دھرا رہ جائے۔ بعینہ یہی حال ہے خدا کی معرفتہ کا کہ اُس سے انکار تو نہیں ہو سکتا کیونکہ انسان کی بناوٹ ہی اس قسم کی واقع ہوئی کہ خدا کو ماننے بدون اُس کو چارہ ہی نہیں مگر بعض تو ایسا ماننا مانتے ہیں کہ گویا خدا کو آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں اور بعض اس حد سے نہیں بڑھتے کہ انکار کرتے نہیں بن پڑتا اور ان کو خدا کے درمیان بے شمار مراح ہیں کوئی ہمہ وقت مستغرق کوئی اس سے کم کوئی اس کم یہاں تک کہ کوئی بالکل غرض سوال خدا کے ماننے سے اُس کا نہ ماننا زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے جب ہم کو ایسا خدا ماننا چاہے جو آپ سے آپ موجود ہو گیا ہے تو کیوں نہ ہم دنیا ہی کو مان لیں کہ وہ آپ کے آپ موجود ہو گئی ہے۔

جواب۔ یہ اعترض ہے انسان کے دل کی بناوٹ پر کہ کیوں دنیا کے آپ کے آپ موجود ہو جائے کہ قیوم

نہیں کرتا اور کیوں خدا کے ماننے سے اس کی تسکین ہو جاتی ہے۔

سوال۔ تو معلوم ہوتا ہے کوئی فرد بشر خدا سے منکر نہیں اور منکر ہو نہیں سکتا پھر شرک اور بت پرست اور دھرم پرستی کیا ہیں۔

جواب۔ بے شک جس طرح کوئی آدمی جانور نہیں ہو سکتا اور خت نہیں ہو سکتا پھر نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح کوئی آدمی خدا سے منکر بھی نہیں ہو سکتا۔ آدمی ہونا اور خدا کا قائل ہونا لازم و ملزوم ہیں جب تک آدمی کوئی ہے وہ خدا کا بھی ضرور قائل ہے۔ ایسا ہو نہیں سکتا کہ آدمی ہو اور خدا کا قائل نہ ہو۔ تم مشرکوں کو منکر خدا سمجھتے ہو۔ ہم لوگ تو ایک ہی خدا کو مانتے ہیں اور شرک کسی خدا کے قائل ہیں تو ان کو منکر خدا کیونکر کہا جاسکتا ہے بات یہ ہے کہ لوگ خدا کا مصداق قرار دینے میں اور اس کی صفات میں غلطیاں کرتے ہیں۔ چاہیے خدا سمجھنا کسی کو اور سمجھ لیتے ہیں کسی کو چاہیے سمجھنا کیسا اور سمجھ لیتے ہیں کیسا اور اسی وجہ سے وہ منکر خدا سمجھ جاتے ہیں۔ اور ایک عتبہ بار سے الزام ہے بھی وہی۔

سوال۔ آپ کو معلوم نہیں ہزاروں آدمی ہیں جو سر سے خدا ہی کے قائل نہیں۔

جواب۔ مجھ کو معلوم نہ ہو مگر جتنے لوگوں کو منکر خدا خیال کیا جاتا ہے ان میں سو ہیچے ایک ہی شکل سے منکر خدا نکلے گا ان میں بہت سے ایسے لوگوں کو گن لیا جاتا ہے جو سر سے اس طرف توجہ ہی نہیں کرتے وہ کھاتے پیتے سو رہتے اور جانوروں کی طرح اپنی زندگی کے دن تیر کر دیتے ہیں۔ ان میں بہت سے ایسے لوگوں کو گن لیا جاتا ہے جو اس سبب کہ انھوں نے اچھی طرح غور نہیں کیا خدا کے بارے میں طرح طرح کی غلطیاں کیں ہیں۔ اور بڑی بات یہ ہے کہ لوگ خدا کے علم کی وجہ سے بھی اگر اپن اور سرکشی کرتے ہیں یعنی اگر کوئی شخص معاذ اللہ منکر خدا ہو یا اس کی جناب میں گستاخی کرے یا اس کا حکم نہ مانے تو دنیا میں اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا نہ اس پر جبری گرتی نہ وہ ہضم کیے قرآنہ اس کے گھر میں آگ لگتی اس سے کوئی مخالفت واقع ہوتا ہو اور کوئی کوئی نالائق خدا کے ساتھ کھیل کر لے لگتے ہیں لیکن یہ ان کا خلع نفس ہے جب ان پر کوئی مصیبت نازل ہوتی تو خدا کے ایسے گھر گر ٹرنے لگتے اور اصلی فطرۃ کھل پڑتی ہے۔ فرعون پر کیا گزری تھی کہ وہ دنیاوی خوش حالی کے غم سے نہیں اگر موسیٰ علیہ السلام کی خدمت سے اپنے ہی تئیں خدا کا تبارک و تعالیٰ گناہ دوسرے اور اپنی دماغی اس پر ثابت ہو

تو چاروں چار اس کو خدا کا استر کر کرنا پڑا۔ اور بول اٹھا امنت اللہ لا الہ الا اللہ ہی امنت بہ بنو اسرائیل وانا من المسلمین اور ایک فرعون پر کیا موقوف ہے بہر شخص سچا ہے خود فرعون ہے اگر سوچے اور سمجھے۔ چنانچہ انسان کی طبیعت کو خدا سے بہتر کون جان سکتا ہے۔ تصنیف و تصنیف نیکو کنذریاں۔ وہ انسان کے بار میں فرماتا ہے اور یہی مضمون دوسرے دوسرے لفظوں میں کہی جگہ قرآن میں آیا ہے۔ حتیٰ اذ الکنز فی العنکاء وجرین بہم بریح طیبہ و فرجوا بھا جاء تھاریم عاصف و جاء ہم الموج من کل مکان وظنوا انہم احیط بہم دعوا اللہ مخلصین لہ الدین لکن ابغیتنا من ہذا لئلا یكون من الشاکرین فلما ابغاہم اذ اہم بیغضون فی الاضر بغیر الحق یا ایہا الناس انما بنیکم علی انفسکم متاع الحیوۃ الدنیا ثم الینا من بعدکم فنبشکم و ما کنتم تصبہون سنتے ہیں کہ جو مجرم بڑے چالاک اور سیانے ہوتے ہیں ان کو شراب پلا دیتے ہیں کہ عقل فساد پرستان کا اختیار اٹھ جائے اور وہ نشے کی حالت میں سارا کچا حال نظر آ رہا کر دیتے ہیں تو جو شخص خدا سے انکار کرنے کا مجرم ہو اس کی شراب بھینٹ دیتے کہ جب بھینٹ پڑے گی اور اس کو اپنا عجز معلوم ہوگا ممکن نہیں کہ وہ اقرار کرنے لگے۔ اور یہ شراب کسی کو زندگی میں نہ پلائی گئی تو مرتے وقت ضرور پلائی جائے گی و جہنم تسکرات الموت بالحق تو ایسا انکار کیا سند ہو سکتا ہے۔ مصیبت پڑے اور خدا یاد نہ آئے تو جائیں۔ اور یہی تو حکمت ہے کہ بزرگان دین نے تکلیف اور ایذا اور تنگدستی میں بہنے کو پسند کیا ہے کہ اس سے بہتر کوئی تازیانہ غفلت ہو نہیں سکتا آدمی ہو اور خدا سے منکر ہو ایسا ہے جیسے پتھر ہو اور اوپر سے گرا یا جائے اور زمین پر نہ گرے۔

سوال۔ اگر آدمی منکر خدا ہو نہیں سکتا تو پھر شرک اور بت پرستی پر اتنا شور و شب کیوں اور اس غیظ و غضب کس لئے۔

جواب۔ بس یہی بی اے پاس کیا ہے۔ یہ لکھ کہ صادقہ جھینپی بکر سید صادق نے کہا میں جانتا ہوں

۱۔ ایک بھی یقین ہو گیا کہ جس خدا پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں وہی خدا ہے اور اب میں بھی اسی کو مانتا ہوں اور اس میں شک نہ ہے کہ تم نادیں ہوئے ہو اور وہ لوگوں کو باد موائی کے ساتھ لے کر روانہ ہوئی ہیں۔ اور لوگ خوش ہوئے ہیں۔ چنانچہ ہر ایک ایک جھوٹا آسمان اور ہر طرف سے لہریں آئے گئی ہیں اور خیال ہوتا ہے کہ اب تو گھر گئے تو خدا سے بڑے خلوص کے ساتھ دعا میں مانگتے گئے ہیں کہ اگر بھلا ہو تو ہم تیرا احسان مانیں۔ پھر جب خدا ان کو نجات دے دیتا ہے تو خشکی میں پہنچ کر ناحق نادر و نادرہ کرنے لگتے ہیں۔ کو کو بہ نادر و نادرہ جی حق میں غصہ ہے۔ دنیا کی زندگی میں اس سے فائدہ اٹھاؤ پھر آخرت کو ہم کو ہمارے پاس لوٹ کر آئیے اس وقت ہم تم کو تباہ کر کے کہ تم دنیا میں کیا کرتوت کرتے رہے ہو ۱۲

کہ تیم نہیں کہہ ہیں بلکہ دوسرے کے کہنے کی نقل کر رہی ہو بے شک تامل وہی لفظ لکھو جو ان کے سب سے نکلے اور جب ہیں برسر غلط ہوں تو ان بزرگ کو یہ اور اس سے زیادہ کہنے کا حق ہے تو صادقہ فری کی فری اگر لکھ چلی میں کہہ چکا ہوں کہ میں بت پرستوں اور مشرکوں کو منکر خدا نہیں سمجھتا۔ اس عقیدے کے لوگ خدا کو تو مانتے ہیں مگر خدائی کے مصداق کی تعین میں غلطی کرتے ہیں۔

سوال۔ اچھا پھر اس میں خدا کا کیا حرج ہے

جواب۔ خدا کا تو ذوالی کچھ بھی حرج نہیں اگر ساری دنیا اس سے منحرف ہو بیٹھے اور اس کی خدائی کی قائل نہ تو بھی وہ خدا ہے اور تو بھی وہ دنیا جہان کا خالق ہے۔ اور تو بھی وہ دنیا جہان کا پروردگار ہے اور تو بھی وہ علیم ہے اور تو بھی وہ قادر ہے مثلاً روز روشن میں آفتاب پڑا چمک رہا ہے اگر ساری دنیا آفتاب کے آنکھیں موند لے اور کہے کہ آفتاب نہیں اور یہ روشنی آپ آپ ہو رہی ہے یا آفتاب کے سوا کسی اور چیز کی ہے تاہم آفتاب آفتاب ہے مگر اہم جو چیز بناتے ہیں ہر ایک چیز کی کوئی نہ کوئی غرض وغایت ہوتی ہے مکان بناتے ہیں بنے کے لیے کپڑا بناتے ہیں ستر عورت اور سردی گرمی سے بچنے کے لیے۔ اسی طرح خدا نے جو ہزاروں لاکھوں قسم کی مخلوقات دنیا میں پیدا کی ہر ایک مخلوق کو سکھایا کرنے کی کوئی غرض وغایت ضرور ہے بعض مخلوقات کی مطلق غرض کو انسان سمجھتا بھی ہے اور اکثر کو نہیں سمجھتا شاید آگے کو سمجھے یا نہ سمجھے اور دنیا جو ترقی کر رہی ہے نئے نئے علوم ایجاد ہوتے چلے جا رہے ہیں نئے نئے فنون نئی نئی کلیں نئی نئی صنعتیں اسکے معنی بھی یہی ہیں کہ آدمی مخلوقات عالم کی اغراض غایات سے واقفیت پیدا کرنا چلا جا رہا ہے معلوم نہیں خدا کو کس حد تک انسان کا واقف کرنا منظور ہے۔ انسان نے سٹیم (بھاپ) اور الیکٹرٹی (قوت برقی) اور چیزوں کے کیمیائی خواص اور کیا اور کیا معلوم کر کر کے اپنے کتنے کام کھلے ہیں۔ اور کیا سب آدمی ہم مسلمانوں کی طرح جاہل اور بے نصیب ہیں اہل یورپ کے دیکھو کہ ہکمو ان کے مقابلے میں اپنے تئیں جانور کہتے ہوئے بھی شرم آتی ہے کیا کچھ کر گزرتے اور کیا کچھ کر رہا ہیں اور کیا کچھ آگے کو نہ کریں گے۔ تو خدا نے جو انسان کو ایک خاص طرح کا مخلوق بنایا ہے اس کو عقل دی اس عقل کی بھی غرض وغایت ہونی ضرور ہے اور وہ نہیں ہے مگر علم یعنی اپنے تئیں جاننا اور اپنے سولے اور چیزوں کو جاننا کیونکہ اگر وہ جانے گا نہیں دنیا میں اپنے اختیارات کیوں کر عمل میں لائے گا دنیا کی چیزوں میں تصرف کیسے

اشرف المخلوقات کس طرح بنے گا۔ خلافت الہی کا بار کس برتے پر اٹھائے گا۔ پس علم انسانی کی ایجاد یہ ہے کہ وہ اپنے
 تئیں جانے اور اپنے تئیں جاننا تو خدا کو جاننا من عرف نفسه فقد عرف ربه تو جس مصلحت سے خدا نے انسان کو
 پیدا کیا جس مصلحت سے اس کو عقل دی اُسی مصلحت سے خدا یہ بھی چاہتا ہے کہ انسان اپنے تئیں جانے اور اپنے تئیں جانے
 تو خدا کو جاننے کا پر جانے گا۔ اگر انسان کہے پیدا کرنے سے خدا کا کچھ حرج تھا تو انسان کے اپنے تئیں نہ جاننے یعنی
 خدا کو نہ جاننے سے بھی اس کا حرج ہو تو اس میں قبح کیا ہے۔ خدا کو جاننا شرط انانیت ہے اگر انسان نے اپنی
 موتی بات بھی نہ جانی کہ میں اپنے ارادے سے پیدا نہیں ہو گیا۔ اپنے ارادے سے زندہ نہیں ہوں اپنے
 ارادے سے مروگ نہیں میرے کئے سے دنیا چل نہیں رہی تو اس نے جانا ہی کیا اور وہ جانے ہی کا کیا
 یعنی خدا نے اس کو بنایا انسان اور اس نے بننا چاہا اور جانوروں میں سے گدھا اور گدھے سے بھی تیار
 غرض جس طرح خدا نے انسان کو انسان بنایا اس کو آنکھ دی کہ دیکھے کان دیئے کہ سنے ناک دی کہ سونگھے
 زبان دی کہ فرہ لے بولے اسی طرح خدا نے انسان کو عقل دی کہ اُس سے کام لے اور عقل کا پہلا کام ہے کہ
 خدا کو پہچانے۔ پس اگر خدا انسان سے چاہتا ہے کہ وہ اپنے خالق کو پہچانے تو وہ حقیقت میں اپنے حکم کی
 تعمیل چاہتا ہے کہ میں نے اس کو انسان بنایا ہے یہ انسان بنے۔ مسئلہ ہے ذرا نازک بہت غور کرنے
 سے ذہن نشین ہوتا ہے تین باتیں ہیں خدا کو نہ ماننا خدا سے غافل ہونا۔ خدا کے مصداق کی تعین میں غلطی
 کرنا میرے نزدیک پہلی قسم بحث سے خارج ہے یعنی ممکن نہیں کہ آدمی خدا کا قائل نہ ہو۔ جیسے ممکن نہیں کہ
 آنکھ صحیح و سالم ہو اور نہ دیکھے کان صحیح و سالم ہوں اور نہ سنے۔ ہاں دوسری قسمیں کثیر الوقوع ہیں یعنی لوگ
 اکثر خدا سے غافل ہیں اور مصداق خدائی کی تعین میں غلطی کرتے ہیں بلکہ مصداق خدائی کی تعین میں غلطی
 کرنا یہ بھی ایک طرح کی غفلت ہی ہے۔ ذرا بھی تامل کو کام میں لاؤ تو اس غلطی کی اصلاح ہو جاتی ہے اور دل
 بولنے لگتا ہے کہ یہ عناصر یہ اجرام فلکی یہ فرشتے یہ پیغمبر یہ بزرگان دین یہ قبریں یہ بیت یعنی خدا کے سوا
 جتنی چیزیں ہیں ان میں کسی کو خدا بننے کی صلاحیت نہیں۔ اس کو دین کہو تو فطرۃ اللہ کہو تو انسان کی خاص
 کی بناوٹ سمجھو تو بات ایک ہی ہے۔ وہ جو تنکے کی اوچھل پہاڑ بنا ہو بس وہی حال دین کا ہے لوگوں نے
 بات کا تنگ نظر بنا رکھا ہے۔ ہو ہونے کچھ بھی نہیں۔ اگر دو اور دو کا چار ماننا چار تسلیم کرنا چار سمجھنا انسان کے

کوئی تعریف کی بات ہو تو بے شک اس کا خدا کو ماننا خدا کو تسلیم کرنا خدا کو پہچاننا بھی تعریف کی بات ہونی چاہیے۔ خدا کو ماننا تسلیم کرنا پہچاننا تو تعریف کی بات نہیں بلکہ نہ ماننا نہ تسلیم کرنا نہ پہچاننا یعنی بدنامی کا اظہار ہے۔ الزام کی بات ہو۔ عرض آدمی ہنکے خدا تو نہیں سکتا مگر یہ کہ وہ دیوانہ اور سلسوبہ العقل ہو اور فریاد نہ در سلسوبہ العقل ہو تو وہ بیچارہ سمجھو ورنہ فرج القہر ہے۔ ہاں انسان سمجھتا ہے کہ اس میں غفلت ہو سکتی ہے خدا کی عبادت کی تعین میں غلطی ہو سکتی ہے اور ہو سکتی ہے کیا کثرت سے ہوتی ہے۔ اور اسی غفلت کے وسیعہ اور اسی غلطی کی اصلاح کیلئے پیغمبروں کے آنے کی ضرورت تھی اور وقتاً فوقتاً پیغمبر آتے رہتے۔

سوال۔ اگر یہی دین ہے تو کچھ بھی نہیں۔

جواب۔ دین ہی ہے اور یہی بہت کچھ ہے اور یہی سب کچھ ہے۔

سوال۔ ہر ملک و ہر زبان کے کتب خانوں میں بی بی کتابوں کے انبار کے انبار لگے پڑے ہیں تو آپ کے نزدیک یہ سب فصول ہے اور اختلاف دین نے جو دنیا میں ایک فساد برپا کر رکھا ہے کہ آدمی آدمی کو کھائے جاتا ہے یہ سب صل نفس ہو۔

صارفہ کا مذہبی خواب عقل انسان کی نارسائی

جواب۔ منو صاحب اس طرح کی پریشان گفت گو سے تو کچھ ہونا ہونا نہیں پہلے ہمارے آپ کے دیرینہ دو باتوں کا قرار دو ہو جائے۔ اول یہ کہ انسان کی عقل اور اس کے علم کو آپ محسوس سمجھتے ہیں یا نہیں۔

سوال۔ فلاں کی تصریح کیجئے۔

جواب۔ میرا مطلب یہ ہے کہ خدا نے جو انسان کو علم دیا ہے اور علم حاصل کرنے کے لئے اس کو عقل عطا فرمائی ہے یا نہیں بھی نہ سہی کہ خدا نے دیا ہے اور خدا نے عطا فرمائی ہے بلکہ انسان جو عقل رکھتا ہے کیا وہ اس وجہ کی قوت ہے کہ ہر ایک بات کی اور ہر ایک چیز کی کثرت کو دریافت کر سکتی ہے اور اس کا علم جامع اور شامل و مکمل ہو اور کوئی چیز کوئی واقعہ انسان کی عقل کی گرفت سے خارج نہیں۔

سوال۔ چونکہ زمانہ رفت و روز ترقی کرتا اور نئے نئے علوم نئے نئے فنون ایجاد ہوتے چلے جا رہے ہیں عقل انسان کے لئے کسی حد کا قرار دینا مشکل ہے۔

جواب۔ یہ تو عین دلیل عقل انسان کے قصور کی ہے اور کم سے کم یہ بات تو ثابت ہوتی ہے کہ کاخانہ قدرتہ الہی کے سرار کی کچھ انتہا نہیں اور باوجود اسے آفرینش سے انسان اس کی ٹوہ میں لگا ہے اور اُس نے کچھ کسی قدر دریافت بھی کیا ہے۔ لیکن خزانہ سرار کی محوری پر نظر کرتے گویا کچھ بھی دریافت نہیں کیا۔ سرسحاق نیوٹن نے (نیوٹن کے نام سے صادق ذرا چو کتا سا ہوا) بالکل ٹھیک کہا تھا کہ گو میں کوشش کا مسئلہ دریافت کیا جس نے سائنس کی کاپا پلٹ دی مگر کاخانہ قدرتہ کے آگے میری مثال سننا سمجھ سچے کی ہے جو سمندر کے کنارے بیٹھا ہوا سپہیاں سمیٹ رہا ہے اور اپنے جی میں خوش ہے کہ سمندر کی غرض غایتہ کو جیسا میں نے سمجھا کسی نے نہیں سمجھا اور جب ہزاروں برس کے سفر کے بعد ابھی منزل کی ابتدا ہے تو انجام معلوم دفتر تمام گشت و پیاں رسید عمر ماہمچناں دراول و صف تو ماندہ ایم انسان کا خانہ قدرتہ کے سرار تو کیا جانے گا وہ آتنا تو جان سکا ہی نہیں کہ خود اُس کی روح کیا چیز اور جسم سے کس طرح کا تعلق رکھتی ہے۔ یہ ہیں سنی و ما اذیتہ من العلو الا قلیل کے۔ اب سمجھے۔

سوال۔ سمجھا اور پوچھا۔

جواب۔ اس وقت مومن سے اقرار کر لیتے ہیں کہ سمندر میں جو اس کو اپنی جگہ خوب ہو چنا اور جب عقل انسانی کا محض و قصور راجحی طرح ذہن نشین ہو جائے گا تو دین کی ساری باتیں دل میں ٹھیتی چلی جائیں گی۔ دنیا میں بڑی گمراہی اسی عقل کی وجہ سے ہے۔ ہر بات میں انسان عقل کو دخل دیتا اور اس سے وہ کام لینا چاہتا ہوا کہ بڑے کا نہیں۔ میں بتاؤں دین کے لئے کتنی اور کیسی عقلیں رکھ رہے۔

سوال۔ وہ راہ نیکی اور پوچھ پوچھ۔

جواب۔ حدیث شریف میں دین الہی جان والکتاب کی روح آئی۔ بیٹے دین ہے بڑھپوں کا اور کتب کے پڑھنے والے بچوں کا جن کے دل سیٹھ سادے اور بھولے ہوتے ہیں۔ دین کے تخم کو ایسی ہی زمین درکار ہو بیج اودھڑا اور اودھڑوٹنا پھلنا شروع ہوا ہماری طرح نہیں بات بات میں شک بات بات میں بین سیکہ بات بات میں اگر مگر طبیعت میں دوا کے قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہ ہو تو دوا پکے کیا خاک اور اثر دکھائے اپنا ستر لیکن کچھ کوسے نے سیان پست فائدہ حاصل کر لیا ہو گا کچھ ہم اتنی ساری ہوشیاری سے کر لیں گے۔ کیا جواب

۵ نہ ہر جگہ مرکب تو اس تاخیر + کہ جا تا سپر باید انداختن + غرض ایک تو دین کے بارے میں عقل سے ذرا سچ سمجھ کر کام لیا جائے عقل انسانی پر اتنا بھروسہ بھی ٹھیک نہیں کہ جو بات سمجھ میں نہ آئی لگے اُس کو جھٹلانے۔ بل کذا بوابہ ما لہ یحیطوا بعلہ و لما یا تہم تاویلہ کہیں تو آدمی اپنے اندازے کی حد میں نہ کر سمجھا کرے کہ کیا پڑی اور کیا پڑی کا شور با کیا آدمی اور کیا آدمی کی عقل۔

صادقہ کا مذہبی خواب انسان کی بے حقیقتی

دوسری بات جو مجھ کو تم سے کہنی ہے، تو وہ بھی اسی کے لگ بھگ بلکہ ایک اعتبار سے اسی میں دخل نہ کر چوتھ مجھ کو اس پر زیادہ زور دینا منظور ہے میں اُس کو الگ کر کے تمہارے ذہن نشین کرنا چاہتا ہوں جب صادقہ مدد کی طرح کھڑی ہوئی تو تھی تب تھے اختیار چھپک چھپک جاتی تھی اور اس کا جھجکنا تھا بھی جائے سر، وہ کیا ہے یا زقہ خود شناس۔

سوال۔ یہ کیا۔

جواب۔ میں اپنے مطلب کو دوسروں لفظوں میں ظاہر کروں ۵ کا خود کن کا رنگ نہ مکن + در زمین دگر ازل خانہ مکن +

سوال۔ میں تو اب بھی نہیں سمجھا۔

جواب۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ آدمی کو ان شرف المخلوقات ہر سب سے بڑھ کر تو خدا نے اس کو عقل دی ہے جس کے بل پر وہ دنیا میں حکمرانی کرتا اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک مہمان عزیز ہے اور دنیا کا گھر اسی کی آسائش کے لیے سجایا گیا ہے ۵ جو خانہ ہستی میں ہے انسان کے لیے ہے + آریستہ یہ گھر اسی مہمان کے لیے ہے یہ مخدوم ہے اور ہوا اور پانی اور حیوانات اور نباتات غرض نیا اور جو چیز دنیا میں ہے سب اس کی خادم اس کی ساخت اس کی صورت دلاتے کرتی ہے کہ یہ کمر ہے اور دوسری مخلوقات مامور۔ یہ روئے زمین کا بادشاہ ہے دوسری مخلوقات اس کی رعایا۔ دیکھتے نہیں کہ وہ سے جانور سڑگوں بہتے ہیں اور یہ سر بلند۔ یہ سب کچھ ہے مگر پھر بھی عاجز و ناتواں ہے حکم تہو مگر کئے دن کی۔ وہی مثل ہے۔ وہ دلی کو تو والی اور پھر وہی کھڑ پا اور جالی سلا کھیل مہاکا ہے پھر نکست کلی اور وہی مٹی کی مٹی۔ وقت کے انلی اہری ہونے کو دیکھو اور پھر انسان کی ہستی پر

نظر کرو تو اس کی ہستی محض نمود ہے بود معلوم ہوتی ہے قطع

ایسی ہستی عدم میں حاصل ہے	نے جواں ہم نہ طفل شیر ہوئے
ایک دم مٹتی نمود بود اپنی	یا سفیدی کی یا خیر ہوئے
یعنی مانند صبح و نیاں	ہم جو پیدا ہوئے تو پیر ہوئے

از پھر مختصر ہو تو غیر مختصر ہونے کے ساتھ بے ثبات غیر مستقیم اور انسان کے اختیار سے خارج یہ ہے وہ ہستی جس پر ہم لوگ بھروسے اور پھوسے پھرتے ہیں۔ بات تو ایسی صاف ہو کہ کوئی حق سے احمق اور ہٹ سے ہٹ و حرم بھی اس سے انکار نہیں کر سکتا مگر صرف انکار نہ کر لے سے کام نہیں چلتا۔ اس خیال کو سوچ سوچ ایسا راسخ کرنا چاہیے کہ ہم وقت نہیں تو کشت اوقات پیش نظر رہے دنیا کے واقعات اپنے طور پر ہوتے رہتے ہیں ہم مانیں یا نہ مانیں تسلیم کریں یا نہ کریں سمجھیں یا نہ سمجھیں جتنا غور کرو گے اپنا دراندہ اور بے حقیقتہ اور ناچیز بنو تم کھلتا چلا جائے گا۔ واقعات نفس الامری کے تسلیم کرنے کے سوائے دین ہم سے کچھ اور نہیں چاہتا دین کا لب لباب یہ ہے کہ ہمارے آدمی بنایا گیا ہے اور ہم آدمی بن کر دنیا میں ہیں۔

سوال۔ آپ تو کچھ اس طرح کی تقریر کرتے ہیں کہ سب کے شکوک و اعتراضات کے پہلو ہی پر نہیں آتا چاہتے جواب میں تمہارے شکوک و اعتراضات کے پہلو پر نہیں آتا چاہتا یا تم شک و اعتراض کی گنجائش نہیں بھلا اس وقت تک جو کچھ میں نے کہا اس میں سے کوئی بات تم کو تسلیم نہ ہو تو بیان کرو کہ میں تمہارا شک و محذور

صادقہ کا مذہبی خواب دینی خیالات کا سلسلہ

سوال۔ میں تو یوں چلنا چاہتا ہوں کہ میں جو کیا چیز جواب۔ اگرچہ میں اس کا جواب دے چکا ہوں مگر خیر پھر سہی انسان کا ہمارا تک اس کی عقل کی رسائی اپنی حقیقتہ کو جانتا اسی کا نام دین ہے۔

سوال۔ اور اگر نہ جانے۔

جواب۔ نہ جانے کیا یعنی اس میں جاننے کی صلاحیت نہ ہو یا صلاحیت ہو اور جاننا نہ چاہے۔ اگر جاننے کی صلاحیت ہی نہیں تو وہ بے چارہ مرفوع تعلیم ہے اور اس سے بحث نہیں۔ اور اگر جاننے کی صلاحیت ہے

اور جانتا نہیں چاہتا تو اس کی مثال ایسی ہے کہ آنکھیں ہیں اور دیکھنا نہیں چاہتا مگر اس کے نہ دیکھنے سے نیا تو تاریک نہیں ہوتی جاتی اور اسی لیے پیغمبر بھیجے گئے ہیں کہ جن کو آنکھیں دی گئی ہیں پیغمبران کو دکھائیں درود دیکھیں

سوال۔ یہ تو اچھا دین ہے جس میں خدا رسول کا نام تک نہیں۔
جواب۔ یہ فقہا کی سمجھ کا پھیر ہے جب آدمی نے اپنی حقیقت کو جاننا اُس نے خدا اور رسول اور خدا رسول کے احکام اور شریعت اور عاقبتہ عرض دین کی سب باتوں کو جاننا من عرف نفسه فعرف عظماء کے ہی تو معنی ہیں اپنی حقیقت کو جاننا دین کا ایسا جامع خلاصہ ہے کہ اس سے جامع ترکوئی خلاصہ ہو نہیں سکتا اور باقی کچھ کتابوں میں اور جو کچھ لوگوں کے دلوں میں اور لوگوں کے مونہوں میں ہے سب اسی خلاصہ کی تفصیل ہے

سوال۔ میں نہیں سمجھتا کہ خود شناسی کو خدا شناسی اور دین داری سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔
جواب۔ خدا شناسی اور دین داری ضروری نتیجہ ہے خود شناسی کا۔

سوال۔ یہ کیوں کر۔

جواب۔ ہاں یہ اس طرح پرکڑ آدمی اپنے تئیں جانتے گا تو وہ اپنے میں اور دوسری مخلوقات میں فرق بھی کرے گا وہ دیکھے گا کہ دنیا میں اپنے درجے کی مخلوقات جمادات ہیں جہاں پڑے ہیں پڑستہ ہیں ان میں نہ بالیگی نہ حرکت نہ کسی طرح کا احساس ہے اور نہ اپنا مثال پنا قائم مقام پیدا کرنے کی صلاحیت۔ ان سے اونچے درجے پر نباتات ہیں کہ وہ از خود ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا چاہیں تو نہیں جاسکتے مگر ان سے اونچے اپنا مثال پیدا کرنے کی صلاحیت ہے اور احساس بھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں بھی کسی قسم کی جان ہے۔ ان سے اوپر چلو تو حیوانات ہیں کہ نو اور اپنا مثال پیدا کرنے کی صلاحیت کے علاوہ اپنے ارادے سے چلتے پھرتے ان کا احساس بھی نباتات کے احساس سے اعلیٰ درجے کا ہے یہاں تک کہ ان آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں بھی ایک طرح کی عقل ہے۔ سب سے اول درجہ حضور انسان کا جو جہانی بناوٹ پر نظر کرو تو جانوروں سے بھی گئے گزرے ہوئے۔ زو میں توانائی میں حسی میں چالاکی میں بلکہ احساس میں بھی مگر ایک عقل پاگئے ہیں جس نے عام روئے زمین پر اپنا سکھ بٹھا رکھا ہے۔ اب میں پوچھتا ہوں (اس لفظ پر صادقہ ذکر کی ذرا جھکی) کہ جتنی مخلوقات ہم دیکھتے اور جانتے ہیں ان میں کوئی خدا ہوتا تو کون ہوتا

سوال۔ خدا ہوتا ہی کیوں۔

جواب۔ تم تو لگے پھر ساری بحث کو دہرائے۔

سوال۔ بل میں دہرائے ہوں اس غرض سے کہ ہر پہلو سے سمجھ لوں۔

جواب۔ بہت منطقی احتمالات نکالنے کی جگہ نہیں ہے سمجھنا چاہو تو سیدھی سی بات ہی نہیں معلوم کہ خدا

یا نہیں۔ ابھی اس کو رہنے دو۔ یہ دنیا تو ہے اور ہم بھی ہیں۔ آنکھیں ہیں جن سے دیکھتے اور عقل ہے جس سے

سمجھتے ہیں اس سے کہ دنیا آپس کے آپ بن گئی ہو۔ ہمارا دل نہیں ٹھکتا اور خواہی خواہی عقل تقاضا کرتی ہے کہ اس

عظیم الشان کارخانے کا بنانے والا کوئی نہ کوئی تو ہے اور ہے تو اسی کارخانے کا انتظام دلاتا کرتا ہے کہ وہ

علیم ہے قدیر ہے حکیم ہے یعنی سب سے تمام صفات کمال پر لیکن جن چیزوں کو ہم دیکھتے اور جانتے ہیں اُن

میں سے اگر ایسا کوئی ہوتا تو ہم میں سے کوئی ہوتا لیکن ہمارا اپنی حقیقتہً تو معلوم ہے کہ باوجود شرف المخلوقات

ہونے کے عاجز و بے اختیار ہیں پس چاروں اچار ماننا پڑتا ہے کہ خلاق عالم ایک ہستی ہے جس کو ہم آنکھ سے

دیکھ سکتے اور نہ اُس کی حقیقتہً کو ہر عقل دریافت کر سکتے۔ بس خدا شناسی کے بارے میں انسان کی پروا نہیں تک

ہی۔ اس سے زیادہ نہ اُس نے جانا اور نہ اُس کی زندگی میں اس سے زیادہ جان سکتا ہے۔ اور اس سے زیادہ جاننے

کی کوشش کرنا سعی لاحاصل بلکہ مرفوع ہے۔ چنانچہ خدا نے قرآن میں صاف صاف فرمادیا ہے ولا تقف ما لیس

لک بہ علمہ جس چیز کا علم تم کو نہیں دیا گیا یعنی جس چیز کے جاننے اور معلوم کرنے کی تم کو صلاحیت ہی نہیں دی گئی

اُس کے پیچھے نہ پڑا کرو اور سمجھ لو کہ وہ چیز تمھارے بس کی نہیں تو اُس کے پیچھے پڑنا ناقص اپنے ایمان کو ڈانٹاؤں

کرنا ہے مگر انسان حویص علی مامنع انسان کا طرز مزاج ہی کچھ اس طرح کا واقع ہوا ہے کہ جس بات سے منع

کرو وہ اوبرا کر اُسے کرنا چاہتا ہے۔ کچھ تو اُس کے مزاج میں خود سری ہے اور وہ نہیں چاہتا کہ کسی کا حکم ہو کر رہے

اور کچھ یہ بھی ہے کہ دیکھیں خلاف حکم کرنے میں ہوتا کیا ہے آدم کی یہی رکان تو شیطان کو معلوم ہو گئی تھی کہ اُس نے

آدم کو بھلا پھسلا کر گہیوں کے کھانے پر آمادہ کیا جس کی خدا نے آدم کو سخت تنبیہ کی تھی۔ آدمی کے بیچوں کو

دیکھو کیسے چلبے اور بے چین ہوتے ہیں کتنا ہی منع کر کو کسی چیز کو چھوڑے بہ دن نہیں رہتے وہ چیزوں کو توڑتے

پھوڑتے اور لکڑی لپٹے نہیں نقصان پہنچا لیتے ہیں مگر باز نہیں آتے۔ خدا کے ساتھ بھی انسان کا یہی معاملہ ہے۔

وہ جانتا ہے کہ خدا ہے عاۃ کے مطابق اس سے صبر نہیں ہو سکتا اور چاہتا ہے کہ آدمی چیزوں کی طرح خدا کو بھی جان لوں مگر خدا آدمی چیزوں کی طرح کا نہیں ہے لیس کہ مثلاً شئی

سوال۔ بس اتنی بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اگر کسی آدمی کا ذہن اس طرف منتقل نہ ہو اور وہ سرے سے خدا کو جانے اور ماننے ہی نہیں تو اس میں حرج کی کیا بات ہو۔

جواب۔ اس شبہ کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ تم نہ پیغمبر ہو نہ محسب ورنہ دنیا کے ٹھیکہ دار کو دوسرے لوگوں کے جاننے نہ جاننے ماننے نہ ماننے سے کیا سروکار وہ جانیں اور ان کا کام جانے۔ تم اپنی کوئی نہ جانتے اور ماننے ہو یا نہیں۔ دوسرے یہ کہنا کہ کسی آدمی کا ذہن اس طرف منتقل نہ ہو اور وہ سرے سے خدا کو جاننے اور ماننے ہی نہیں فرض غلط ہے نہ ہول ہے اور نہ ہو سکتا ہے کہ آدمی ہو اور خدا کو نہ جانے اور نہ مانے۔ آدمی ہوتا اور خدا کو جاننا ماننا لازم و ملزوم ہیں۔ ماں جاننے ماننے میں فرق ہو۔ کوئی تو اس طرح کا جانتا ماننا جانتا ماننا کہ ہر چیز میں اُس کو خدا ہی خدا دکھائی دیتا ہے ہر چہ آپیدر نظر غیر تو نیست یا توئی یا خوشے تو یا پو تو اور کوئی اس طرح کا جانتا ماننا جانتا ماننا ہے کہ مصیبت پڑے پر اسکو خیال آجاتا ہے۔ کوئی ہمہ وقت اُس کی یادگاری میں لگا ہو کوئی اس سے کم کوئی اس سے کم یہاں تک کہ کوئی خدا کا بندہ ایسا بھی ہو کہ اُس نے شاید کسی عمر میں گنتی کی دفعہ اُس کو یاد کیا ہو گا مگر کیا ہو گا ضرور۔ واللہ الاخرۃ اکبر و درجہ اکبر و فضیلت اکبر کی تو ہر مہر میں سوال۔ اگر انسان خدا کے جاننے ماننے پر مجبور ہے تو دین کا اتنا سارا نفل غبار کیوں ہو۔

جواب۔ غل غبار نہیں ہو اس لیے کہ آدمی خدا کا قائل نہیں بلکہ اس لیے کہ عالم اسباب میں بننے کی وجہ سے خدا کے مصداق کی تعین میں غلطی کرتا ہے اور اس لیے کہ خدا کی یادگاری اُس حد تک نہیں کرتا جس حد تک اُس کی یادگاری کی ضرورت ہو۔

صمدیہ کا مذہبی خواب مذہب کی ضرورت

سوال۔ ضرورت کس کو ہے یاد کرنے والے کو یا خدا کو۔

جواب۔ خدا کو کیوں ضرورت ہونے لگی اُس کی ذات تو بے نیاز ہے۔ ضرورت ہے یاد کرنے والے کو ضرورت ہے دنیا جہان کو۔

سوال۔ اسی ضرورت کو تو میں سمجھنا چاہتا ہوں۔

جواب۔ بات یہ ہے کہ دنیا کو ایک طرح کی مشین (کل) سمجھو اور خدا کو بلاشبہ اس کا انجینئر کہہ سکتے ہیں وہ مشین ایجاد کی بنائی اور وہی اس کو چلا رہا ہے۔ موجودات عالم اس مشین کے پڑے اور ساز و سامان ہیں دنیا کی مشین کے ہر رول میں سے آدمی بڑا ضروری اور چلتا ہوا پرزہ ہے۔ نظام میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کل آپس آپ پڑی چل رہی ہے اور پڑے از خود اپنا کام دے رہے ہیں اور انجینئر کوئی چیز نہیں اور نہ اس کو کل میں کسی طرح دخل ہے۔ لیکن واقع میں انجینئر ہی سب کچھ ہے اور وہ نہ ہو تو ساری کل یٹا اور بیکار مشین میں بہت سے آدمی لگے ہیں مگر انجینئر کے سولے کسی کو اتنا سلیقہ نہیں کہ ایک پیچ ڈھیلا پڑ جائے تو اسے کس کر کل کو چلتا دے آدمی جس کو ہنسنے دنیا کی مشین کا ضروری اور چلتا ہوا پرزہ قرار دیا ہے۔ ضروری اور چلتا ہوا ہونے کے علاوہ خطرناک بھی ہے کہ بگڑے تو دوسرے پر رول کو نقصان پہنچائے اور اس کو چلتا ہوا رکھنے کے لیے ایک خاص طرح کے آئل (تیل) کی ضرورت ہوتی ہے جس کے بدون وہ کام نہ نہیں سکتا۔ یہ آئل ہے یا دالہ بہت لوگوں کو کھا جاتے ہیں کہ وقت کا حاکم آدمیوں کو درست رکھتا ہے۔ وہ ان کو چوری نہیں کرنے دیتا خوں ریزی نہیں کرنے دیتا فساد نہیں کرنے دیتا آئیں میں اڑنے جھگڑنے نہیں دیتا ورنہ دنیا میں ایک کو ایک بسنے نہ دے سچ ہے حاکم وقت کو بھی امن کے قائم رکھنے میں بڑا دخل ہے مگر حاکم وقت کہاں تک اپنا ربط و ضبط بٹھا سکتا ہے۔ مثلاً یہ تمھاری دلی دوپونے دو لاکھ کی ہستی ہے حاکم وقت بہت کرے گا بہت کرے گا فرض کر لو کینٹنل چوکیا افسر ماتحت پیادے سوار سب ملکر پانچ ہزار آدمی پولیس میں بھرتی کرے گا حالانکہ انہوں کی بھی گنجائش نہیں۔ اول تو ان ہی پانچ ہزار کا بھروسہ نہیں یہ بھی تو آخر آدمی ہیں بلکہ بعض اوقات تو پولیس والوں کی ایسی شکایتیں سنی جاتی ہیں کہ امن قائم رکھنے کے عوض یہی لوگ خرابیوں کے باعث ہوتے چوریاں کرتے مجرموں سے سازشیں رکھتے اور طرح طرح کے ظلم کرتے ہیں لیکن فرض کر دو کہ یہ پانچ ہزار کے پانچ ہزار بھلے آدمی اور نمک حلال بھی ہوں تو دوپونے دو لاکھ پر عہدہ وقت ان کی گرفت کیا۔ زنان خانوں میں ان کی رسائی نہیں شہر میں ہزاروں پتھر پتھر گلیاں ہیں کہ دن دھاڑے لوٹ لو تو کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو کہ اندھیری رات اور مہاوٹ بھی برس رہا ہو تو ایسے مواقع پر پولیس کی کیا پیری چلے۔ پس ہونہ ہو یہ امن جو دنیا میں قائم ہے

کسی اور حاکم کا تصرف ہو اور وہ کون ہے۔ خدا۔ جس کے ڈر سے پتا نہیں کھڑے پاتا۔ علاوہ بریں حاکم ظاہر وقوع جرم کے بعد ڈنگٹو اور مجسٹریٹ جو چاہے سو بنے مگر وہ پریوینٹو کسی کام کا نہیں۔ حاکم ظاہر دریا کو تنہا سے دریا پر روکنا چاہتا ہے اور وہ حاکم حقیقی اس کے منبع پر جہاں سے دریا نکلا ہے۔ یعنی حاکم ظاہر وقوع جرم کے بعد سزا دہی مجرم سے ایسی تدبیریں عمل میں لاتا ہے کہ عہدہ بنو اور کتاب جرم پر اقدام نہ کر سکیں اور وہ حاکم حقیقی ارادے کو جو کتاب جرم کا محرک ہو روکتا اور مجرم کے خیال کی اصلاح کرتا ہے۔ جرم ایک رخت ہو گندہ خبیث جس سے آب و ہوا خراب ہوتی اور اس کے پھلوں اور پتوں میں سمیتہ ہو۔ حاکم ظاہر اس کی ٹہنیوں کو کاٹتا چھانٹتا رہتا اور اس رخت خبیث کو بڑھنے نہیں دیتا۔ مگر حاکم حقیقی اسکو جڑ سے اکھاڑتا اور معدوم کرتا ہے۔ اور دونوں کے نتیجوں میں جو فرق ہے ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔ خوف خدا نہ ہوتا تو ہم ہی لوگوں کے ہاتھوں دنیا کبھی کی معدوم ہو گئی ہوتی۔ اب سمجھ کہ خدا کو جاننے ماننے کی کیا ضرورت ہو خدا کے جانے ہنے بدون دنیا چل ہی نہیں سکتی۔

سوال۔ لیکن ہم کو کوئی از غیبی سزا مجرم کو ہوتے نہیں دیکھتے۔

جواب۔ اسی لیے تو خدا کو جاننے ماننے کی زیادہ ضرورت ہے۔ خدا نے آدم کی نسل کو روئے زمین پر پھیلایا اور آدم کی اولاد نے عقل کے زور سے جنگل اور پہاڑ اور خشکی اور تری سب پر اپنا تسلط بٹھایا۔ دوسری مخلوقات تاب مقاومت نہ لاکر ان کی زد سے بچتے اور سرکتے گئے۔ بعینہ وہی حالہ ہوئی جو ہندوستان کے صلی باشندوں کو ٹڈیوں اور بھیلوں کی ہوئی کہ اتر سے اترے آریئے جوں جوں بڑھتے گئے وہ بیچارے ٹلتے اور ہٹتے گئے۔ آدم کی اولاد نے بعض جانوروں کو تو سخر کر لیا چاٹا ان کو مارا اور کھا گئے اور چاٹا ان سے خدمت لی اور جو قابو نہ آ سکے زمین پر سے بھاگ تو نہیں گئے اور بھاگ کر جلتے تو کہاں جلتے۔ مگر ہمہ وقت آدمی سے خلفائے انسان کی صورت سے ترسنا اور ان کا خوف دہرا س بھی بے جا نہیں آدمی کا بس چلے تو ان کی نسلوں کو معدوم کر دیا مگر کوئی بھاگ کر کوئی اڑ کر اور کوئی اپنے بل بوتے پر بھی آدمی کی مار سے بچے رہتے ہیں۔ آدمی کیا دوسری ہی مخلوقات کو نہیں دیکھ سکتا۔ نہیں اس کی طبیعت ایسی صریح اور خود غرض واقع ہوئی ہے کہ وہ اپنے اپنا ہی خسر کر بھی نہیں دیکھ سکتا۔ اگر ہر ایک آدمی کرنے پائے جو اسکے دل میں آئے تو یہ سب آپس میں کٹھن ہیں پس فرق

واقع ہوئی کسی طباطبکی جو ان کو روکے تھامے ہے اور وہ ضابطہ ہے حاکم وقت جس کی سزا کے طور کوئی کسی پر نواز ظلم نہیں کرتا۔ مگر اس کا ربط و ضبط انتظام کے لیے کافی نہ تھا تو خدا نے اس نقصان کی تلافی یوں کی کہ ہر ایک فرد بشر کے دل میں خیالات الہیہ دیا کہ حاکم حقیقی خدا ہے اور وہ بھلائی سے خوش اور برائی سے ناراض ہوتا ہے اور اگرچہ وہ اس زندگی میں بھی انسان کو سزا اور جزا کے دینے پر قادر ہے۔ مگر کسی مصلحت سے کبھی ایسا نہیں بھی ہوتا تو کچھ حرج کی بات نہیں کیونکہ ہر ایک آدمی کو یقین ہے کہ مرے پیچھے ایک اور طرح کی زندگی شروع ہوگی اور جو کچھ اس دنیا میں کیا ہے بھلا یا بُرا اُس زندگی میں اس کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا ان خیالات

فحسب وان شرافتن

صادقہ کا مذہبی خواب عاقبتہ کا یقین انسان کی فطرۃ میں ہے

سوال۔ میں سمجھتا ہوں مذہب نے عاقبتہ کا خیال لوگوں کے دلوں میں پیدا کیا۔
جواب۔ الٹی بات۔ مذہب نے خیال عاقبتہ نہیں بلکہ خیال عاقبتہ نے مذہب کو پیدا کیا۔ اگر خیال عاقبتہ نہ ہو تو مذہب کی ضرورت ہی نہیں اور ایسے لوگ بھی ہو گئے ہیں اور شاید اب بھی ہوں جو عاقبتہ سے منکر ہیں۔ تو وہ سوسائٹی کے بڑے خطرناک ممبر ہیں کیونکہ حاکم ظاہر کے حسبِ داس کے سوائے ان پر کوئی روک نہیں وہ جب موقع پائیں اور ایسے موقع کا ملنا ہی کیا مشکل ہے جس کے چاہیں جان مار ڈالیں جس کا چاہیں گھر لوٹ لیں جس کے چاہیں بے غرض کر دیں غرض جس کو چاہیں دنیا سے اُجاڑ دیں۔ یہ ایسے ہی لوگوں کا مقولہ ہے جو قرآن میں نقل کیا گیا ہے

ان ہی الا حییٰ نانا اللہ نیا موت ونحییٰ ومانحن بمبعوثین

سوال۔ اگر ایسے لوگ بھی ہوئے ہیں اور ہیں اور ہو سکتے ہیں تو معلوم ہوا کہ خیال عاقبتہ انسان کی فطرۃ میں داخل نہیں۔ فطرۃ میں داخل ہوتا تو کوئی فرد بشر اس سے خالی نہ ہوتا۔

جواب۔ یہ شاید ان کے مونہ کی کہن تھی ذلک قولہم با فہم اور ضمیر اگر انسان ایسی بہتری باتیں کہ دے سکتا ہے۔ مگر موٹی سی موٹی سمجھ کا آدمی بھی تو عاقبتہ اور نہ صرف عاقبتہ بلکہ عاقبتہ کی سزا اور جزا کا یقین رکھتا ہے۔ رہی یہ بات کہ کیوں رکھتا ہے اس کا وہی جواب ہے کہ انسان کے دل کی بناوٹ ہی اس طرح کی واقع

ہوئی ہے۔

سوال۔ پھر دنیا میں جرائم کا اسناد رکلی کیوں نہیں ہو گیا۔

جواب۔ اس واسطے کہ جس طرح انسانوں کی شکلیں مختلف ہیں کہ ایک فٹ برج سے کم ہی کم کی کیا تو بساط اور کروڑوں آدمی روئے زمین پر اب موجود ہیں اور خدا جانے کتنے سکھ مہاسکھ مگر گپے اور کروڑوں پیدا ہوئے چلے جاتے ہیں اور معلوم نہیں کب تک پیدا ہوتے چلے جائیں گے۔ ہم نے تو دیکھا کیسا سنا بھی نہیں کہ دو آدمی ایک ماں باپ کی اولاد بلکہ تو ام بھی صورتہ شکل میں ایسے مشابہ یکدگر ہوئے ہوں کہ بچان نہ پڑتے ہوں۔ تو جس طرح آدمیوں کی شکلیں مختلف ہیں اسی طرح بلکہ اس سے زیادہ ان کی طبیعتیں بھی مختلف واقع ہوئی ہیں کہ ایک کا مزاج دوسرے کے مزاج سے بالکل نہیں ملتا۔ اکثر تو ایسے ہیں کہ عاقبت کے خیال سے اگرچہ جرم پر اقدام نہیں کر سکتے۔ بعض دل کے ایسے بودے اور کم زور ہیں کہ وقتی ترغیبات سے مغلوب ہو کر جرم تو کر بیٹھتے ہیں مگر پھر ان کو پشیمانی اور ندامت ہوتی ہے اور گناہ کا کفارہ دینے کے درپے ہوتے ہیں۔ منطوق کو رضا مند کرنے سے اقوام جرم سے اور اپنے اور اس کی سزا عائد کرانے سے جب تک گناہ کا کفارہ نہ دے لیں ان کو نفس لوامہ چین سے رہنے نہیں دیتا۔ یہی خیال عاقبت ہے جس کو میں نے نفس لوامہ سے تعبیر کیا۔ پھر بعض دل کے ایسے سخت ہوتے ہیں کہ زندگی بھر کفارے کو نالتے رہتے ہیں ملک الموت نے اگر ٹیڈو ادبایا تو سارا زہر اگلنا پڑا۔ وہ کیا جیسے ہے جو ایسے وقت میں ان کو اقرار جرم پر مجبور کر دیتی ہے۔ وہی نفس لوامہ وہی خیال عاقبت وہی کائنات جس چاہو کہہ لو۔ اس بات پر تو تمام آدمیہ اکل اجماع سمجھو کہ اس ہستی کے بعد آدمی کو ایک آؤ ہستی ہوتی ہے۔ اختلاف اگر ہے تو اس میں ہے کہ وہ ہستی کیسی ہوگی کیونکر ہوگی۔ سو یہ اختلاف فردی ہے انتظام دنیا کے لیے جس چیز کی ضرورت ہے اسی قدر ہے کہ اس ہستی کے بعد ایک آؤ ہستی ہے اور وہ ہستی اس ہستی کی مستم ہے اور اس ہستی کا بنگر نام تو قہ ہے ہمارے کردار پر جو ہم اس ہستی میں کریں۔

سوال۔ تو یوں کہئے کہ آپ کے نزدیک سرے سے دین و مذہب ہی داخل فطرۃ انسانی ہے۔ یعنی شخص کی فطرۃ چاہتی ہے کہ وہ مذہب لکھا ہو۔

جواب۔ بے شک۔ تم نے بہت ٹھیک سمجھا دین اور فطرۃ ایک ہی چیز ہے اور میں کیا کہوں گا اور کوئی کیا کہے گا

اور تم نے کیا سمجھا اور کوئی کیا سمجھے گا خود خدا سے تعالے قرآن میں فرماتا ہے فطرۃ اللہ الّتی ظہر للناس
علیہا لا تبدل لیل خلق اللہ ذلک الدین القیم ولكن اکثر الناس لا یعلمون (اس کی بناوٹ جس طرح پر لوگوں کو
بنا دیا اس کی تبدیلی کو کون بدلے یہی ہے سیدھا دین لیکن افسوس کہ اکثر لوگوں کو خبر نہیں اس کی
کے لفظوں پر نظر کرو اس سے زیادہ صراحتہً افر کیا ہوگی میرے پس چلے تو اس آیت کو تختیوں پر کندہ کر رکھو ان
کا کوئی بچہ نہ ہو جسکے گلے میں تعویذ کی جگہ تیشی نہ پڑی ہو۔ اور خبر پر مسلمان کے گلے میں نہ سی۔ ہر ایک مسلمان
دروازے دروازے ورنہ ہر ایک مسجد پر حضور۔ بھلا کسی کی عقل جائز رکھ سکتی ہے کہ مثلاً پانی کی فطرۃ تو اس طرح
پرواقع ہو کہ تیشیب کی طرف ہے اور اس کو حکم دیا جائے الّا بلندی کی طرف چڑھنے کا۔ پانی بلندی کی طرف
چڑھتا ہے یا چڑھ سکتا ہے؟ یہی حال یہ کہ ہے۔ دین کی کوئی چھوٹی سی بات بھی فطرۃ انسانی کے خلاف نہ
اور نہ ہو سکتی ہے ان اللہ لیس بظلام للعبید اور یہی فطرۃ دین کے کھوٹے کھرے غلط صحیح کے شناخت
کی کسوٹی ہے۔

سوال۔ تو چاہیے کہ لوگ میں میں اختلاف نہ کریں۔

جواب بے شک۔ چاہئے تو یہی کہ چونکہ فطرہ کے اعتبار سے آدمی آدمی سب یکساں مگر نری فطرہ ہی فطرہ ہوتی تو کچھ جھگڑا نہ تھا۔ مصیبت یہ ہے کہ انسان ایک طرف مغلوب ہے فطرہ کا اور دوسری طرف مغلوب گوناگون خواہشوں کا۔ مغلوب ہے تعلیم و تربیت کا۔ مغلوب ہے سوسائٹی کا۔ مغلوب ہے رسم و عادت کا۔ چوبائی تو ہوا پل رہی ہے ہر طرف سے چھبڑے پر چھبڑے پر چھبڑے لگ رہے ہیں۔ لکن وہ اسدھا اور رے کیا خاک در میان قفس دریا تختہ بندم کردہ۔ بازے گوئی کہ دامن ترکین بیشمار باش۔

سوال :- یہ تو ظلم صریح ہے۔

جواب۔ توبہ کرو۔ توبہ۔ خدا اور ظلم !!!۔ استغفر اللہ۔ تعالیٰ اللہ عظیم بولے عطا کیا ہے۔ آدمی کے پیچھے جھوک
پیس کا کھانا دنیا ظلم ہوتا اگر اس کو کھانا اور پانی بہم پہنچانے کی عقل نہ دی گئی ہوتی۔ آدمی کو ہر طرح کا مخلوق بنانا
کہ ایک منٹ سانس لینے کو موانہ ملے تو ہلاک ہو جاتا ہے ظلم تھا اگر ہوا کا ذخیرہ اسکے لیے مہیا نہ کیا گیا ہوتا۔
آدمی کو گرمی سردی کا احساس بخشا ظلم تھا اگر وہ اس سے بچنے کی تدبیر نہ کر سکتا۔ اسی طرح اس کو فطرۃ اور

انسانی خواہشوں اور تعلیم و تربیت اور سوسائٹی اور رسم و عادت وغیرہ وغیرہ کا مغلوب بنانا ظلم ہوتا اگر اس
بجول بھلیاں میں سے نکلنے کا اس کو رستہ نہ دکھایا جاتا۔
سوال۔ وہی رستہ تو میں ڈھونڈتا ہوں اور نہیں ملتا۔
جواب۔ ڈھونڈتے ہو مگر ڈھونڈنے کے طور سے نہیں۔

صادقہ کا مذہبی خواب۔ مذہب کا خلاصہ

سوال۔ وہ طور کیا ہے۔
جواب۔ وہی طور تو میں تکوینی دیر سے بتا رہا ہوں۔ دین کا حال یہ ہے کہ جتنا اس کو چھانتے جاؤ و تباہی گزر
ہوتا جاتا ہے اور زیادہ کاوش کا ضروری نتیجہ ہے لامذہبی جس میں تم سب تلا ہو اور نہیں ہو تو آج نہیں کل کل
نہیں پر رسول ہو گئے پر ہو گئے۔ اس رستے کو چھوڑو۔ دین تو تمام آدمیوں کے لیے ایک ہی ہے۔ اسکے لیے اتنی
سادہ عقل کی ضرورت نہیں جتنی تم صرف کرنی چاہتے ہو۔ یہ عقل تکوین یا حسی اور فلسفہ کے کام میں لانی چاہیے
دین تو گنتی کی چند سوٹی سوٹی اور سیدھی سیدھی باتیں ہیں اور باتیں بھی ہیں تو یہی جن کے لیے حجت اور دلیل
کی کچھ ضرورت نہیں۔ اور جب آدمی لگا دین میں حجت اور دلیل ڈھونڈنے تو دین کے اعتبار سے اس کی حالت خطرناک
سوال عقل کے ماتوں سے تو مجبوری ہے۔

جواب۔ اگر عقل کو عقل کی حد میں رکھو اور اس کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دو تو کچھ بھی مجبوری نہیں
دین میں عقل کی جولان نہیں تاکہ کہ خدا ہے اور جتنی حمد کی اور خوبی اور برائی کی صفتیں خیال میں آسکتی ہیں
وہ سب اُس میں ہیں۔ دنیا کا کارخانہ اُس کے ہونے اور اس طرح کے ہونے پر دلالت کرتا اور ہمارا دل ان خود اس بات
کو ماننا ہے اور اس میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کی ضرورت نہیں۔ پھر انسان اس طرح کا مخلوق ہے
صرف نہیں کہ اس کو دنیا سے اور دنیا کو اس سے کسی طرح کا سروکار نہ ہو بلکہ خدا نے اس کو عقل دے کر نظام
دنیا میں بہت کچھ وکیل کر دیا ہے۔ خدا اور انسان اور دنیا کی مثال زمین را اور کارند سے اور علاقہ زمینداری
کی سی ہے۔ کارند علاقہ زمینداری کا مالک تو نہیں مگر مالک کی رضا اور اجازت سے وہ علاقہ پر مسلط ہے چاہے
آباد کرے چاہے اُجاڑے۔ جس طرح ایک مالک چاہتا ہے کہ اس کا کارند بھلا مانس خوش معاملہ نیک نیت

دیانتہ دار جاکش ہو اور اس کے علاقہ زمینداری کا آظام ٹھیک رکھے۔ اسی طرح ابھی چاہتا ہے کہ آدمی دنیا میں جہاں تک اس سے ہو سکے اس اور خوش حالی کو ترقی دے۔ اور دنیا کی گاڑی میں جسکو ایک قے خاص تک خدا کو چلانا منظور ہے کسی طرح پر رونا نہ اٹھائے۔ بس یہی دین اور یہی مذہب ہے جن کا لوگوں نے اس قدر طومار بنا کھڑا کیا ہے۔

سوال۔ اتنا تو قرآن کی ایک چھوٹی سی سورہ میں آسکتا تھا۔

جواب۔ آسکتا کیسا آیا ہو اسو جو دی ہو ہے۔ ورنہ من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنة کے سوا اس کے اور کیا معنی ہو سکتے ہیں کہ اصل دین خدا کا جانا ہے اور اتنا جانا نجات کے لئے بس کرتا ہے۔ اور قرآن کی چھوٹی سی چھوٹی سورہ کی جو تم نے کہی اس سے شاید تمہارا مطلب یہ ہو کہ دین ایک چھوٹے سے جملے میں آسکتا تو اتنے بڑے قرآن کے نازل کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اس کو اپنے طور کی باتوں میں سمجھو کہ اقلیدس میں سطر ڈیڑھ سطر کا دعویٰ ہوتا ہے اور اسکے ثبوت ورق کے ورق۔ یا مثلاً کوئی ہم سے پوچھے کہ یہ قوانین دیوانی فوجداری ورنال وغیرہ وغیرہ کیا چیز ہیں۔ تو ہم کہہ سکتے ہیں تدبیر حفظ اسن۔ قرآن کا بھی یہی حال ہو کہ اس کا لب لباب لا الہ الا اللہ ہو اور اسکے سوا کچھ ہے وہ اسی لا الہ الا اللہ کا ثبوت ہو۔ یا اس قسم کی باتیں ہیں جو اسی لا الہ الا اللہ پر تفریع ہوتیں اور اسی لا الہ الا اللہ سے مستنبط کی جاتیں۔ قرآن میں قصص ہیں موعظتیں حکم ہیں آداب ہیں معاملات ہیں عبادات ہیں۔ اوامر ہیں نواہی ہیں۔ کیا چیز ہے جو قرآن میں نہیں لاکھ لایا کہ اس کتاب مہین۔ قرآن ہی ایک ایسی کتاب ہے جو تمام افراد انسان کی محاش و معاد دونوں کی درستی کے لئے روز قیامت تک بس کرنی ہو بشرطہ کہ اس کو ٹھیک طور پر سمجھا اور اس پر عمل کیا جائے۔

صافقہ کا مذہبی خواب۔ عبادۃ کی علم

سوال۔ میں اس کو ذرا تفصیل کے ساتھ سمجھنا چاہتا ہوں۔

جواب۔ خدا کو جاننے پہچاننے کے یہ معنی تو نہیں ہیں کہ باوجود ان ایک بات تھی اس کا انسانی اس کا کمال دی۔ آدمی خدا کو جاننے پہچاننے کا تو وہ اس تعلق کو بھی ضرور سمجھے گا جو اس کو خدا کے ساتھ ہے اور وہ یہ بھی سمجھے گا کہ خدا نے اس کو سراپا احتیاج پیدا کیا ہے وہ ایک خاص طرح کی زندگی رکھتا ہے درد اور سنج سے متاثر نہیں ہوتا۔

اس کی زندگی کی ضرورت کی طرف سے مہیا کی گئی ہیں جن کے لئے اس کو کسی طرح کی رحمت نہیں اٹھانی پڑتی۔ جیسے سانس لینے کو ہوا پینے کو پانی اور کچھ ضرورتیں ایسی ہیں کہ ان کا سامان تو موجود ہے مگر اس کو کام میں لانے کے لئے تدبیر بھی درکار ہوتی ہے۔ سو خدا نے اس کو اس تدبیر کا سلیقہ دیا ہے۔ وہ یہ بھی دیکھ سکے کہ اس کو اس کثرت سے حاجتیں اور ضرورتیں لاحق ہوتی ہیں کہ اعوان و انصار کے بدون اس کا گزر نہیں پس چار چوٹا اس کو سوسائٹی میں مل کر رہنا پڑتا ہے کہ یہ لوگوں کی اور لوگ اس کی مادر کریں۔ وہ یہ بھی دیکھ سکے کہ سوسائٹی کے لوگ بھی اسی طرح کے آدمی ہیں وہ بھی اسی کی سی حاجتیں اسی کی سی طبیعت رکھتے ہیں۔ وہ بے کسی کے سکھائے آپس آپ معلوم کر لے گا کہ دنیا میں ہزار باقسام کی مخلوقات ہیں جن میں جملہ ان کے ایک یہ بھی ہر گز یہ دوسری مخلوقات سے بہت باتوں میں ممتاز ہے اس کو ملائم سے خوشی پہنچتی ہے اور ناملائم سے بچ۔ بعض مواقع پر اس کو غصہ آتا ہے اور بعض پر حشم۔ اس کی اکثر باتیں دوسرے جانوروں سے ملتی ہوئی ہیں ان کی طرح سوتلائن ہی کی طرح جاگتا۔ ان ہی کی طرح اس کو بھوک پیاس لگتی مگر اسکی سی عقل کسی میں نہیں۔ اس کی طبیعت میں جہاں اور باتیں ہیں ایک احسان مندی بھی ہے کہ جب اس کا کوئی مطلب لٹھے اور کوئی اس کی مدد کرے یہ اس کا شکر گزار ہوتا ہے۔ اس صفحہ پر متفرع ہیں تمام اقسام عبادات۔ کوئی سی بھی عبادت کو وہ ایک پیرا ہے اظہار احسان مندی کا۔ مثلاً نماز۔ اس کا ایک ایک رکن یعنی قیام اور رکوع اور سجود سب کا ہر تہا ہے تضرع اور بہتال اور عجز۔ ان حرکات کے سوائے وہ جو قراۃ ہے یعنی مونہ سے کہنا پڑتا ہے وہ بھی خدا کی وثاق ہے۔ دعا ہے استغفار ہے اپنی عاجزی اور عاجز مندی کا اظہار ہے عبودیت کا اقرار ہے۔ یوں تو بظاہر انسان کے سب کام اسی کی تدبیر سے چلتے اور بہت سی باتوں میں اس کو اپنے انہائے جنس سے مدد ملتی ہے لیکن ذرا تامل کرو تو معلوم ہو کہ ہم سب محض خدا کے فضل کے سہارے جیتے ہیں۔ ہزار ہا چیزیں ہیں جن پر ان کی زندگی موقوف ہے اور ان میں سے ایک چیز میں بھی انسان کو دخل نہیں۔ قرآن پر نظر کرو اس کا حاصل یہی پائو گے کہ انسان کو اس کی حاجتیں اور ضرورتیں بتا کر یہ دکھایا جاتا ہے کہ اس کو خدا نے سہارا حاجت پیدا کیا ہے چونکہ وہ باوجود اس کو عقل بھی دی گئی ہے اور کسی قدر خستیاں بھی رکھتا ہے اپنی تمام حاجتوں کے برائے پر خود قادر نہیں تو جس نے اس کو حاجت کا احساس دیا اور احساس کے ساتھ اس کی تمام حاجتوں اور صرف حاجت

بھی نہیں بلکہ آرام و آسائش کا سامان میا کیا وہی خدا ہے اور انسان کو اس کا بھی احسان ماننا چاہیے اگرچہ
سارا قرآن اسی منوال پر واقع ہوا ہے مگر میں مثال کے طور پر دو مقام کی چند آیتیں پڑھتا ہوں اللہ من خلق
السموات والارض و انزل لکم من السماء ماء فابنننا بہ حدائق ذات بحجۃ مکان لکم ان تنبتوا شجرہا
عالمہ مع اللہ بل ہم قوم بحد لون اے من جعل الارض قرا و جعل خلالها انہا را و جعل لها راسی و جعل ان
البحرین ساجزاء الذی مع اللہ بل لکرم لا یعلمون اے من یحب المضطر اذا دعاه و یکتشف السوء و یجعل کلفہ
الارض الذی مع اللہ فلیلا ما تذکرون اے من یدیکم فی ظلمات البر و البحر و من یسل الریاح بشربین ید
رحمتہ الذی مع اللہ تعالیٰ للہ عما یشرکون اے من ید ذ الخلق ثم یعبده و من یرزقکم من السماء و الارض
اے اللہ مع اللہ قل ہاتوا برہانکم ان کنتم صدقین و و سہری جگہ فرماتے ہیں قل رءیتما ان جعل اللہ علیکم
اللیل سمرمد الی یوم القیامۃ من الہ خیر اللہ یا تمکرم بضیاء افلا تسمعون قل رءیتما ان جعل اللہ علیکم
السماء سمرمد الی یوم القیامۃ من الہ خیر اللہ یا تمکرم بلیل لستذکون فیہ افلا تبصرون و من رحمۃ جعل لکم اللیل
والنہار لتسکون فیہ و لتبضعوا من فضلہ و لتعلموا تسکرون یاد رکھو کہ میں نے منوں کے طور پر چند آیتیں پڑھ
دی ہیں ورنہ سائے قرآن کی یہی ایک ہے جو غرض سے پہلے انسان نے اپنے آپ کو جانا۔ اپنے آپ
کو جاننے سے لازم آیا خدا کا جانتا۔ خدا کو جاننے سے لازم آیا اس کے احسانات کا ماننا یعنی اس کی عبادت کرنا
اس کو میں نصف دین قرار دیتا ہوں۔ اور اس میں ہرگز کسی طرح کی پیچیدگی نہیں اور نہ اس میں کسی طرح کا
شک شبہ ہو سکتا ہے اور ہو تو بیان کرو۔

۱۔ بجلا کہ نے زمین آسمان کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی برسا کر ہم نے خوش نما بیجے اگائے۔ یہ درخت تم تو نہیں اگا سکتے تھے کیا اس بیجی
کے ساتھ کوئی اور مہربان ہے مگر یہ لوگ ہی سہا سے رستے سے الگ ہوئے جاتے ہیں بھلا کہ نے زمین کو ٹھیرنے کی جگہ بنایا اور اس میں پانی بھرا
اور اس پر پہاڑوں کے ٹکا ڈالے اور دو دریاؤں کو کھدوا کر ان کی فاصلہ کی۔ تو کیا اس پر بھی خدا کے ساتھ کوئی اور مہربان ہے مگر ان لوگوں میں سے اکثر یہ غیبتی ہیں
بھلا کہ نے جب کوئی بے قرار ہو کر اس کو بگاڑے تو وہ اس کی فزاد کو سنے اور مہربان کو دور کر دے اور کھو فرماں دے روئے زمین نہائے
تو کیا اس پر بھی خدا کے ساتھ کوئی اور مہربان ہے۔ مگر لوگ ایسی باتوں کو کہ خیال کرتے ہو ۱۱۔ بھلا کہ نے جو خشکی اور تری کے اندھیروں میں تم کو تر
دکھائے اور کون باران رحمت سے پہلے ہو کر بچتا ہے کہ وہ خشکی خوشخبری دے۔ تو کیا اس پر بھی خدا کے ساتھ کوئی اور مہربان ہے خدا کی شان اس
چیزوں سے بہت اونچی ہے جن کو اس کا شریک ٹھہر رہے ہیں ۱۲۔ بھلا کہ نے جو پہلے پہل پیدا کر کے اس کو پھر اپنے پاس رکھا۔ اور کون ہے جو تم کو
آسمان اور زمین سے روزی دے اسے پہچان لوگوں سے کہو کہ اپنے دوسے میں کچھ ہو تو دلیل نہیں کرو ۱۳۔ اسے پہچان لوگوں سے کہو کہ کیا
و کہو کہ اگر خدا قیامت تک ہمیشہ کے لئے رات کو تم پر ڈھائے رکھے تو سوائے خدا کے کوئی اور مہربان ہے کہ تم کو روشنی پہنچا دے کیا ایسی باتیں نہیں
۱۴۔ اسے پہچان لوگوں سے کہو کہ اگر خدا قیامت تک ہمیشہ کے لئے تم پر دن ہی نکالے دے تو سوائے خدا کے کوئی اور مہربان ہے کہ تمہارا آرام کے لئے رات
کو اوالائے کیا تم اس نونہ قد کو نہیں پہچانتے اور یہی کسی مہربانی ہے کہ تمہارے لئے رات اور دن کو بنایا تاکہ رات کو آرام ہو اور دن کو اس کے کام یعنی روزی کی
جسٹ کرو اور اس کا احسان مانو ۱۵

سوال۔ بھلا آفرین کا دوسرا نصف۔

جواب۔ دوسرا نصف لوگوں کے باہمی معاملات کہ ان کو ایک دوسرے کے بدون بن نہیں آتی تو ایک قانون ہونا چاہیے جو سوائی میں امن کو قائم رکھے۔ یہ جو دوسرا نصف دین اور اسی کا نام ہے شرع سوال میں اس کا بھی ایک خلاصہ معلوم کرنا چاہتا ہوں جامع اور ملے۔

جواب۔ اس کا خلاصہ ہے اپنے پر خود نہ پسندی پر دیگر سے پسند اسکے لیے بھی دلیل اور حجت درکار نہیں آدمی کا دل ہی خدا نے اس طرح کا بنایا ہے کہ وہ فوراً اس بات کو تسلیم کر لے گا کہ اس قاعدے کے بدون دنیا میں امن قائم رہ نہیں سکتا۔ اور ہے بھی انصاف کی بات۔ خدا کے ہونے پر جہاں آفرینے شمار دلائل میں اُن میں سے ایک دلیل دنیا کا انتظام بھی ہے اقلہً بنظر دالی ملکوت السموات والارض۔ پروردگار عالم نے دنیا کے انتظام کے لیے ایسے عمدہ اصول قرار دیئے ہیں کہ اُن سے ہتھر کسی کے خیال میں نہیں سکتے۔ جو کوئی ان اصول کو توڑتا ہے یہی نہیں کہ دوسرے کو نقصان پہنچاتا ہے بلکہ خود اپنے تئیں بھی۔ اس پر بھی لوگوں کے بے اعتدالیاں ہوتی ہیں اور یہ جتنے فسادات دنیا میں دیکھتے ہو انسان کی اسی کم زوری اور نا عاقبت اندیشی سے پیدا ہوتے ہیں کہ وہ انجام تو سوچتا نہیں اور خواہش نفسانی کا مغلوب ہو کر قانون الہی کو توڑ بیٹھتا ہے آپ بھی پریشان ہوتا اور دوسروں کو بھی پریشان کرتا۔ اس قانون کے نافذ کرنے کی خدمت دوسرے کے لوگوں کو سپرد ہے۔ اول انبیا علیہم السلام دوسرے حکام وقت۔ ان دونوں میں انبیاء کے اختیارات زیادہ وسیع ہیں۔ حاکم وقت صرف ظاہر پر حکمرانی کرتا ہے۔ اور پیغمبر ظاہر و باطن دونوں پر حکم وقت تسلخ کو لیتا ہے اور پیغمبر جو کوئی جڑ کی جڑ کو۔ کیونکہ پیغمبر خدا کی مقرر کیا ہے جو منع ہے تمام نیکیوں اور محاسن اخلاق کا۔ حاکم وقت کی روک تھام آدمی کی زبان پر ہے کہ کسی کو گالی نہ دے۔ ہاتھ پر ہے کہ کسی کو مارے نہیں۔ اور پیغمبر کی روک تھام آدمی کے دل پر ہے کہ اُس میں بُرا ارادہ پیدا نہ ہو۔ شرائع ملکی اور وقتی ضرورتوں کے لحاظ سے بدلتی بھی رہتی ہیں مگر ان شرائع کی غرض غایت نہ کبھی بدلتی ہے اور نہ قیامت تک بدلتی ہے۔ وہ کیا ہے دنیا میں امن کا قائم رکھنا۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ پیغمبر و کادین ایک ہے اور شریعتیں مختلف اسکے ہی معنی ہیں جو میں نے بیان کیے

لے کیا ان لوگوں نے آسمان زمین کی سلطنت کے انتظام پر نظر نہیں کیا ۱۲

سوال۔ آپ نے تو دین کا ایک ایسا انوکھا رستہ اختیار کیا ہے کہ میں اس میں کلام کرنے کی گنجائش ہی نہیں پاتا۔ اگر یہی دین ہے تو آپ کا نرا لادین ہی۔ یہ تو فرمائیے کہ دنیا میں کوئی اور بھی اس طرح کے عقیدہ رکھتا ہے یا آپ پر کوئی خاص وحی نازل ہوئی ہے۔

جواب۔ میں نے تو کوئی انوکھا رستہ اختیار نہیں کیا۔ ہماری جمع پونجی جو کچھ سمجھو یہ تھوڑی سی عقل ہے جسے خدا نے محض اپنے فضل و کرم سے عطا فرمائی ہے۔ معلوم ہے کہ عقل جو ہکود دی گئی ہے اور دھوری ہے ناقص ہے ناقص ہے۔ ہزار باتیں ہیں جن کو انسان نہیں سمجھتا اور نہیں سمجھ سکتا۔ مگر جتنی جس کو سمجھ دی گئی ہے وہی ہی اس کی ذمہ داری ہے لایکلف اللہ نفسا الا وسعہا۔ سو ایک تو ہم عقل پر اس کی بساط سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے اور بڑے شکر کی جگہ ہے کہ اس سے دل کو بڑی راحت پہنچتی اور طبیعت مطمئن رہتی ہے۔ دوسرے لوگوں کے دین و مذہب سے تعلق نہیں رکھتے کہ وہ کیا سمجھتے اور کیا کرتے اس واسطے کہ ہم ان کے محتسب نہیں اور ہم سے دوسروں کے مذہب کی باز پرس ہونی ہے۔ ہمارے ہی نفس کے حساب سے فرصت نہیں ہم دیکھتے ہیں کہ ہم بنائے گئے آدمی اور ہکونیکے باکی تمیز دی گئی اور سمجھا دیا گیا وہ رستہ جس پر ہکچلنا چاہیے تھا مگر ہم نے اپنے دل کے کھوٹ اپنی طبیعت کی کم زوری کی وجہ سے وہ حرکتیں کیں جو ایک جانور کے لئے بھی موجب شرم ہیں۔

سوال۔ آپ کی بات کا بھی کچھ ٹھکانا نہیں ابھی تھوڑی دیر ہوئی آپ انسان کو خلیفہ اللہ اور اشرف المخلوقات اور کیا اور کیا بنا رہے تھے۔ یا اب اس کو جانوروں سے بھی گیا گزرا ہوا کر دیا۔

جواب تم نے وہ قطعہ نہیں سنا قطعہ

از ملائک سرشتہ وز جیوہاں	آدمی زادہ طے ہجرت
وز رودنوسے آہن شود بہ اڑاں	گر گندیل میں شو کم نہاں

سوال پر و شفا د باتیں کیسی۔

جواب۔ بس یہ اس کی خلق کہ آدمی کو دونوں طرح کی قابلیتیں ہیں۔ اس کو فاعل بننا چاہے معالج الکمال انسانیہ پرتی کرے کہ یہی اس کا فرشتہ بنا ہے اور چاہے مفعول لسانیہ میں حیوانیت میں اوندھے ہو کر رہے۔

سوال۔ انسان کو اپنی شکست میں ڈلنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔

جواب۔ اب تم لگے خدائی میں دخل دینے۔ ع خدائی باتیں خدا ہی جانے۔ یہ رمز مصلحت ملک خسرواں دہندہ کہ اسے گوشہ نشینی تو حافظہ مخدوشش + یہی وہ گریہ ہے جو اکثر لوگوں کو بھٹکاتی اور بے چین رکھتی ہے اور جب تک یہ لت نہیں چھوٹی کوئی آدمی دین کی طرف سے مطمئن ہونے نہیں سکتا۔

سوال۔ مگر طبیعت کو کیا کیا جائے۔

جواب۔ یہ بالکل سچ ہے۔ ہم نے بھی اسکے ماتوں سے بڑی بڑی پریشانیاں اٹھائی ہیں۔ یہ بھی چاہا کہ اس خیال ہی کو دل میں نہ آنے دیں۔ وہ بھی نہ ہو سکا۔ اور خیال آیا تو اسکے ساتھ طرح طرح کے خدشات آخر بڑے غور کے بعد اب کہیں جا کر طبیعت ٹھکانے سے ہوئی۔

صادقہ کا مذہبی خواب۔ شریعت نصف دین ہے

سوال۔ یہی تو میں بھی چاہتا ہوں۔

جواب۔ چاہتے ہو تو خدا نے چاہا ہو کر بھی ہے گا جو ڈھونڈتا ہے سو پاتا ہے جو دروازہ کھٹکھٹاتا ہے وہ مکان کے اندر بھی آتا ہے مگر میرے سمجھنے میں تو اس کا رستہ یہی ہے کہ آدمی اپنی حقیقت کو سمجھے اور دوسروں سے سروکار نہ رکھے۔

سوال۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ دوسروں سے سروکار نہ رکھے دوسروں کے بدون دنیا جل بھی سکتی ہے۔

جواب۔ شاید یہ بیان کا قصور ہے کہ تم نے میرا مطلب نہیں سمجھا۔ بے شک دنیا میں آدمی اس سے نہیں پیدا کیا گیا کہ دوسروں سے سروکار نہ رکھے۔ دوسروں کے ساتھ سروکار رکھے بدون اسکو بن نہیں آتی بلکہ دوسروں کے ساتھ سروکار رکھنا اسی کو تو میں نے دوسرے نصف دین قرار دے رکھا ہے یعنی لوگوں کے باہمی معاملات اور ظاہر ہے کہ بے تعلقی کی صورت میں معاملات ہو ہی نہیں سکتے۔ میں نے عبادت کی لم تک سمجھائی تھی؟

سوال۔ ہاں اور دل بھی اس کو تسلیم کرتا ہے۔ پھر؟

جواب۔ بات یہ ہے کہ جب ہم ستر یا حاجت ہیں اور ہماری حاجتیں بعض تو ایسی ہیں جو خود خدا کی طرف سے

مہیا کی گئی ہیں اور ان میں کسی مخلوق کو دخل نہیں جیسے ہوا اور پانی مثلاً اور بعض ایسی ہیں جن میں مہیا یا ہمارے انبائے جنس کی تدبیر کو دخل ہو تو وہ بھی حقیقت میں خدا ہی کی طرف سے ہیں۔ جیسے غلہ کہ آدمی اتنا تو کرتا ہے اور اتنا ہی کرتا ہے اور اتنا ہی کر سکتا ہے کہ زمین جو تکرینج وال دیا جب اناج طیار ہو گا کٹا گا کہ گھر میں رکھ لیا۔ مگر آدمی کو جو تنے بونے کاٹنے کا ہنر کا سلیقہ کس نے سکھایا۔ خدا نے۔ زمین میں اناج کے پیدا کرنے کی صلاحیت کہاں سے آئی۔ خدا کے کرنے سے۔ تو اس طور پر جتنی حاجتیں ظاہر ہیں جتنی دکھائی دیتی ہیں کہ ان کو ہم اور ہمارے انبائے جنس مہیا کرتے ہیں وہ بھی حقیقت میں خدا ہی کی طرف سے ہیں پس جو کچھ ہم رکھتے ہیں جو کچھ ہم کو ملتا ہے خدا کا فضل اور اسی کا احسان ہے ﴿مَا لَكُمْ مِنْ نِعْمَةِ فَتَنْنَ﴾ اللہ شہاداً مسکو الضرفالیہ تجاؤن۔ اور ہم اس قدر اس کے احسانات میں بے ہوش ہوئے ہیں کہ اگر ہمہ وقت اس کی شکر گزاری میں لگے رہیں تو اس کی مہربانیوں کا ایک شہ بھی تو ادا نہیں کر سکتے شیخ سعدی نے اس خیال کو کیسے عمدہ پیرائے میں ادا کیا ہے۔ ہر نفس کہ فرو میر و مدحہ چاہا ست و چوں برمی آید مفرج ذات پس در ہر نفس دو نعمتہ موجودست در ہر نعمتہ شکر کے واجب۔ یعنی ایک ادنیٰ سی بات ہو سانس جس کی طرف تکیہ ہمارا ذہن بھی منتقل نہیں ہوتا۔ لیکن ذرا رک جائے تو دیکھو انسان کیا حال ہوتا ہے ضیق النفس کے بیماروں کو نہیں دیکھا۔ گھٹنے دو گھٹنے کے دورے میں مڑے سے بدتر ہو جاتے ہیں پچھانسی کیا چیز ہے۔ گلا گھونٹ کر سانس روک دیا۔ تڑپ تڑپ کر جان بھل گئی۔ اسی قبیل کے اور خیال میں مثلاً مطلع چار طبع مخالف و سرکش چندر وزے بونا با ہم خوش چوں یکے زیر چار شاہ غالب جان شیریں برآہ از قالب مایہ جیش آدمی شکست۔ تا بتدیج میرے غم ست۔ گم بند چناں کہ کشاید۔ گولال ز عمر برکت شاید۔ و کشاید چنانکہ نتوان بست۔ گولٹو از حیاہ دنیا دست

ایک بادشاہ کو اپنی سلطنت کا بیگمنا تھا۔ ایک بزرگ کسی طرح پر اس تک پہنچے اور موقع پا کر کہا کہ بھلا یہ فرمایہ کہ اگر خدا نخواستہ آپ کا پیشاب بند ہو جائے تو آپ اس شکایت کے دور ہونے کے لیے کہاں تک چرچ کریں۔ بادشاہ نے فراسچ کر کہا کہ نصف سلطنت۔ پھر اس بزرگ نے کہا بھلا اگر خدا نخواستہ

سلطان اور جنتہ تھو جا لہر سب اندہی کی دی ہوئی ہے اور جب نصیب پڑتی ہے تو اسی کے آگے نہ گزرتے ہو ۱۱

جاری ہو کر بند نہ ہو تو اُس صورت میں۔ بادشاہ نے کہا دوسرے نصف سلطنت۔ بزرگ نے کہا کہ بس آپ کی سلطنت کی یہ حقیقت ہے کہ موت کی ایک دھار اُس کی قیمت ہے۔ یہ تو اُن لوگوں کے مقولے ہیں جن کو خدا نے اپنی اور دنیا کی حقیقت جاننے بوجھنے کی سمجھ دی تھی۔ اور میں خیال کیا کرتا ہوں کہ انسان کے جسم میں بیشمار مسامات ہیں اور ہر سام میں سیکڑوں طرح کے رنگ پیدا ہو سکتے ہیں اور ایک ایک رنگ زندگی کی تلخ کر دینے کے لئے بس کرتا ہے اور ہم جو ان تمام آفتوں سے محفوظ ہیں تو نہ اپنی تدبیر سے۔ ہماری تدبیر ہی کیلئے ہے۔ کھالیا اور سور ہے۔ کھاتے نوکھالیا اور یہ نہ جانا کہ یہ غذا کیونکر پیدا ہوئی۔ اور کس طرح جزو بدن بنی

ابرو باد و مہ و غور شید و فلک و کاراند	تا تو ناس نے بکھ آری و بغفلت نہ خوری
ہم از بہر تو سر گشت و نہر ماں بردار	شرط انصاف نباشد کہ تو فرماں نہبری

غرض ہزار نعمتیں ہیں جن کا ہر کو شعور بھی نہیں ہوتا وان تعدوا نعمة الله لا تحصوها۔ حق شناسی اور فروغ اور وفاداری اور انسانیت تو اس کی مقتضی تھی کہ ہم ہمہ وقت اُسی کی یادگاری میں لگے رہتے مگر مالا بدلا کلا لایزال کلاہ جتنا ہو سکے جتنی دیر ہو سکے۔ عبادۃ کا یہ ایک پہلو ہے۔ اسکے ذریعے سے ہم اتنی بات ظاہر کر سکتے ہیں کہ ہم احسان فراموش نہیں ہیں انسان عبید الاحسان۔ لیکن ہم کو اس حد پر ٹھہرنا چاہیے نہیں۔ دنیا کا دستور ہے کہ کوئی ہمارے ساتھ سلوک کرے تو ہم اسکے ساتھ سلوک کریں ہل جزاء الاحسان الا احسان لیکن ہمارے اور خدا کے درمیان شکل یہ لگ رہی ہے کہ ہم خدا کے ساتھ کوئی احسان نہیں کر سکتے اسکو ہمارے احسان کی ضرورت نہیں پروا نہیں۔ وہ ہے بے نیاز مستغنی۔ لیکن ماں ایک صورت ہے جس کو جزاء سببۃ سببۃ مثلہا کے قاعدے سے احسان کہا جاسکتا ہے۔ گو وہ حقیقت میں احسان نہیں ہے اور ہل جزاء الاحسان الا احسان میں آخر کے احسان سے اسی طرح کا احسان مراد ہے اب یہ تم بتاؤ کہ ہم بندے خدا کے ساتھ کیا احسان کر سکتے ہیں؟

سوال۔ میری سمجھ میں تو نہیں آتا۔

جواب۔ تمھاری کیا ہمتوں کی سمجھ میں نہیں آتا۔ میں اتنا بتاؤں تو تم اس پہیلی کو جلد بوجھ لو گے ایک مکہ و کٹویا ہے اور ایک ہم ہیں۔ مکہ کے ہم پیکڑوں احسان ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کی

عمل داری میں ہم آرام سے بیٹھے ہیں۔ اسن ہے انصاف ہے۔ ریل ہے تار ہے شفا خانے میں مدرسے
میں نہریں ہیں نئی آرڈر ہیں ویلیو ریل ہیں کلیں ہیں دفانی جہاز میں تجارت ہے غرض وکٹوریا کا عہد ہے
اور ہمارے لیے ہندوستان کی جنت ہے۔ اب فرماؤ کہ ملکہ کے ان تمام احسانات کا کچھ بدلہ دینا یا نہ دینا۔
دینا اور ضرور دینا۔ مگر ہم اسکو کیا بدلہ دے سکتے ہیں۔ یہی کہ ہم اسکے اطاعت گزار وفادار خیر خواہ احسان مند
نوعایا ہو کر رہیں۔ اسی طرح کا برتاؤ ہمارا خدا کے ساتھ ہونا چاہیے۔ کہ وکٹوریا کے دل میں نیکی کا ڈانٹا اُس کو
انتظام کا سلیقہ کھانا اسکو رعیت پروری اور انصاف کی توفیق دینا اسکو مملکت ہند پر تسلط کرنا یہ سب اُس کے
احسانات ہیں ورنہ بے خدا کی امداد کے ملکہ بچاری کیا کرتی اور کوئی کیا کر سکتا ہے یہ اسی کے تصرفات قدر
ہیں کہ کروڑوں دلوں کو ایک عورت ذات کے ہاتھ میں سخر کر رکھا ہے کہ آپ نہروں کوں دیر ٹھہری ہو اور
یہاں پتہ تک نہیں کھڑکنے پاتا۔ جس طرح ملکہ کی وفاداری کی شرط یہ ہے کہ ہم اُس کے انتظام رخنہ انداز
نہ ہوں اسی طرح ہمارے بندہ ہونے کی شرط یہ ہے کہ ہم خدا کے انتظام میں فتور نہ ڈالیں اور جہاں تک
ہم سے ہو سکے اور ہم میں ہی کس قابل مگر خیر جہاں تک ہو سکے اُس کے انتظام کو رونق دیں۔ اُس میں
سہولت اور عمارت پیدا کریں۔ بس یہ ہے ساری شریعت کا خلاصہ۔ شریعت کے جتنے احکام ہیں وقت کے
محافظ سے ملک کے محافظ سے لوگوں کی ضرورتوں اُن کی طبلہ اور رسم و عادات کے محافظ سے لوگوں
کے باہمی معاملات درست رکھنے اور انتظام دنیا کو آسانی کے ساتھ چلنے دینے کی غرض سے بناؤ گئے
ہیں۔ ان میں سے بعض کی مصلحتوں کو ہم سمجھتے اور بعض کی نہیں۔ اور یہ دنیا کے قوانین کیا ہیں۔ یہ بھی
ایک طرح کی شریعت ہے اور اس شریعت کی عرض بھی وہی ہے دنیا میں اسن وعافیت کا قائم رکھنا۔ یہی
خیال ہو جس کو لوگوں نے الخلق عیال اللہ کے پر اپنے میں ظاہر کیا ہے۔ یعنی خدا تو جو روپے نہیں رکھتا
اور اُن کی شان اس سے ارفع واسطے ہو۔ مگر ہم جو اُن کا برتاؤ خلقت کے ساتھ دیکھتے ہیں اس سے معلوم ہوتا
ہے کہ اُسکو مخلوقات کی ایسی پر دخت منظور ہے جیسی ہم میں سے کسی کو اپنے عیال کی ہوتی ہے تو ہم کو
چاہیے کہ خلق اللہ کو عیال اللہ سمجھ کر ان کا پاس کریں۔ اور دنیا میں جو مصیبت ہے ضرور اس میں کوئی مصلحت
مضمون ہوگی اور جب نہیں کہ اُس مصلحت میں یہ بھی ہو کہ ہکوان اظہار شکر کا موقع دیا جائے اور وہ نہیں

مگر بنائے جنس کی مصیبت میں کام آنا ان کی حالت کے بہتر کرنے میں کوشش کرنا۔ یہ متعارف عبادتیں جو وضع ہوئی ہیں ان کی غرض یہ ہے کہ ہم خدا کے خیال کو تازہ رکھیں مگر صرف خیال کو تازہ رکھنا کوئی چیز نہیں اس کا نتیجہ ہونا چاہیے عیال و کولف پہنچانا۔ لوگ زینے کی پہلی سیڑھی پر اگر ٹھٹک جاتے ہیں آگے کو قدم نہیں بڑھاتے اور یہ نہیں سمجھتے کہ زینہ ٹھیرنے کی جگہ نہیں۔ تو وہ جو میں نے کہا تھا کہ دین دار بننے کا راستہ یہ ہے کہ آدمی اپنی حقیقت کو سمجھے اور دوسروں سے سروکار نہ رکھے اس کا یہ مطلب نہ تھا کہ آدمی دنیا سے بے تعلق ہو جا بلکہ غرض یہ تھی کہ دوسروں کے دین نہ ہر کچھ نہ پڑے۔

صادقہ کا مذہبی جواب۔ عاقبت

سوال۔ اوہو اس پر تو ایک بڑا سخت اعتراض وارد ہوتا ہے کہ دین کی ساری ٹوٹھڑام سے گھر پڑتی ہے لیکن اس اعتراض کے بیان کرنے سے پہلے میں ایک آؤ خدا سے آپسے رفع کرنا چاہتا ہوں کہ دنیا میں جو آدمی سے گناہ سزا ہو رہے ہیں میں مانتا ہوں کہ خود آدمی کا نفس اُن کے لیے اُسکو ملا متہ کرنا اور جب تک وہ اُس گناہ کی سزا نہ بھگت لے اُس کو تسکین نہیں ہوتی۔ اور اسی سے اُسکو یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ مجھے نیچے اُس کو ایک طرح کی ہستی ہوگی اور اُس ہستی میں اُس کو اپنے کیے کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا مگر یہ تو فرمایا ہے کہ ہستی حاضی محدود چند روزہ اور وہ ہستی ابدی دائمی مستمر سزا بمناسبتہ جرم تو نہ ہوگی۔ غرض عیدِ ظلالِ حق کے بارے میں میں آپسے بیان شافی چاہتا ہوں۔

جواب۔ بیان شافی تو یہی ہے کہ اس طرح کے خدشات کو ذہن میں نہ آنے دو۔ اُس ہستی یعنی عاقبت کے بارے میں ہماری ذاتی معلومات تو کچھ بھی نہیں اور کچھ ہو بھی نہیں سکتی۔ اس پر بھی دل بول رہا ہے کہ یہی ہو اور کسی طرح کی جو مگر ہے ضرور۔ ناں خدا نے اپنے پیغمبر کے ذریعے سے اُس ہستی کے بعض حالات جن کا ظاہر کرنا اُس نے مناسب سمجھا بیان فرمائے ہیں۔ اُن کو یقین کر لینے کے سوا اسے چارہ نہیں۔ اُن حالات کی زیادہ تفتیش کرنا ہمارے عقل کی رسائی سے باہر ہے اور ہمارے حق میں کچھ مفید بھی نہیں۔ ہمارے لیے اتنا بس کرنا ہے کہ عاقبت اور آخرت ہے اور دارِ آخرت ہے اور اسکو یہ کسی کے بتائے سمجھائے ہم باور کرنے ہیں اور خلود اور ہمیشگی کی نسبت جو کچھ خداوندہ واقعہ ہو اور کچھ بات نہیں۔ ہم دنیا میں بھی دیکھتے ہیں کہ آدمی

ایک غلطی کرتا ہے اور وہ غلطی شاید اس نے چند منٹ میں کی مگر اس کا خمیازہ اس کو عمر بھر بلکہ شاید اس کی نسلوں کو بھی بھگتنا پڑتا ہے۔ مثلاً ایک آدمی نے سنگھیا کھالی اگر وہ مرا نہیں تو جب تک جیسے گا اپنے کینے کو روئے گا اور عجب نہیں سنگھیا کا اثر اس کی نسلوں میں بھی جاری اور ساری ہے۔ دنیا کا سزاؤں میں پچھانسی یا دائم جہم یا کسی مدت کی قید یہ کیا ہے۔ اگر یہ قرین انصاف ہے تو خالد بن ولید کیوں قرین انصاف نہ ہو۔ تم اس وقت پر نظر کرتے ہو جو ارتحاب جرم میں صرف ہوا نہ نفس جرم کی بدی اور اسکے نتائج پر اور وقت کی کہو تو چوری میں زیادہ دیر لگتی ہے اور آدمی کو چٹکی کے بجائے میں مار دیا جاسکتا ہے تو کیا آدمی کا ہلاک کرنا چوری سے بھی گیا گزرا ہوا؟ قرار داد ہلکے لیے جرموں کا صحیح نازا کرنا کچھ آسان کام نہیں۔ خدا جانے کتنی مصالحتوں پر نظر رکھنی ہوتی ہے جن کو مقضی ہی خوب سمجھتا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام جب اپنی قوم کی طرف سے باطل مایوس ہو گئے۔ تو انھوں نے بد دعا کی دیکھا کہ: *عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دِيَارًا إِنَّهُم يَفْضُلُوا عَمَّا ذَلِكُمْ وَيَلْمِزُوا آلَاءَ اللَّهِ وَلَا يَخْتَارُوا* فاجرا کفار! اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کی اُمّت کا مرض علاج پذیر نہ تھا اور وہ تھے طیب حاذق سمجھ چکے تھے کہ یہ تو کیا اچھے ہوں گے ان کی جو نسلیں چلیں گی وہ بھی ان ہی کی طرح روگی ہوں گی۔ اور روگ بھی مستحالی اس سے بہتر ہے کہ یہ صنف ہی معذور مگر دی جائے۔ اور یہ جو دنیا میں شرافت نسب کی قدر کی جاتی ہے اور کہتے ہیں اصل بزاز خطا خطا آخرا اس کی بھی کچھ نہ کچھ تو حملیہ ہے ہی۔ حیوانات اور نباتات تک میں اس قاعے کا عمل رآمد دیکھا جاتا ہے تو آدمی میں کیوں نہ ہو۔ اگرچہ ہم نے تم کو سمجھانے کے طور پر اتنا کہا مگر کچھ میں تمکو نصیحت کرتا ہوں کہ طبیعت کئی افتاد اچھی نہیں اس خط کو سے نکالو کہ یہی مگر ای کی جڑ ہے۔

صداقہ کا مذہبی خواہش - مذہبی مباحثہ بڑی بڑی بات ہے

اچھا وہ اعتراض تو فرمائیے جبکی نسبت آپ کہتے تھے کہ دین کی ساری عمارت دھرم سے گری پڑتی ہے سوال۔ ہاں آپ نے کہا تھا کہ آدمی کو چاہیے دوسرے کے دین مذہب سے سروکار نہ رکھے۔ اول تو یہ ہو ہی کیسے سکتا ہے۔ آدمی آدمی سے ملے گا ایک جگہ رہے گا تو کیونکر ممکن ہے کہ ایک کے خیالات ایک پر ظاہر نہ ہوں اور یہی تو دنیا میں آگئی پیدا کرنے کا بڑا ذریعہ ہے اور اگر آدمی دوسروں کے خیالات

استفادہ نہ کرے تو وہ کسی بات میں بھی ترقی نہیں کر سکتا۔ اور جو شخص اپنی منفرد اسے پر اعتماد کرنا اور دوسروں کی بات کو سننا نہیں چاہتا میں نہیں سمجھتا کہ وہ غلطیوں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

جواب۔ تمھارا یہ خیال ایک حد تک صحیح ہے۔ بے شک لوگوں میں جس طرح ضرورتوں کا تبادلہ ہوتا ہے خیالات کا بھی ہوتا ہے اور اغراض تین میں سے یہ غرض ہے عمدہ اور سب سے ضروری ہے مگر تم نے اس خیال کو کسی قدر زیادہ وسیع کر دیا ہے۔ بہت سی معلومات اس قسم کی ہے کہ ہمارے اُس کے پاس میں لوگوں سے پوچھنے گچھنے اور اُن کی رائے دریافت کرنے کی کچھ ضرورت نہیں۔ مثلاً روز روشن میں آفتاب چمکے گا ہے اور ہم اُس کو اپنی آنکھ سے چمکتا ہوا دیکھتے ہیں تو ہم لوگوں سے پوچھتے نہیں پھر تے کہ آفتاب چمکے گا ہے یا نہیں۔ ہمارے بھوک لگی ہے تو ہم کو کسی سے صلاح لینے کی ضرورت نہیں ہوتی کہ بھوکے یا نہیں اور ہم تو اس خواہش کے پورا کرنے کی کیا تدبیر ہے۔ دو اور دو کے چار ہونے میں ہمارے کچھ تردد نہیں ہوتا۔ دین مذہب بھی یہی ہے کہ نزدیک اسی قسم کی ایک بات ہے۔ جس طرح بیٹ میں بھوک کا تقاضا پیدا ہوتا اسی طرح دل میں دین مذہب کا اور جس طرح وہ شخص جس کو بھوک لگی جانتا ہے کہ یہ خواہش کیونکر پوری ہوگی اُسی طرح وہ شخص جس کے دل میں دین مذہب کا تقاضا ہے یعنی ہر فرد بشر بخوبی جانتا کہ اس تقاضے کے تسکین کی کیا تدبیر ہے۔

سوال۔ تو خدا کی طرف سے پیغمبروں کا آنا کتابوں کا نازل ہونا سب سے بڑا کار۔

جواب۔ بے کاریوں۔ اسی بھوک کی خواہش کو لو کیا تم خیال کرتے ہو کہ آدمی کو بھوک لگی اور بھوک کا احساس جتنے ہی اُس کا پیٹ بھر گیا۔ نہیں اُسکو درکار ہوگی غذا۔ اور معمولی غذا کا حال یہ ہو کہ کسی شخص نے حساب کر کے ثابت کیا تھا کہ تین سو آدمی کا ہاتھ لگتا ہے تب ایک انہ میسر آتا ہے۔ خیر تین سو میں کسی قدربالغہ ہو تا ہم قدرتی اسباب کے علاوہ کاشتکار بڑھئی لوہار چار ضرور نلائے والے کاٹنے والے گلانے والے اتار کو پیسنے والی پکانے والی اتنے آدمیوں کے بدون تو غذا امیا ہو نہیں سکتی۔ جب ایک غذا کے لئے اتنے کی ضرورت ہو تو دین و نہر کے لئے کتا بوں اور پیغمبروں کی ضرورت کیوں نہ ہو۔ بھوک کے مضطر ہو کر انسان کھا لے سکتا ہے وہ چیز بھی جو اس کو نقصان کرے تو اس کے لئے چاہیے طیب۔ اسی طرح کا دینی طیب ہے پیغمبر

کیوں ہے یا نہیں۔

سوال۔ تو پیغمبر لوگوں کے دین و مذہب سے سروکار رکھے یا دین تبلیغ رسالہ کیلئے کر کتاب ہے۔

جواب۔ کیا خوب۔ قیاس مع الفارق۔ میں نے حکم وضع کیا کہ لوگوں کے دین و مذہب سے سروکار نہ رکھو۔ پیغمبر و کل یہاں کیا مذکور ہے۔ وہ تو لوگوں کے دین کی اصلاح کرنے کے لئے آئے تھے۔

سوال اچھا قرآن میں وہ جو ایک آیت ہے وَلَنْ تَكُن مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَدْعُونَ لِيُخَيَّرُوا يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ

عَنِ الْمُنْكَرِ ۚ اُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ یہ کون لوگ ہیں۔

جواب۔ یہ یہی ہمارے مولوی اور وعظ۔ سوال کو بھی اپنے گروہ کے دین و مذہب سے ناصحانہ مشفقانہ اور محتانہ سروکار رکھنے کا حکم ہے نہ مخالفانہ معارضانہ معاصیانہ۔

سوال۔ نصیحت بے مخالفت کے ہوتی نہیں سکتی۔

جواب۔ مخالفت نہیں۔ اختلاف کہو اختلاف اور اگر ایسا ہو کہ نصیحت بے مخالفت کے نہ ہو سکتی ہو تو میں ایسی نصیحت کو روا نہیں رکھتا اس واسطے کہ مخالفت سے تفرق پیدا ہوتا ہے جس کی سخت مناسبت ہو کہ لا تفرقوا افسوس ہے کہ ہم تم ایسے امر میں بحث کر رہے ہیں جو نہ تم کو درکار ہے اور نہ مجھ کو۔ تم مولوی نہیں واعظ نہیں میں بھی نہیں۔ اور غالباً مولوی یا واعظ بننے کا تمھارا ارادہ بھی نہیں میرا بھی نہیں۔ تو جو مولوی اور واعظ ہوں ان ہی کو ینہم دین الله اس کا فیصلہ کرنے دو کہ ان کو کیا کرنا چاہیے اور کیا کر رہے ہیں۔

سوال۔ بے شک میں مولوی نہیں واعظ نہیں اور مولوی اور واعظ بننا بھی نہیں چاہتا۔ مگر یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ آدمی دوسرے کے دین و مذہب سے سروکار کیوں نہ رکھے۔ جب تمان کی غرض نہ نجات یہ کہ ہم ایک دوسرے کو فائدہ پہنچائیں تو اس سے بڑھ کر اور کون فائدہ ہو سکتا ہے کہ لوگوں کی دینی غلطیوں کی اصلاح کی جائے۔

جواب۔ اول تو کسی شخص کو اسکی دینی غلطیوں کی اصلاح کے لئے دوسرے کی مادی ضرورت نہیں اسکو خدا نے عقل دی ہے سمجھ دی ہے وہ آپ ہی غلطی کرتا اور آپ ہی اس کی اصلاح پر قادر ہے۔ دوسرے نفوس انسانی کچھ اس طرح کے واقع ہوئے ہیں کہ دنیا میں افہام تفہیم سے کام لے کر کسی نہیں ہوتی اور اگر افہام تفہیم سے

کار بر آئی ہونے والی ہوتی تو کبھی کا ساری دنیا کا ایک مذہب ہو گیا ہوتا کیونکہ کسی وقت کسی مذہب میں سمجھانے والوں کا توڑا نہیں رہا۔ بلکہ سچ پوچھو تو اتنے سمجھنے والے نہیں جتنے کہ سمجھانے والے ہیں اس پر بھی ہم نے تو کسی فتنے کو مباحثے اور مناظرے میں مغلوب ہو کر دنیا کے پردے سے محروم نہیں کیا۔ ہاں ایسا تو ہوا ہے کہ ایک عقیدے کے معرکہ و چند آدمی چلے گئے اور اتفاق سے ان کی نسلیں اگلے کو جلنی بند ہو گئیں۔ اب اختلاف مذہب کا یہ حال ہے کہ شاید ہی کوئی برس جاتا ہو گا کہ کوئی نہ کوئی نیا فرقہ نہ پیدا ہوتا ہے۔ اور یہ تو میں نے بڑے بڑے نامی اور مشہور فرقوں کے اعتبار سے کہا اور نہ میرا خیال تو یہ ہے کہ کسی ایک آدمی کا عقیدہ تمام و کمال دوسرے آدمی کے عقیدے سے نہیں ملتا۔ ایک شاید نماز کا بڑا اہتمام رکھتا ہے۔ دوسرا کہتا ہے کہ نماز تو آٹھ دن پانچ وقت سر پر کھڑی ہے روزے بچا کر کب کب کھاتے ہیں۔ برس ہیں ایک بار۔ کچھ بھی ہو یہ ناغہ نہ ہوں۔ ایک حقوق اللہ کا پاس کرتا ہے۔ دوسرا مستغنی ہے کہ حقوق اللہ اگر ضائع ہوں تو وہ غفور و رحیم ہے بخش بھی دے گا۔ حقوق العباد کی بڑی ٹیٹھی کھینچے۔ خدا کسی بندے کا حق تلف نہ کرے کہ اس کی کچھ تلافی ہی نہیں۔

سوال۔ مگر اس کا سبب کیا ہے۔

جواب۔ اس کا سبب ہے انسان کی خلق۔ جس طرح ایک کا چہرہ مہرہ دوسرے کے چہرے مہرے سے نہیں ملتا اسی طرح ایک کے خیالات دوسرے کے خیالات سے نہیں ملتے۔ بات یہ ہے کہ انسان اس طرح کا مخلوق ضعیف ہے کہ وہ متاثر ہوتا ہے تعلیم سے تربیت سے صحبت سے سوسائٹی سے رسم و رواج سے ملکی و علاقائی ہواست مزاج شخصی سے اپنی خواہشوں سے اپنی ضرورتوں سے اور کوئی جان نہیں سکتا کہ یہ سب باتیں جمع ہو کر کیا نتیجہ پیدا کریں گی۔ اب لوگوں کے اختلاف مذہب کی وجہ سمجھو؟

سوال۔ سمجھا تو سی مگر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اختلاف کبھی رفع ہونے والا نہیں۔

جواب۔ بے شک۔ نہ رفع ہوا ہے اور نہ رفع ہوگا۔ ولا یزالون مختلفین الا من رحم ربک ذلک الخلفہم

سوال۔ تو ہر پھر کب پھر دی بات اگنی کہ کتابوں کا نازل کرنا پیغمبروں کا بھیجنا فضول۔

جواب۔ نہیں۔ فضول ہے مگر نہیں۔ دنیا کے قوانین بھی انسداد جہاں کی غرض سے بنائے جاتے ہیں

اور پھر بھی کلی انسداد نہیں ہوتا اگر دنیا کے قوانین فضول ہوں اگر دنیا کے قوانین سے کچھ فائدہ نہ ہوتا ہو تو دینی قوانین یعنی مذہب بھی فضول اور اس کو بھی بے سود محض خیال کیا جائے۔ مگر دنیا میں جتنا کچھ اس پر جتنی کچھ ہے سب مذہب کی طفیل سے تو مذہب فضول کیوں ہونے لگا۔ اور پھر یہ بحث لینے جاتی ہے جو قدر کی طرف جس میں غور اور غوض کرنے کی ممانعت ہے اور ممانعت کے علاوہ انسان کی فہم سے بالاتر ہے اور اسکے حق میں مفید بھی نہیں۔

سوال۔ افسوس ہے کہ لفظوں کو بدل بدل کر اسی مضمون کو پھر دہرانا پڑتا ہے۔ مذہب بکا آتا ہے تو اس کی اشاعت کیوں بکا آتا نہ ہو۔ اور اشاعت بے افہام و تفہیم کے ہونے سے کتنی اور اسی کے آپ مخالف ہیں۔ **جواب**۔ میرے نزدیک دین کی جس قدر اشاعت کو خدا نے انسان کے حق میں مصلحت سمجھا وہ سب سچی اور سچی نکتہ ہے ختم رسالہ میں یعنی خدا نے ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین بنایا اور فرمایا کہ اب ہماری طرف سے وحی کا بھیجا جانا ہمیشہ ہمیشہ کو بند رہے گی یعنی ہیں کہ دین و مذہب کے متعلق جو کچھ خدا کو سمجھانا منظور تھا سمجھا چکا۔ اور انسان کی ہدایت کے لیے اسکو کافی اور کافی سمجھا۔ اب دین کا جتنا عمل دنیا میں بچ چکا ہے وہ قیامت تک فرو ہونے والا نہیں۔

سوال۔ فرو ہونے والا تو اسی سے نہیں نہ کہ لوگ چرچا کرتے رہیں سو آپ تو چرچے کو منع کرتے ہیں۔ **جواب**۔ کچھ قانون کے منع کرنے سے لوگ جرموں سے باز آگئے ہوں گے کہ میرے منع کرنے سے دین و مذہب کا چرچا چھوڑ دیں گے۔ مگر یہ تو سمجھو کہ دنیا کا رنگ دیکھ کر مصلحت وقت کیا ہے۔ چرچا کرنے سے اصل عرض فوت ہوتی ہے۔ یوں تو ساری دنیا ہی عجائبات کا ایک طلسم ہے۔ انسان خود عجیب طرح کا مخلوق ہے اور اس سے زیادہ عجیب ہے اس کا مذہب۔ مذہب نام ہے من سمجھتی کا کل حزب بالذیہم فرعون جس کا جو عقیدہ ہے وہ اسکو اور اسی کو اور صرف اسی کو نجات کا راستہ سمجھتا ہے اور اپنی جگہ خوش ہو سکے۔ من یعنی دل یکساں نہیں ہے کے مزاج یکساں نہیں سب کی عقل یکساں نہیں سب کی تعلیم و تربیت یکساں نہیں سب کی صحبت یکساں نہیں سب کی سوسائٹی یکساں نہیں سب کی خوشنیں یکساں نہیں سب کی ضرورتیں یکساں نہیں کہ یہی سب چیزیں انسان کی رائے پر اثر کرتی ہیں تو سب کی من سمجھتی بھی یکساں نہیں ہوتی چاہئے۔ اور

واقع میں ہے بھی نہیں اور پوچھتی بھی نہیں کیونکہ مذہب ٹھیک ایمان بالغیب کہ خدا کو کسی نے دیکھا نہیں
بجلا نہیں۔ ایسا تو خدا ہے جسکو ماننا پڑتا ہے۔ یہ ہے مذہب کا اصل اصول۔ اس کے بعد کچھ صلاح دنیاوی
اور زیادہ تر اصلاح آخرتہ۔ جس کے مقابلے میں دنیا کی کچھ بھی حقیقت نہیں۔ کجا حیات ابدی اور کجا ساتھ ستر بریں
اس کا بھی بھروسہ نہیں انسان کی مخلوقات کا حال یہ کہ کوئی نہیں جانتا اور کوئی جان نہیں سکتا کہ کل کیا پیش
آئے گا۔ مائدی نفس مآذا تکلیب خدا تو جس کو کل کی اور کل کی بھی کیسی اسکے لمحے کی بھی خبر نہ ہو وہ حالات
بعد المات میں رائے نہ کرے کیا خاک۔ مذہب کے بارے میں لوگوں کی ایسی مثال ہے کہ ایک کو ٹھہری
تیرہ و تار یک۔ رات کا وقت اور رات بھی اندھیری کو اڑنا آگے۔ سے پڑے ہوئے پر دے۔ اور پڑے
اور غلط کلمات فی بحر لچی بیضا موج من فرقہ موج من فرقہ کتاب ظلمات بعضہا فوق بعض اذا الخرج
یہ لہ یکدیرا ہا۔ ایسے وقت میں ایسی جگہ پر اندھے لڑکیاں لے لے کر چلے مارنے کالی چنیوٹی چنیوٹی
تو کیا مار کھاتی لگے آپس میں سر پھٹول کرنے۔

سوال۔ حقیقت میں مذہب بھی عجیب چیز ہے۔

جواب۔ بے شک۔ اور ابھی کیا ہے۔ اور سنو۔ بول بہتیری باتوں میں لوگ آپس میں اختلاف کیا
کرتے ہیں ۵ گلمائے رنگ رنگ ہے رونق چین ۴ اسے فوق اس جہاں کو ہر ذریعہ اختلاف
اور اختلاف کسی قسم کا اور کیسا ہی خفیف کیوں نہ ہو۔ اس میں کسی نہ کسی قدر مخالفت تو ہوتی ہی ہے۔ مگر مذہبی
اختلاف تو عجیب طرح کا اختلاف ہو کہ یہ فوراً راۃ کی طرف منجر ہو جاتا ہے اور راۃ بھی ایسی سخت کہ وہ
فریقین میں اتہام ہونے نہیں دیتی۔ دنیا میں حسنی خوں ریزی ابتدا سے آخر تک ہوتی ہے اگر اس کی ایک
فہرست بنانی ممکن ہو اور بنائی جائے۔ اور ہر ایک خوں ریزی کے سبب تحقیق کیے جائیں تو میرا خیال
یہ ہے کہ دوسرے تمام سبب کے نامہ اعمال میں ایک چھٹانک خوں ریزی ہوگی تو مذہب کے نامہ اعمال
میں ایک بن یا اس سے بھی زیادہ بلکہ وہ ایک چھٹانک جو دوسرے تمام سبب کے نامہ اعمال میں ہوگی
اس میں سے بھی اکثر میں حضرت نابھے ضرور اپنی ٹانگ پھنسانی ہوگی۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ یہ بادشاہ
بادشاہ لڑتے ہیں طع ملک گیری سے لڑتے ہیں آپس کی ضد سے۔ اور نام کرہتے ہیں کروٹ کا جلا

مذہبی لڑائی کا۔ گویا لڑائی ایک ناکستے اور ہر میں شوخی اور سنجیدگی نہیں آتی تا وقتیکہ اسکو مذہب کا ڈوب نہ دیا جائے جس طرح سب سے زیادہ خوں ریزی دنیا میں مذہب کی وجہ سے ہوتی ہے اسی طرح میرا خیال ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ گناہ مذہب کی آڑ میں ہوتے ہیں۔ خاص کر حقوق العباد کے متعلق۔ نزدیک و آتنا معلوم ہو جائے کہ ہر کسی فرد کی ہی مسئلے میں اُس کا ہم عقیدہ نہیں پھر قرابتہ ہمسائی ہموطنی انسانی ہجر کے کتنے ہی حقوق کیوں نہ ہوں زیادہ ہے کہ اُس کی نظر میں سب ضائع۔ پھر انسانی طبیعت کو دیکھتے ہیں تو نفوس متہی کے سوائے کچھ ہر مانے میں شاذ و نادر میں والٹاد رکالعدم کوئی نفس حسہ خالی نہیں ٹھوڑا ہوا بہت۔ ہر شخص اپنی جگہ یہی چاہتا ہے کہ خدا کی جتنی نعمتیں ہیں سب کا وہی ٹھیکہ داؤد تو عقل باور نہیں کرتی کہ ہمدردی اخص مذہبی کی باعث ہو یعنی ہر شخص جو یہ چاہتا ہے کہ ساری دنیا اُسی کی ہم عقیدہ ہو کیا لوگوں کی خیر راہی نے اُس کو اس خواہش پر مجبور کر رکھا ہے اور اُس کو ایسا دل درد مند دیا گیا ہے کہ وہ لوگوں کو مستلا سے عذاب الہی دیکھ نہیں سکتا۔ اگر ایسا ہوتا تو اسکی فیاضی دنیا کی باتوں میں بھی ضرور ظاہر ہوتی ہوتی۔ مگر دنیا میں تو ہم کسی کو ایسا فیاض نہیں پاتے تو معلوم ہوا کہ خیر خواہی اور عام ہمدردی کے سوائے تعصب مذہبی کا کوئی اور سبب ہے۔ اور وہ نہیں ہو مگر خود پسندی کی انسان جب مذہب کے بارے میں ایک رائے قائم کر لیتا ہے چاہتا ہے کہ فور لوگ بھی اسکو تسلیم اور اس کی تعویب کریں۔ یہ ہے اصل بل اُس تعصب مذہبی کی جو وہ اپنے عام کی طرح لوگوں میں پھیلا ہوا سوال۔ اس کا نتیجہ سوائے اسکے اور کیا ہوتا ہے کہ دین کا چرچا بالکل موقوف ہو جائے۔

جواب۔ موقوف ہو جانا بہتر ہے نسبت اسکے کہ چرچا ہوا اور ایسی بھڑکائی طرح ہو کہ دنیا سے امن عافیت اٹھ جائے اور لوگوں میں ایسی عداوت قائم ہو کہ سازگاری کے ساتھ زندگی نہ بسر کر سکیں۔

سوال۔ ہم تو اب تک یہ سمجھتے تھے کہ دین کی خدمت سے بہتر اور عمدہ اور شریف کوئی کام نہیں اور شاید ساری دنیا کا اس پر اجماع ہے اور ہر مذہب میں اسکے پیشوا وجہ التعلیم سمجھے جاتے ہیں۔

جواب اس سے کہ لوگ کیا کرتے اور کیا سمجھتے ہیں ہکو کوئی بحث نہیں۔ ہکو تو اتنی بات دیکھنی ہو کہ دین کی خدمت جس طرح پر ہو رہی ہے دین کے حق میں مفید ہے یا نہیں۔ سو سیکڑوں برس کے تجربے

سے بخوبی ثابت ہو گیا کہ اس طرح کی خدمت سے فائدے کی جگہ دین کو الٹا نقصان پہنچتا ہے۔ دشمنیاں پھیلتی چلی جاتی ہیں اور اختلاف مذہب کے لوگوں کو متفق نہیں ہونے دیتا اور اس کا ضروری نتیجہ ہے ضعف سوہر جگہ ظاہر ہے۔ جو شخص بوجے سے بود اور غلط سے غلط عقیدہ بھی رکھتا ہے از بسکہ محکوم سے سوسائٹی کا تربیت کا ملکی آب و ہوا کا مزاج شخصی کا کچھ نہ کچھ تاویل کر لیتا ہے اور اپنی جگہ اس کو تسلی ہے اب جو اسکو اسکے خلاف سمجھایا جاتا ہے بشرطے کہ سمجھانے کے طور پر سمجھایا بھی جائے اسکی ضد ہوتا اور غلطی پر اصرار کرنے لگتا ہے۔ اگر اس کو اس کی آنکھ کا ناخن دکھایا جائے تو وہ ناخن کا علاج نہیں کرنا چاہتا بلکہ اس خیال سے کہ اس کی عیب جوئی کی گئی ہے اس فکر میں پڑ جاتا ہے کہ اُسے میری آنکھ میں ناخن بتایا لاؤ میں اس کی آنکھ میں ٹینٹ دکھا دوں اور کس کی آنکھ عیب سے خالی ہے غرض یہ اس کے نزدیک بھی بھنگا ہے تو وہ اُسکے نزدیک کا نر آکھ کسی کی بھی صاف نہیں۔

سوال یہ بالکل سچ ہے کہ اختلاف مذہب کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں بڑے بگاڑ پڑ گئے ہیں مگر اس حالت میں ہم کو ضرور ہے کہ اپنے گروہ کو قوت دیں اور اس سے بڑھ کر کوئی قوت ہو نہیں سکتی کہ لوگ کثرت سے ہمارے ہم عقیدہ ہوں پس میں تو سمجھتا ہوں کہ ان دنوں مذہبی مناظرات کی سخت ضرورت ہے جواب اگر لوگوں کو حق کی تلاش ہو تو مناظرہ بھی کام آسکتا ہے ورنہ مناظرہ مذہبی سے بدتر کوئی چیز نہیں۔ زمانے کا رنگ یہ ہے کہ نہ کہنے والوں کو اظہار حق کا تقاضا اور سلیقہ اور نہ سننے والوں کو حق کی جستجو کیا تم خیال کرتے ہو کہ جتنے مذہبی فرقے دنیا میں ہیں سب بے باغی اور مناظرے سے پیدا ہوئے ہیں اور بے باغی اور مناظرے ہی کے بل پر چل رہے ہیں۔ ایسا خیال تو صریح غلط ہے۔ معتقدات مذہبی میں بہت سی باتوں کو دخل ہو جیسا کہ میں نے بار بار کہا ہے۔ ان میں ایک حق بھی ہے یعنی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آدمی تفتیش و تحقیق کے بعد ایک عقیدے کو حق سمجھ کر اختیار کرتا ہے لیکن ایسا بہت ہی کم ہے۔ اکثر بلکہ عام یہ ہے کہ جو شخص جس عقیدے کے لوگوں میں پیدا ہوا جس عقیدے کے لوگوں میں اُس نے تربیت پائی جس عقیدے کے لوگوں میں اُن ہی کا سا عقیدہ اس کا بھی ہوتا ہے اور وہ ہمیشہ قلب ہی عقیدے کو حق سمجھتا ہے اور اُسکے لئے حق ہے بھی وہی۔ تو مذہب ایک

ستوارش چیز ہے جیسے مال و جان و دیا جمانی بناوٹ پس ابتدا سے عمر میں لوگ ایک عقیدے کے پیرو ہوتے ہیں اس واسطے کہ انھوں نے اپنے بزرگوں کو اسی عقیدے کی پیروی کرتے دیکھا ہے۔ بڑے ہو کر سو میں ننانوے تو انکھ بند کیے ہوئے اسی عقیدے پر چلے جاتے ہیں۔ کوئی اگا وگا ایسا ہوا کہ اُس نے اُس عقیدے کی جانچ پرتال کی اور فرض کرو کہ اُسکو اُس عقیدے میں کوئی نقص دکھائی دیا تو اُس نے وہ اُس کی کچھ نہ کچھ تاویل کر لی۔ غرض عقیدہ وہ کا وہی رہا۔ کوئی شاذ و نادر ایسا بھی ہوا کہ تاویل کر کے تو اسے عقیدہ بدل ڈالا۔ مگر ایسے لوگ کتنے ہیں اور کس حساب میں۔

سوال۔ لیکن دنیا میں نہ ہی لڑائی اس قدر پھیل گئی ہے کہ اب چپ رہتے بھی تو نہیں بن پڑتا۔ ممکن ہے کہ ہم اپنی طرف سے چھیڑ چھاڑ نہ کریں لیکن دوسرے بھی چین سے بیٹھے دیں۔
جواب۔ یہ سچ ہے لیکن پھر بھی اسکے انفرادی کوئی تدبیر ہے تو خاموشی ہے۔

سوال۔ خاموشی کا ایک بڑا زہن نتیجہ یہ ہے کہ اُس سے اپنا ضعف ظاہر ہوتا اور اپنے ہی گروہ کے لوگ شکوک اور شبہات پیدا کرنے لگتے ہیں خصوصاً وہ جن کی دینی معلومات بالکل نہیں یا ہے اور ناقص ہے تو کم سے کم اپنے گروہ کو سمیٹے رکھنے کے لئے تو مذہبی چھیڑ چھاڑ کا جاری رکھنا پڑے ہی گا۔

جواب۔ میں تو دیکھتا ہوں کہ اب اس کا بھی وقت نہیں۔ ایک بڑی غرابی جو اس شان میں ہے یہ ہے کہ آدمی دوسروں کے ستوارنے میں آپ بگڑتا ہے۔ اُسکو دوسروں کی آنکھ کے ناخنے تو خوب سوجھ پڑتے ہیں اور اپنی آنکھ کا ٹینٹ نظر نہیں آتا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے تئیں مقبول و دوسروں کو مردود سمجھنے لگتا ہے۔ اُس کی ساری مذہبی معلومات دوسروں کو ملزم ٹھہرانے کے لئے ہوتی ہے اور وہ خود پابندی شریعت سے مستثنیٰ۔ لوگوں میں اپنا مذہبی وقار قائم رکھنے کے لئے اُس کو مذہبی احکام کی پابندی کرنی پڑتی ہے تو وہ پابندی نفاق و ریاکاری میں داخل ہے۔ اسکی مثال اس شخص کی سی ہے کہ محلے میں لگی گلی یہ دوسروں کی گلی سمجھنے میں رہا اور اپنا گھر جل کر خاک سیاہ ہو گیا۔ اور چونکہ کتا ہے اور کرتا نہیں اس کی بات لوگوں کے دلوں میں جاگزین نہیں ہوتی۔ یہ بتا ہے وعظ اور حقیقت میں افسانہ نواں۔ لوگوں کو راہ بتاتا اور آپ اور اُسے مونہ اندر سے کوئے میں گزرتا۔

سوال۔ تو آپ کے نزدیک جیسا مناظرہ ویسا وعظ۔

جواب۔ ہاں میرا تو ایسا ہی خیال ہے۔ قباۃ سے تو ایک بھی خالی نہیں۔

سوال۔ پھر دین یکھیں تو کس سے یکھیں اور کیونکر یکھیں۔

جواب۔ اپنے نفس سے۔

سوال۔ ع۔ خفتہ را خفتہ کے کنہ بیدار۔

جواب۔ نفس انسانی خفتہ نہیں ہے۔ اس کو خدا نے جیتا جاگتا پیدا کیا ہے اور وہ ہر وقت بڑے بھلے میں

امتیاز کرتا رہتا ہے مگر آدمی خود اس کو تھپک تھپک کر سلاتا ہے اور اس کی فریاد نہیں سننے چاہتا کیا استغاثت

قلبت کا گوشتن رول دین سے اُتر گیا کہ جب کسی بات کے اچھے یا بُرے ہونے میں تردد واقع ہو کر رہے تو

اپنے دل سے پوچھ لیا کرو وہ ٹیکہ بد کے شناخت کی کسوٹی ہے دنیا میں بہت سے مجرم سزا سے بچ جاتے

ہیں مگر یہ فرد بشر پر ایک قدرتی سزا و سزا دہندہ مسلط ہے۔ کائنات میں نفس امارت کی سزا سے بچنا نہیں اور

وہ سزا کیا ہے انسان کا آپ اپنے تئیں ملامت کرنا۔ حاکم ظاہر جہانی سزا دے سکتا ہے مگر وہ ایسی سزا نہیں دیتی

جیسی روحانی سزا کہ اس کی گنجی مار ہے اور بڑے بڑے بڑے بڑے پیکر اسکے آگے چلے بول گئے

ہیں اور مرتے دم اقرار ہی کرتے ہیں پڑا ہے۔ ایک دیہاتی نے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت

میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا حضور میں ایک ان بڑھ دیہاتی آدمی ہوں نہ تو حاضر خدمت رہ سکتا ہوں اور نہ دنیا

کام دھند سے سے زیادہ فرصت پاسکتا ہوں۔ مجھ کو کوئی مختصر سی بات فرما دیجئے کہ میں اس پر کار بند رہوں

اور وہ میری نجات کے لیے کافی ہو۔ آپ نے سورہ زلزال سکھو پڑھ کر سنلا دی جس میں حادثات قیامت کا بیان

ہے اور آخر میں استغاثت قلات کے طالع سے فرمایا کہ ایک جملہ ہے فمن بعد من ثقل ذرۃ خبیر لہ من ذل

من ثقل ذرۃ شرا لہ۔ یعنی جو شخص نیامیں ذرہ بھر نیکی کرے گا قیامت کے دن وہ نیکی اسکے آگے آجائے گی

اور جو شخص نیامیں ذرہ بھر برائی کرے گا قیامت کے دن وہ برائی اسکے آگے آجائے گی۔ وہ دیہاتی یہ سن کر

رضعت ہوا اور کہتا جاتا تھا خدا کی قسم اس میں ذرا کی بیشی نہیں کروں گا۔ اور آں حضور حاضرین خدمت سے کہہ کر

تھے کہ جتنی نہ دیکھا ہو تو اس کو دیکھ لو لوگوں نے بہتہ پھان چھان کر دین کو کر دیا ہے ورنہ دین بڑا ڈاڑھ

سہل و سلیس کوئی چیز نہیں۔ اس کے تقاضا انسان کی فطرت میں رکھا گیا ہے۔ اور ایک نادبی اور راہ نما کے لئے ہے بلال انسان علی نفسہ بصیرۃ و لولہ لقی معاذیرہ یعنی انسان کیسے ہی چلے بہائے کرے وہ اپنے نفس کے عیب و صواب خوب دیکھتا ہے۔

صادقہ کا مذہبی خواب۔ دین کا دستور حاصل

سوال۔ تو جس طرح پیغمبر صاحب نے اُس دیہاتی کو ایک مختصر سی بات تعلیم کر دی اور اُس کی تسلی ہو گئی اسی طرح میری حالت کے مطابق آپ ایک مختصر دستور حاصل کر کے لینے تجویز کریں گے۔

جواب۔ بسوچتیم۔ دین کا لب لباب ہے معرفۃ نفس۔ یعنی اپنے تئیں پہچاننا کہ ہم کیا ہیں۔ اس کا دستور دین کی کچھ تفصیل کر دوں اور کہو تو خاموش رہوں۔

سوال۔ نہیں تفصیل کی تو سخت ضرورت ہے تاکہ آپ کا مطلب اچھی طرح سمجھ سکوں۔ دین میں ٹھیکہ جاتے ہیں۔ اپنے تئیں پہچاننے کی کوشش کرو گے تو پاؤ گے کہ آدمی بھی ایک طرح کا جانور ہے۔ کہ اس کی بہت سی ادائیں جانوروں سے ملتی ہیں۔ وہ دو سکر جانوروں کی طرح چلتا پھرتا کھانا پیتا سوتا سچ و درختہ کا احساس کھتا۔ اسے کاش معذرا جانور ہوتا۔ پیدا ہوا ایک وقت خاص تک زندہ رہا مگر کیا تو کچھ بھی نہ تھا جس کا ہم جان پاک۔ مگر مصیبت یہ ہے کہ اس کو عقل دی گئی ہے جو اس کو چین سے نہیں رہنے دیتی۔ یوں آدمی اپنی

زور و ظلم سے جو چاہے گزرے مگر جانور اپنی زندگی بسر کرنے کے لئے نہ کھیتی کرتے نہ کھڑا بیٹھتا۔ بلکہ سوتا اور آدمی کا بے اس کھڑا گئے گزر نہیں۔ نہ عقل ہوتی اور نہ یہ سب کچھ سیکھنے پر تھے۔ یہ پیغمبر صاحب نے

پرنندوں کے حال میں فرمایا ہے **لقد وخلقنا و نوح بطنانا** اور اسے کاش عقل نہ تھی ہی کاشم کی ہوتی کہ ساز و سامان ہمیشہ کے ہم ہٹ چائے میں مدد کرتی اور بس۔ نہیں وہ بتاتی ہے کہ اس کا رخا نہ دنیا کا اور خود

آدمی کا کوئی خالق اور بنانے والا ہے اور آدمی کے ساتھ خدا کی انباء جنس کی بلکہ سچ پوچھو تو دیکھو کہ وہ

کی ذمہ داریاں متعلق ہیں کلکہ داچ و کلکہ مستعمل عن رعیتہ وقتی ضرورتیں اور رعیتہ۔ اسی میں آجاتی ہیں کہ آدمی کتنا ہی محتاط کیوں نہ ہو۔ پھر بھی اپنے فرائض کو پورا پورا ادا نہیں کر سکتا اور نہیں کرتا تو اس کا

سچ کو نہ سمجھ سکے بھوکے شام کو لوٹ کر آئے یہ شہر ۱۴

دل اُسکو ملائم کرتا ہے اور نہ صرف ملائم کرتا ہے بلکہ اُسکے ذہن میں یہ بات جا رکھی ہے کہ زندگانی دنیا پر خاتمہ نہیں ہے جو کچھ اس زندگی میں کرتے ہیں بُرا یا بھلا مرے پیچھے اُسکا خمیازہ جھگٹتا ہے۔ ہونی نہیں سکتا کہ ہم جانور بن جائیں۔ ہونی نہیں سکتا کہ سسے عقل کو نکالیں الیں۔ ہونی نہیں سکتا کہ ایسے خیالات کو ذہن میں دیں۔ بس یہی دین ہے۔

سوال۔ ایں!!! میں نے تو آپ کے دستور العمل کی درخواست کی تھی۔

جواب۔ یہی دستور العمل ہے کہ اپنی حالت میں غور کرتے رہو۔ جب سمجھو گے کہ تم کیا ہو تو ضرور یہ بھی سمجھو گے کہ تم کو کیا کرنا چاہیے۔ دین تمھاری سمجھ سے باہر کوئی چیز تم سے نہیں چلتا وہ صرف یہ چاہتا ہے کہ سمجھ سے کام لو بس میں نے دین کے متعلق اپنے ضروری خیالات ظاہر کر دیے ہیں۔ اس پر بھی تم کو کوئی شبہ ہو تو بیان کرو میں جواب دینے کو موجود ہوں۔

سوال۔ آپ کی تقریریں تو مجھ کو کچھ بھی شبہ نہیں۔ اور یوں تو دین کے متعلق میرے پاس شبہات انبار کے انبار ہیں۔ اور گوارا وقت مجھ سے کچھ پوچھتے نہ بھی بن پڑے تاہم مجھ کو توقع نہیں کہ دین کی طرف سے میرا دل کبھی مطمئن ہوگا۔

جواب۔ بے شک جب کو تم نے دین سمجھ رکھا ہے اُسکی طرف سے مطمئن ہونا تو مشکل ہے مگر افسوس کی بات ہے کہ جس پیر کو خدائے دل کے مطمئنان کے لیے بنایا ہوا لاہن کر اللہ ظمئن القلوب۔ وہی تمھاری بے اطمینانی کا باعث ہو۔ اسکا علاج تو دعا کے سواے اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔

صادقہ کا مذہبی خواب۔ مذہبی شکوک اور اُن کا دفعہ

میرا بھی قریب قریب تمھارا ہی ساحل تھا بلکہ شاید اس سے بھی بدتر اور جس کو انگریزی تعلیم جھوٹوں بھی چھو جائے گی قسم کھانے کی بات ہو کہ اس کا ایسا ہی حال ہو گا وہ کہے یا نہ کہے ظاہر کرے (اگر ہمت والا ہے) یا چھپائے (اگر دل بوجہ) میں ایک دیندار کے گھر میں پیدا ہوا اور کہہ سکتا ہوں کہ گھر والوں کی دیکھا دیکھی میں بھی اوائل عمر میں دیندار تھا اگر میں اُس وقت اور اس طرح کی دینداری کو دینداری کہہ سکوں شائد جو آئی تو مجھ کو کسری کالج میں داخل کر دیا گیا۔ باوجود اسے کہ کالج پادریوں کا نہیں بلکہ سکریٹری تھا

اور اس میں دین و مذہب کے کچھ بحث نہ تھی اور میں انگریزی بھی نہیں بلکہ عربی پڑھتا تھا تاہم چونکہ ہر قسم کے لوگوں سے ملنا جلتا ہوتا تھا مخالف آوازیں کان میں پڑنے لگیں بہت دن نہیں گزرے تھے کہ میرے مذہبی خیالات میں تزلزل پیدا ہونا شروع ہوا۔ نماز پہلے گنڈے دار ہوئی پھر نذر اور ع خدا کی جب نہیں چوری تو پھر بندے کی کیا چوری بد دو چار دفعہ بڑوں کے کھاطے سے پڑھنی پڑی توبے وضو بھی کرنا پھر عیسائیت کی طرف رجحان ہوا تو یہاں تک نو بہ پہنچی کہ ریائی غازیوں کی التحیات میں اشہد ان محمداً عبداً در سوالہ کی جگہ اشہد ان عیسیٰ ابن اللہ کہنے لگا۔ مگر حضرت عیسیٰ کا خدا اور خدا کا بیٹا ہونا دل میں کچھ اچھی طرح جتنا نہ تھا پھر چمکتے چمکتے وہی اشہد ان محمداً عبداً در سوالہ کہنے لگتا۔ سو نہ سے اقراروں سے انکار غرض میں کسی وقت عیسائی تھا۔ کسی وقت مسلمان کسی وقت کچھ بھی نہیں۔ میں اس کی بھی کوشش کرتا تھا کہ مذہبی خیالات کو سرے سے سر میں آنے ہی نہ دوں مگر کوئی نہ کوئی اتفاق نہ ملا تم پیش آتا ہی رہتا تھا کہ وہ خدا سے بے تعلق محض نہیں ہونے دیتا تھا۔ اپنی بے اختیار سی دیکھ کر دل سہارا ڈھونڈتا تھا۔ بس یہی ایک چہرہ تھی مذہب کے خیالات کو مٹنے نہیں دیتی تھی اسی جیس جیس میں کئی برس گزر گئے میں اس کا افسار کرتا ہوں کہ میری عمر کا کوئی حصہ ایسا نہیں گزرا جس میں ہمہ وقت میں مذہبی خیالات میں متفرق رہا ہوں۔ دنیا کے بہت کام کلج کرنے کو تھے اُن سے فرصت پاتا اور آدمی کی جان میں ہوتا تو مذہب کا بھی خیال کرتا۔ کبھی گرویدہ اور کبھی بالکل ہتے سے اُٹھتا ہوا۔ اسی تردد کی حالت میں خدا جھوٹ نہ باوئے میں نے علم کلام کی پچاسوں کتابیں دیکھ ڈالیں لیکن کسی ایک سے بھی تسلی نہ ہوئی اور تسلی ہوتی تو کیونکر ہوتی۔ عیسائی مثلاً مسلمان پر ایک اعتراض کرتا ہے مسلمان اُس اعتراض کو تو نہیں اٹھاتا مگر ویسا ہی یا اُس سے بھی بدتر اعتراض عیسائی پر پڑ دیتا ہے میری طبیعت پر اس سوال جواب کا اثر یہ ہوتا کہ دونوں سے بدعتیہ۔ آخر اٹھا کر میں نے علم کلام کی کتاب دیکھنے سے تو توبہ کی کیونکہ ان کو اعلیٰ حجاب الہی کا مصداق پایا۔ اب مجھ کو بالکل یقین ہو گیا کہ میں سی مذہب اور تزلزل کی حالت میں مروں گا۔ لیکن اس تصور سے جیسی ایذا مجھ کو ہوتی تھی بیان نہیں کر سکتا۔ وقتاً فوقتاً خدا سے دعا بھی مانگتا لیکن کن لفظوں میں کہ اے خدا اگر واقع میں توبہ ہے تو مجھ کو اس حیرت سے نجات دے سناٹے اور مناظرے سے قطع نظر کر کے اب میں آپ ہی مذہب کی ادھیڑ میں رہا جب موقع ملے گا کہ

بیٹھا یا پڑا سوچا کرتا۔ شدہ شدہ سے کہ وہ خیالات ہو گئے جو میں نے تم پر ظاہر کیے۔ اگر بعض یا سب سب غلط بھی ہوں تاہم سب داخلِ مطعن ہو کیونکہ میں نے ان کو سوچ سمجھ کر خستہ کیا ہے اور مجھ کو جتنی سمجھ دی گئی ہے اُس سے بڑھ کر مجھ سے باز غرست نہیں ہو سکتی لاکھلف اللہ نفسا الاما انہا اب بھی مجھ کو کبھی اختلافات اور اعتراضات کا خیال آیا کرتا ہے لیکن پہلے جو مجھ کو ہمارا معلوم ہوا کرتا تھا اب میں اس کو چھوٹا سا مار کر اڑا دیتا ہوں۔ میں نے اصل ہی ایسے ٹھیکہ دار رکھے ہیں کہ وہ اعتراضات کو اپنے پاس تک نہیں چٹکنے دیتے۔

سوال۔ وہی اصول تو میں معلوم کرنے چاہتا ہوں۔

جواب۔ عقل انسانی کی نارسائی اور اپنی ہڈیا کی خیر منائی۔

سوال۔ یہ تو آپ نے ایک پہیلی سی کہ دی۔

جواب۔ پہیلی نہیں ہے۔ بڑے کام کی بات ہے۔ جتنے مذہبی اختلافات دیکھتے ہو اکثر بلکہ عموماً ان ہی قسموں کے ہوتے ہیں۔ یا تو انسان عقل سے وہ کام لینا چاہتا ہے جو اس کی طاقت سے باہر ہے۔ پھر بے اختیار بجائے خود اٹھل دوڑتا ہے اور ایک کی مت دوسرے سے نہیں ملتی۔ جب ایسی بات تمھارے سامنے آئے خور اُس سے کنارہ کش ہو جاؤ اور سمجھ لو کہ ایسی باتوں میں غور کرنے سے کچھ حاصل نہیں۔ اختلافات کی دوسری بڑی وجہ یہ ہوتی ہے کہ آدمی ناحق شغی میں آکر یا جھوٹ موٹ خیر خواہی جتا کر دوسرے کے مذہب کے درجے ہوتا ہے۔ اگر فرض کر لیا جائے کہ تقاضاے حقانیت ہی ہوتا ہے تو ہم یہ شخص فرض کو چھوڑ کر فضل پر دوڑتا ہے اسکو چاہیے پہلے اپنے نفس کی اصلاح جسکے نیکت بلکہ اسکو خدا کے یہاں چل کر جو ابدی کرنی ہے وہ اپنی تو خبر نہیں لیتا اور قاضی حی کیوں دُبے شہر کے اندیشے سے دوسروں کی فکر سے نجات نہیں دے سکتا۔ ہمارے تو یہ دو چٹکے ماتھے آگئے ہیں اپنی ضرورت سے زیادہ مذہب کے غم کو پاس نہیں آنے دیتے اور شکر ہے کہ بڑے امن وطمینان سے زندگی بسر ہوتی ہے۔ میں نے سمجھ لیا تھا کہ مذہب کو ذریعہ طمینان و تسلی ہونا چاہیے سو یہ صفت ان ہی خیالات میں پائی۔ مان ان خیالات پر بھی اس بات کا کھٹکا تو ضرور لگا رہتا ہے کہ فرائض انسانیہ میں مجھ سے بڑی کوتاہی ہوتی ہے۔ نہ تو جیسے چاہیے خدا ہی کے حقوق ادا ہوتے ہیں

اور نہ بندوں کے۔ مگر خدا کی رحمت پر بھروسہ کر کے میں اپنی مغفرت کی طرف سے ناامید بھی نہیں ہوں۔ چاہے تو پوری تسلی دے مگر اپنے کردار بھی تسلی ہونے دیں۔

سوال اپنے اختلافات کی بھول بھلیاں میں سے نکلنے کے لئے کیا سلسلہ اختیار کیا تھا۔

جواب سب سے پہلے خدا کے بارے میں جہاں تک عقل نے باری دی اپنے خیالات کو راسخ کیا خدا کی نسبت لوگوں کے جیسے جیسے خیالات ہیں کچھ مٹنے مٹانے کے معلوم تھے کچھ کتابوں میں پڑھے تھے ان سب کو سوچا سب کو غور کیا تو جو خیالات اسلام تعلیم کرتا ہے سلیس قریب الغم اور قرین قیاس معلوم ہوئے۔ بس ایک اسی جگہ کو پکڑ لیا اور دوسرے غم زدہ خیالوں کے ساتھ محاکمہ کرنے کی کوئی ضرورت نہ رہی۔ میں نے دین کو سمجھا ایک عمارت اور خدا شناسی کو اس کی بنیاد۔ عمارت جس کی بنیاد درست نہیں گودہ کیسی ہی نقش و نگار اور ساز و سامان سے آراستہ کی گئی ہو وہ بالکل نامحفوظ ہے علی شفا جرف ہار۔ آنے دو۔ اذ از لزلۃ الاضرار۔ لڑا لڑا کا وقت۔ پہلے ہی جھکولے میں عمارت نہ لڑکھڑا جائے تبھی کہنا اور جب اسلام کی طرف سے پوری تسلی ہو گئی تو مزید تحقیقات کی ضرورت باقی نہ رہی کہ آخر لوگ کیا سمجھتے اور کیا کہتے ہیں۔

سوال مصیبت یہ ہے کہ خود اسلام بھی تو اختلافات سے خالی نہیں

جواب بے شک۔ اس واسطے کہ لوگوں کی طبیعتیں مختلف واقع ہوتی ہیں۔ لیکن ان اندرونی اختلافات کا رفع کر دینا کچھ بھی تو مشکل نہیں اختلافات کے رفع کر دینے سے میری یہ مراد نہیں کہ تم ان اختلافات کو ڈنکا سے محروم کر دو گے۔ یہ اختلافات دنیا کے ساتھ ہیں نہ اس سے جدا ہو سکے نہ اس سے جدا ہو سکتے ہیں اور نہ اس سے جدا ہوں گے بلکہ میری مراد یہ ہے کہ یہ اختلافات تم کو حیران و پریشان نہیں کریں گے۔

صادقہ کا مذہبی خواب مقلدوں اور غیر مقلدوں کے جھگڑے

یہ اختلافات اکثر فروعی اور غیر ضروری باتوں میں ہیں جن کی مطلق پروا نہیں کرنی چاہیے۔ مثلاً آج کل مقلدوں اور غیر مقلدوں کے اختلافات نے مسلمانوں میں بڑا تفرقہ ڈال رکھا ہے اور وہ لڑتے ہیں کن باتوں پر کہ نمازیں آئین پکار کر کہنی چاہیے یا آہستہ۔ ماتھے سینے پر باندھنے چاہئیں یا اس سے نیچے ہٹا کر۔ صف نمازیں

مقتدیوں کو پانوسے پانولاکر کھڑا ہونا چاہیے یا پانوجڑنے کی ضرورت نہیں۔ یہ سچ ہے کہ نماز نام ہے حرکات خاص قیام و رکوع و سجود وغیرہ کا اوضاع خاص پر جو شائع سے منقول ہیں یعنی ہیکو اسی طرح پر نماز پڑھنی چاہیے جس طرح پر خود پیغمبر صاحب نے پڑھی مگر تیرہ سو برس کی بات اوضاع میں اختلاف یقین کے درجے تک اوضاع کا متعین ہونا مشکل لیکن ہم دیکھتے ہیں تو ان اوضاع مختلف فیہ میں کوئی بھی شرط نماز نہیں شرط نماز ہے طارۃ استقبال قبلہ قراۃ قیام وغیرہ اور یہ شرطیں تو ظاہر کے اعتبار سے ہیں اور ان کی تعمیل چنداں دشوار بھی نہیں ہر کوئی کر سکتا ہے اور کیا ہی کرتا ہے۔ ایک شرط غلط ہے حضور قلب جس کی بڑی ٹیڑھی کھیر ہے وہ ہزاروں میں کسی ایک بنادہ خدا سے ادا ہوتی ہوگی اور یہ شرط فوت ہو تو کسی سے نماز ہی نہیں ہوتی بلکہ نیکی برباد گناہ لازم ہے ادبی اور گستاخی سمجھی جائے تو عجب نہیں بادشاہوں کے بادشاہ و دونوں جہان کے مالک اپنے خالق و رازق کے روبرو کھڑا ہونا آپ کہیں اور دل کہیں یہ خدا کو دھوکا دینا اور اُس کے ساتھ کھیل کرنا نہیں ہے تو کیا ہے حضور قلب نہیں رونو فرشتا نماز پیغمبر کی نقل بھی کسلی ان ہی کی طرح پکار کے آمین کہی ان ہی کی طرح سینے پر ماتھے باندھے سچ انچہ آدم سے کند بوزینہ ہم تو کیا اس سے نماز مقبول ہوگئی؟ جسکے ایسے خیالات ہوں اور ہر ایک نمازی کے ایسے ہی خیالات ہونے چاہئیں۔ وہ کیا پروا کر سکتا ہے کہ آمین پکار کر کہی یا آہستہ ماتھے سینے پر باندھے یا نیچے ہٹا کر۔

سوال۔ یہ اختلافات تو واقع میں محض بے وقعتہ ہیں مگر ان لوگوں میں بڑا اختلاف تقلید کا ہے۔
جواب۔ وہ بھی رفع یدین اور آمین باجماع کے خلاف کی طرح بے وقعتہ ہے ائمہ اصول میں اختلاف نہیں کرتے انچہ اختلاف بھی شروع میں ہیں یا قیاسی باتوں میں جنچے لئے ان کو نص شرعی بہم نہیں پہنچی۔ علاوہ برے سوچنے اور خیال کرنے کی بات ہو کہ کتنے مسلمان اس بیاقتہ کے ہیں اور ان کی دینی معلوٰات اس سے بچے گی کہ ان کو ائمہ کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت نہ ہو یا وہ ائمہ کے اختلاف میں محالہ کر سکیں۔ پہلے ایسے لوگوں کو یعنی اس مسئلہ کے اور اس وقت کے مسلمانوں کو تقلید کے سوا کچھ اور کیا چارہ ہے۔ یہی بات کہ نص شرعی کے تحت یہ وہ مسئلہ اس کے خلاف ائمہ کی ہر ایک پر عمل کیا جائے۔ شاید کوئی احمق سے عرض مسلمان بھی اس طرح

قابل نہیں بغرض سلسلے فسادات خدا و سخن پروری کے ہیں ورنہ مسلمان کو مسلمان سے اختلاف کرنے کے معنی کیا۔

صداقت کا مذہبی خواب سنی شیعوں کا اختلاف

سوال۔ بھلا سنی شیعہ کے اختلاف کو آپ نے کیونکر رفع کیا۔

جواب۔ میرے یہاں یہ بھی غیر ضروری میں داخل ہے۔

سوال۔ غیر ضروری !!!

جواب۔ جی ہاں غیر ضروری بالکل غیر ضروری۔

سوال۔ یہ کیونکر؟

جواب۔ یہ اس طرح کہ خدا کو دین اسلام کا جاری کرنا منظور تھا۔ لوگوں کے معتقدات خدا کے بارے میں اس قدر بیہودہ ہو گئے تھے کہ ان کی وجہ سے نظام عالم میں فتنہ واقع ہو چلا تھا۔ ان غلطیوں کی اصلاح کے لیے خدا نے پیغمبر آخر الزماں کو مبعوث کیا۔ ان پر قرآن نازل فرمایا۔ نئے نامانوس عقائد کا تعلیم کرنا تھا کہ جیسے کسی نے بھڑوں کے چتے کو چھڑ دیا۔ پیغمبر صاحب کو لوگوں کے ساتھ مطاحات پیش آئے۔ سبائے اور مناظرے ہوئے اور جیسا کہ مباحثے اور مناظرے کا ہمیشہ انجام ہوا کرتا ہے کشت و خون کی نو تہ پہنچی جس کا نتیجہ انھی یحییٰ و کلا یحییٰ یہ ہوا کہ دوسرا سلام پھیلنا جاتا تھا اور دوسروں میں سلام اور کی سلطنت قائم ہوئی جاتی تھی پیغمبر صاحب شروع شروع میں صرف پیغمبر تھے اور آخر میں پیغمبری کے علاوہ بادشاہ بھی۔ خدائے پیغمبری تو کبھی متواتر ہوئی نہیں اور اسکو متواتر ہونا چاہیئے بھی نہیں پیغمبری ایک فضیلت خاص ہے جس کے لیے خدا اپنے بندوں میں اسکو جو فی علم الناس کا اہل ہوتا ہے منتخب فرماتا ہے۔ اللہ اعلیٰ جہاں بجللہ سائلہ پیغمبر صاحب کی وفات کے ساتھ پیغمبری کا خاتمہ ہو گیا۔ اور وحی کا آنا موقوف ہو گیا۔ مگر قرآن جیسا اور بت خدا کو اُنارنا تھا پیغمبر صاحب کے جیتے جی مدون ہو چکا تھا۔ اور وہ دین کے لیے کافی اور کافی ہے حسب کتاب اللہ اگر پیغمبر صاحب کی وفات کے بعد دین کے لیے کسی نائب یا خلیفہ یا امام کی ضرورت تھی تو وہ ایسی ہی ضرورت تھی جیسی سلسلہ تبار نے دنیا کی تاریخ میں دینے اور وعظ کرنے کے لیے پیغمبروں کی ضرورت

مگر سلطنت جانشین کے بدون ایک لمحہ بھی نہیں چل سکتی تھی۔ چنانچہ اس جانشینی کا سلسلہ ایک وضع چلا۔ اب اس میں غور و خوض کرنا کہ واجب ہو یا غیر واجب مناسب ہو یا نامناسب جو لوگ جانشین ہونے سے مستحق تھے یا غاصب یا اسی قسم کی بحث ہو کہ شیر شاہ کی ڈاڑھی بڑھی تھی یا سلیم شاہ کی جبکہ دین سے متعلق اور دین اس کا متقاضی۔ یہ بحث اب تیرہ سو برس بعد کیا فائدہ دے سکتی ہے یا ان ہی وقتوں میں جب کہ یہ جانشینیاں ہو رہی تھیں اس بحث نے کیا فائدہ دیا۔ ہونے والی بات کو کون روک سکتا تھا۔ ولایت کے کسی کلب میں ایک مرتبہ یہ بات زیر بحث تھی کہ جلال الدین اکبر اور عالم گیر اورنگ زیب دونوں میں کون اچھا بادشاہ تھا۔ کچھ لوگ اکبر کے جانب دار ہوئے اور کچھ عالم گیر کے۔ باتوں باتوں میں تھرار ہو پڑی۔ طرفین میں بعض بعض ایسے تیز مزاج تھے کہ فرانس کے علاقے میں جا کر ڈیوئل لڑے۔ میں تو ان میں اور سنی شیعوں میں کچھ بھی فرق نہیں کرتا۔

سوال۔ سنی شیعوں کے اختلاف کو اس اختلاف پر جو اکبر اور عالم گیر کے بارے میں کیا جائے قیاس کرنا بڑی بے انصافی ہے۔ سنی شیعوں کا اختلاف اختلاف ہو ان لوگوں کے بارے میں جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی حواری اور شاگرد اور بعض ان کے بہت پاس کے رشتہ دار اور ان کے تربیت یافتہ تھے۔ ان کے معاملہ پیغمبر صاحب کی تعلیم یعنی اسلام پر اثر کرتے ہیں یہ اختلافات یوں سرسری طور پر نہیں ٹھکانے جاسکتے۔ **جواب**۔ ابھی دین کے بارے میں تمہارے خیالات ہی کا ٹھکانا نہیں رہے زیادہ مکر وہ پیرایہ جو اس اختلاف کے لئے اختیار کیا جاسکتا ہے یہ ہو کہ وہ لوگ پیغمبر صاحب کے حواری اور شاگرد اور قریبہ مند اور ان کے تربیت یافتہ ہو کر خلافت یعنی سلطنت کے لئے لڑے اور ضرور ہے کہ ان دو مخالفوں میں ایک حق پر ہو اور دوسرا باطل پر ہو جو باطل پر تھا کیوں اسکو جانشین پیغمبر اور کیوں اس کو واجب الادب مانا جائے طلب سلطنت کو ان لوگوں کی شان کے خلاف سمجھنا پہلی غلطی تو یہی ہے۔ دنیا اور دین میں جو علاقہ ہے اسلام سے بہتر اس کی توضیح شاید کسی مذہب نے نہیں کی۔ شروع سے اس کے سمجھنے میں لوگوں نے غلطی کی اور غلطی کی وجہ واقع ہوئی دنیا کی بے ثباتی۔ بے ثباتی کے خیال سے دنیا کو جس قدر حقیر اور ذلیل سمجھا جائے بجا اور درست۔ مگر وہ ویسی ہی حقیر اور ذلیل ہے جیسے باغ میں بہار کا موسم کہ چند روزہ تو ہی

مگر جے دن ہے ایسا کون سا کوڑ مغربے جسکو بھلانے لگے اور رنگ برنگ کے پھولوں کو دیکھ کر سوچے کہ اُس کا دل باغ باغ نہ ہو جائے۔ بے ثبات ہو تو اور چند روزہ ہے تو مگر دنیا کو بھی خدا نے کسی صلیح سے بنایا ہے۔ ربنا ما خلقت هذا باطلا یہ کہاں کا دین ہے کہ دنیا میں اتنے کپڑے ڈالے جائیں کہ اُس میں رہنا حرام اسکو طلب کرنا منع ایسا دین کبھی چلا ہے اور چل بھی سکتا ہے؟ اسلام کی یہی بڑی عینگی ہے کہ وہ ہر بات میں فطرۃ انسانی کے مطابق ہے۔ اُس نے لوگوں کو ہرگز تقدس ادعائی اور زہاریائی کی تکلیف نہیں دی اور دنیا جہان میں منادی کر دی۔ لا تہدیانہ فی الاسلام اور من حرم ذبیۃ اللہ الٰہی اخرج لہ عبادہ و الطہبات من الذرق۔ پھر پیغمبر صاحب کی زندگی کی کو دیکھتے ہیں گو گو ان کا اصلی مدعا دنیا میں خدا سے واحد کی پرستش اور حسن معاشرۃ کا قائم کرنا تھا مگر اس فکر سے بھی غافل نہ تھے کہ مسلمانوں کی ایک خاص سلطنت قائم ہو اور اگرچہ قطری مملت پائی مگر جب تک تمام جزیرہ عرب کو مطیع نہیں کر لیا انتقال نہیں فرمایا۔ تو قرآن اور روش پیغمبر کے ہوتے یہ کہنا کہ اسلام ترک دنیا کا متقاضی ہو صحیح بہتان ہے۔

ہاں اسلام پر ضرور چاہتا ہے کہ دنیا کو نیکی اور حسن معاملہ کے ساتھ بر تو۔ تو اگر پیغمبر صاحب کے رفقاء نے ان کے شاگردوں نے اُن کے عزیزوں نے سلطنت کی خواہش کی اور خواہش کے ساتھ منافست یعنی ہر ایک عویدار نے چاہا کہ یہ نعمت اُسی کے ہاتھ لگے۔ تو میں نہیں سمجھتا کہ اس خواہش اور منافست سے اُن کے اسلام میں کیوں فزور واقع ہونے لگا۔ اب بھی مسلمانوں میں چھوٹی چھوٹی بے حقیقت باتوں کے کیے کشمکش ہوتی رہتی ہے۔ ایک مدعی ہوتا ہے دوسرا مدعا علیہ۔ اور ولایت تک مقدمے لڑتے چلے جاتے ہیں۔ اور کبھی کسی کو اسکا خیال بھی نہیں آتا کہ اس مقدمہ بازی سے کوئی فزیر دایرۃ اسلام سے خارج ہو گیا۔ ہر ایک فعل کا بڑا یا بھلا ہونا موقوف ہے نتیجہ پر۔ اور نتیجہ کا حال صاحب نیت اور خلیع عالم انبیا کے سوا کوئی جان نہیں سکتا۔ ہاں بعض قرائن سے تھری یعنی اٹل کی جاسکتی ہے۔ سوچن لوگوں کی کشمکش پریشانی شیعوں کا اختلاف یہی ہے ان کے خلافت سے پہلے اور خلافت کے بعد کے حالات لالہ

۱۲۔ اے پھر دیکھو تو نے دنیا کو سید کا رخصت تو نہیں بنایا ۱۲

۱۳۔ اسلام میں جو کچھ سنایا ہے اللہ کا یہ کام نہیں ۱۳

۱۴۔ دنیا کی چیزیں جو اللہ نے اپنے بندوں کے لیے ایجاد کی ہیں اور مژدہ دار کھائے ان کا حرام کرنے والا کون ۱۴

کرتے ہیں کہ انھوں نے دنیوی اغراض کی طمع سے خلافت یعنی سلطنت کی آرزو نہیں کی بلکہ اسی میں اسلام کا دائرہ سمجھا کہ زمانہ سلطنت خود اپنے ہاتھ میں لیں انھوں نے حکومت سے کوئی خط نہیں اٹھایا۔ انھوں نے بیت المال کی رقم کو ضرورت سے زیادہ اپنے اوپر حرام سمجھا اور کوڑی کوڑی پر جان دی۔ انھوں نے سلطنت کو دلیہ الہی سمجھا اور جس خیال سے لی تھی اسی خیال سے بھائی کو نہیں بیٹے کو نہیں جسے اہل سمجھا حوالے کی اور پیغمبر صاحب کی حیات میں اسلام کی جیسی جیسی انھوں نے فتنیں کیں کوئی ایسا ہی ہٹ دھرم ہو تو ان کی نظر سے انھوں پر پیڑی باندھ لے اس رواد پر کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ انھوں نے غضباً طمع دنیا کی وجہ سے خلافت طلب کی تھی۔ غایتہ مافی الباب یہ کہ انھوں نے اپنے استحقاق کے اندازہ کرنے میں غلطی کی ہو۔ تو کیا اس ایک غلطی کی پاداش میں ان کے تمام عمر کے حقوق فراموش کر دیئے جاسکتے ہیں۔ حاشا ثمراتِ صلح! ہم کو تو کوئی پاتا نہیں ورنہ مسلمانوں کی زبان پر ان اختلافات کا نام بھی تو نہیں آنا چاہیئے۔ گو کٹہری ہی تقدس کی لئے کوتاہی اوجھلے گئے ہیں کہ سارا رگائے مناسبتہ ہو رہا ہے انسان کو انسانیت کے چارے میں نہیں دیکھ سکتے۔ اور گو مومن سے نہیں کہتے مگر ان کی باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کامل بن دار وہ ہے جو فرشتوں کی طرح تمام انسانی کمزوریوں انسانی خواہشوں سے مطلقاً بری ہو۔ جب محمد و دین دار ہونے کے لئے یہ قید ہے تو پیغمبر کا کیا پوچھنا ہے۔ لوگوں کا بس چلے تو اسے آدمیتہ کو چھوٹے بھی نہ دیں پیغمبر کی نسبت تو اس قہم کے خیالات تھے۔ **وَقَالُوا مَا هَذَا الرَّسُولُ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَشْرَبُ فِي الْأَسْوَاقِ**۔ لولا انزل علیہ لکن اوجاہ

خبر صحت و ما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ یسین لہم و لقللنا رسلنا من قبلنا و جعلنا لہم ازواجاً و ذریۃ۔ **لَوْلَا اَنْزَلَ هَذَا الْقُرْآنَ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقُرْبٰتِیْنِ عَظِیْمِ** و ما ارسلنا من قبلک الا رجلاً انجی الہم من اھل القرۃ۔ **وَمَا جَعَلْنَا لَہُمْ جَسَدًا لَّا یَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَ مَا کُنَّا خَالِدِیْنَ** لولا انزل الیہ ملک فیکون معہن یا اویلق الیہ کنز او تکون لہ جنتہ یا کل منها۔ **وَقَالُوا لَن نَّکُوْنُ لَہُ جَنَّةٌ نَّجَیْزٌ لَّہُمْ نَارٌ مِّنَ النَّارِ فَکَیْفَ نَعْمٰی لَہُمْ اَلَا رِضٌ بِّمَا کُنتُمْ لَکَ جَنَّةٌ**

اور لا فرشتے ہیں اس رسول کا کیا حال یہ تو کیا نہ کھاتا اور بار باروں میں چلتا پھرتا ہے۔ ۱۲ **اِنَّ** اس پر غیب کی کوئی خزائن نازل کیوں نہ ہو یا اسکے ساتھ اس کے مدد کو کوئی فرشتہ کیوں نہ آیا۔ ۱۳ **اِنَّ** اور ہم نے جو رسول بھیجا اپنی ہی قوم کی بولی میں گفتگو کرتا ہوا بھیجا تاکہ لوگوں کو سمجھا سکے۔ ۱۴ **اِنَّ** اور اسے پیغمبر ہم نے تم سے پہلے بھی رسول بھیجے وہ یہ بیان ہی رکھتے تھے اور اولاد ہی ۱۵ **اِنَّ** مکہ مدینہ و یثرب شہر میں ان میں کسی پر بڑے آدمی پر یہ قرآن نازل کیوں نہ ہو اور اور اسے پیغمبر ہم نے تم سے پہلے بھی قصباتی لوگوں کو رسول بنا کر بھیجا اور ان پر بھی نازل کی ۱۶ **اِنَّ** اور ہم نے پیغمبروں کو لایئے تھے جنہیں تم سے تھے کہ ان کا کھانے کی ضرورت نہ ہو اور نہ وہ لوگ سدا سکھو دنیا میں رہنے والے تھے۔ ۱۷ **اِنَّ** اس پیغمبر کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں کیا کہ اسکے ساتھ جو لوگوں کو عزت الہی سے نوازنا یا اسکے پاس فرشتہ خزانہ اترا ہو تاکہ کوئی بارگاہ ہوتا کہ اس کی پہلی کھانسی یا کھانسی کے بعد اسے پیغمبر ہم نے تم پر ایمان لائے دیا

۱۳ **اِنَّ** اور اسے پیغمبر ہم نے تم سے پہلے بھی رسول بھیجے وہ یہ بیان ہی رکھتے تھے اور اولاد ہی ۱۵ **اِنَّ** مکہ مدینہ و یثرب شہر میں ان میں کسی پر بڑے آدمی پر یہ قرآن نازل کیوں نہ ہو اور اور اسے پیغمبر ہم نے تم سے پہلے بھی قصباتی لوگوں کو رسول بنا کر بھیجا اور ان پر بھی نازل کی ۱۶ **اِنَّ** اور ہم نے پیغمبروں کو لایئے تھے جنہیں تم سے تھے کہ ان کا کھانے کی ضرورت نہ ہو اور نہ وہ لوگ سدا سکھو دنیا میں رہنے والے تھے۔ ۱۷ **اِنَّ** اس پیغمبر کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں کیا کہ اسکے ساتھ جو لوگوں کو عزت الہی سے نوازنا یا اسکے پاس فرشتہ خزانہ اترا ہو تاکہ کوئی بارگاہ ہوتا کہ اس کی پہلی کھانسی یا کھانسی کے بعد اسے پیغمبر ہم نے تم پر ایمان لائے دیا

ہیں نہیں مگر یہ کہ ہم دین میں سے ہائی کا ایک چشمہ جاری کرو یا تمہارا کوئی بارگاہ ہو اس میں جو بارگاہ اور انکو پہلے ہوں اور تم اس کے پیچ پیچ میں ہوا دیکھا دیا

من خیل وعب فقیر الامہا بطلان الخیل او نسقط السماء کما نعت علیہا کسفا اوتانی بالہ والمملکۃ فیہا
 او یکن لک بیت من منخرف اوترق فی السماء ولن نن من قبلک حتی نزل علینا کتابا کفر وہا ان خدایتو
 سے جو صرف نمونے کے طور پر بیان کی گئی ہیں پتہ لگتا ہے کہ لوگوں کے خیال میں پیغمبر کو کیا ہونا چاہیے
 تھا۔ آدمیوں سے بالاتر مرتبہ شان خدائی سیئے ہوئے۔ پیغمبر صاحب اپنی ہی بہتری کی کہ ان کی نسبت
 ایسے خیالات نہ کیے جائیں اور ان کے اصرار سے اور پکار پکار کر اعدا افاکش ہند کہ فرمانے سے ان خیالات
 میں بہت کچھ کمی ہوئی بھی مگر لوگوں کے اہل رجحان طبیعت کو کیا کیا جائے۔ رنگ کٹ گیا مگر مصیبت باقی ان
 ہی خیالات میں سے ایک یہ بھی تھا کہ پیغمبر کے رفیق پیغمبر کے عزیز پیغمبر جیسا تقدس اور تقدس بھی وہ تقدس
 جو انھوں نے سمجھ رکھا ہے نہ رکھتے ہوں تو انہیں میں سے فرق سے اس کے لگ بھگ ہوں یہ ہے سچی
 سنی شیعہوں کے اختلاف کی۔ لوگوں نے پیغمبر صاحب کے خانگی حالات کی ٹوہنگائی تو معلوم کیا کہ باپ تو
 شیر خواہی چھوڑ دے تھے پیغمبر صاحب کے دادا کے کنارہ عاطفہ میں پرورش پائی پھر دادا کا سایہ بھی سپر
 اٹھ گیا تو چچا نے سرپرستی کی۔ یوں پیغمبر صاحب نسب میں حسب میں خاص خواستہ کسی سے بیٹے نہ تھے مگر
 پھر بھی تھے غریب آدمی۔ اور خدیجہ الکلبیہ رضی اللہ عنہا ایک بیوی بی بی تھیں مگر تھیں بڑی مال دار
 اور ملک شام کے ساتھ ان کی بڑی تھا، تھی۔ ان کو مدینہ کا رندہ سے کی تھی جستجو انھوں نے پیغمبر صاحب
 کی دیوانہ امانت سمجھنا شروع کی تھی حال میں ان کو مال تجارت دے کر شام کو روانہ کیا اور پیغمبر
 سے پہلے کی بات ہے۔ بھلا جس شخص کو خدا نے پیغمبر کی کے لئے منتخب کیا ہو اور وہ تجارت کرے تو اس تجارت
 میں برکت نہ ہوتی ہو تو ہو۔ اس کچھ میں خدیجہ کے کو تو قریب سے بہت بڑھ کر نفع ہوا اور اس کے غلاموں نے
 جو مال کے رکھ رکھاؤ کے لئے ساتھ تھے پیغمبر صاحب کی ہر طرح کی تھیں بیان کہیں خدیجہ تو پیغمبر صاحب
 کی گرویدہ ہو گئیں اور پیغمبر صاحب کے نکاح کا پیام دیا۔ اصرار خدیجہ کی قدر دانی اور پیغمبر صاحب کی احسان
 شناسی۔ باوجود کے کہ خدیجہ بیوہ ہوئے تھے غلام پیغمبر صاحب کے پناہ رہا جس بڑی تھیں پیغمبر صاحب
 منظور فرمایا۔ اب پیغمبر صاحب نے دنیا داروں کی نظروں میں ایک قاری پیدا کیا۔ ہم تو پیغمبر صاحب کی اس
 بات کے قائل ہیں کہ باوجود کے کہ عرب میں مقیم تھے مگر کارج کر لینے کا عام رواج تھا مگر خدیجہ کے ساتھ پیغمبر صاحب

نے اس قدر مرقہ برقی کہ جب تک زندہ رہیں دوسرے نخل کا خیال بھی تو نہیں کیا جس طرح خدیجہ کے مال میں خدائے پیغمبر صاحب کے ثمول سے برکت دی تھی اسی طرح ان کے نخل میں بھی برکت دی کہ بیٹے بھی ہوئے اور بیٹیاں بھی ہوئیں۔ سو بیٹے تو خدا کی مرضی زندہ نہ رہے۔ بیٹیوں میں صرف ایک حضرتہ فاطمہ پیغمبر صاحب کے بعد جیتی ہیں وہ بھی چھ مہینے۔ اور خدیجہ نہ کامونہ تھا کہ پیغمبر صاحب نخل کا قصہ نہیں فرماتے تھے ان کے انتقال کے بعد پیغمبر صاحب کے کئی بیٹیاں کیں جن میں حضرتہ ابوبکر خلیفہ اول کی بیٹی ام المومنین عائشہ نہ سربزاورہ تھیں۔ ایک تو پیغمبر صاحب کی ازواج طاہرات میں صرف حضرتہ عائشہ تھیں جن کے پہلے شوہر پیغمبر صاحب تھے دوسرے ان کے بچے پیغمبر صاحب اور اسلام پر پڑے حقوق تھے کہ وہ سب پہلے مسلمان ہوئے تھے۔ اور شروع سے آخر تک برابر جان و مال دونوں سے پیغمبر صاحب کی خدمت میں حاضر کپڑے کی تجارت کیا کرتے تھے۔ اور اچھے خوش حال آدمی تھے۔ مگر سارا مال پیغمبر صاحب اور اسلام کی تائید میں خرچ کر کے آخر کو خالی ہاتھ رہ گئے ہجرت کے اُس نازک درجان ہر کھول کے وقت میں کہ کافروں نے پیغمبر صاحب کے مار ڈالنے کے منصوبے کر لیے تھے اور پیغمبر صاحب نے سرفرمان رات کو کئے سے نخل بھاگے تھے اور نظر ظاہر کوئی ایسا نہ تھی کہ صحیح مسلمان بن کر جائیں گے۔ یہی ابوبکر تھے جنہوں نے پیغمبر صاحب کا ساتھ دیا۔ مخالف جو چاہیں سمجھیں اور جو چاہیں کہیں ان واقعات کو کون مٹا سکتا ہے کہ پیغمبر صاحب نے نخل بھی کئے تو ایسے وقت کئے جب جوانی کی شورش فرو ہو چکی تھی اور اکثر بیویوں کے ساتھ اور ایسیوں کے ساتھ کہ ان کے حالات پتھر سے کہتے ہیں کہ ان کو زوجہ میں لیسا ان کے حفظ مرتبہ کے لیے تھا یا ان کی دلجوئی کے لیے یا اسلام کی خاطر ان کے سینک والوں کی استمال کے لیے۔ بہر کیف پیغمبر صاحب کی ازواج طاہرات میں سے حضرتہ عائشہ نہ سب ہیں سربزاورہ تھیں اور حضرتہ فاطمہ نہ تھیں تو بیٹی گراماں عمر میں بڑی صاحب اولاد کہ ان ہی سے پیغمبر صاحب کی نسل چلی اور سب کا کھلائی۔ پھر بیٹی بھی کیں ان کی تھیں خدیجہ لکبے کے رہنے کی جن کے احسانات اور حسن معاشرت کو پیغمبر صاحب جب تک جیتے رہے ہمیشہ یاد کیا کرتے۔ عرض عورتوں میں سے حضرتہ عائشہ نہ اور حضرتہ فاطمہ نہ کو پیغمبر صاحب کے ساتھ پہلے درجہ کی خصوصیت تھی اور ان دونوں میں بقا خدا سے بشریت ایک طرح کی کشیدگی رکھتی تھی۔ حضرتہ عائشہ نہ کا تو یہ حال تھا

پنیر صاحب نے بیسوں کی باری باندھ رکھی تھی لیکن دل پر کو کسی کا قابو نہیں چلتا لوگوں کو میلان طبع معلوم تھا۔ ام المؤمنین سودہ نے تو اپنی باری تک بطور خاطر عائشہ کو دے دی تھی۔ اور میل ملپ الوں میں کسی کو کچھ تحفہ مخالف بھیجنا ہوتا تو عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری کا انتظار کرتے جانتے تھے کہ پنیر صاحب کی پہلی بی بی وہی ہیں۔ (دوسرے فاطمہ تھیں تو بیٹی مگر جب والد بزرگوار کی خدمت میں تشریف لائیں تعظیم کے لیے کھڑے ہو جاتے۔ بیٹھنے کو اپنی رواج چھوڑتے گھٹنوں تخلیہ کرتے۔) ان دونوں کا رشتہ ہی ایک دوسرے سے کشیدہ رہنے کا تھا۔ سیر میں ان لوگوں کے حالات پڑھو تو وہ لوگ بھی ہم ہی جیسے آدمی تھے ہم ہی جیسی طبیعتیں۔ اسلام نے ان کے مستفادات کو بدلتا تھا ان کے معاملات کی اصلاح کی تھی نہ ان سے انسانیت اور بشریت سلب کر لی تھی۔ لا تبدل لخلق اللہ پنیر صاحب کی ازواج طاہرات میں قریب قریب اسی طرح کے احساسات تھے جیسے اس زمانے کی سونوں میں ہوتے ہیں۔ خدیجہ الکبریٰ اگر زندہ ہوتیں اور پنیر صاحب ان کی زندگی میں عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کر لیتے تو دونوں میں سونمات کا رشتہ ہوتا اب حضرت فاطمہؓ اپنی ماں کے قائم مقام تھیں اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے اگلی رکاوٹ ہدی ہوتی بات تھی پس اب یہیں سے فیصلہ کر لو کہ ان دونوں کی رکاوٹ اور کشیدگی کو خود ان دونوں کے اسلام میں پنیر صاحب کی پنیر بی بی میں ہم امتیوں کے دین و مذہب میں کیا دخل ہے۔ اگر ایسی ایسی باتوں سے اسلام جانے لگا تو دنیا میں نہ کبھی کوئی مسلمان تھا نہ کوئی ایسے اور نہ کوئی آئندہ ہوگا۔ مسلمانانِ درگزر مسلمانانی در کتاب۔ اور اچھا فرض کیا اسلام جاتا تو ان کے انھیں جو ایک دوسرے سے کشیدہ رہے۔ پنیر تک اس کا اثر کیوں متعدي ہونے اور پھر آنے کے ساتھ ہم بچا رہے امتیوں کا گھٹن کیوں پیدا جاسنے لگا۔ غضب خدا کا خدا کو ایک مانیں پنیر اور قرآن اور آخرت سب کو برحق۔ نمازیں پڑھیں روزے رکھیں حج کریں نکوۃ دیں اور پھر دوزخی کے دوزخی۔ کیوں کہ ان کے عائشہ رضی اللہ عنہا اور فاطمہ رضی اللہ عنہا ایک دوسری سے روٹھی رہتی تھیں۔ اچھا پھر ہم کیا کریں۔ ہمارے ختمیاری کی بات ہے۔ ہم نے ان کو لڑوایا۔ یا اب ہم ان کا ملاپ کر سکتے ہیں۔ پنیر صاحب نے ان کو ملانا چاہا تب تو ملی ہی نہیں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا تو فاطمہ رضی اللہ عنہا کا کیا کر سکتی تھیں کیونکہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو پنیر صاحب کے ساتھ نسبت جزیئہ تھی۔ مگر ماں ان کا عائشہ رضی اللہ عنہا کے موقع پر فاطمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پنیر صاحب کو عائشہ رضی اللہ عنہا کے چھوڑ دیا

کی ضرورت صلاح دی تھی۔ عورت کو گھر کے اُچڑنے کا ہر اصرار نہ ہوتا ہے اور پھر گھر بھی عائشہ کا سا گھر کہ دین کی پیغمبری اور دنیا کی بادشاہت۔ عائشہ نہ تھیں تو پیغمبر صاحب کی بی بی مگر کچھ بھی تھیں تو آدمی ممکن نہیں کہ ان کو حضرة علی رضی اللہ عنہ کی خبر نہ ملی ہو۔ اور خبر ملے پیچھے جیسا کچھ ملال ان کو علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے ہوا ہوگا اور رہا ہوگا ظاہر ہے پھر اس سے انکار ہو نہیں سکتا کہ حضرة علی رضی اللہ عنہ کے دعویدار ضرور تھے۔ اور کیوں نہ ہوں پیغمبر صاحب کے بعد داماد کو بیٹا کہہ دیا جیسا کہ وہی ہی تھے اور چند در چند قرابتوں کے علاوہ علم فضل اور شجاعت میں بھی کوئی ان کا ہمسرہ نہ تھا۔ اور سب استحقاق ایک طرف اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کا سوچو ہونا ایک طرف۔ کوئی ہے جو اتنے استحقاقوں کے ہوتے سلطنت جیسی چیز کو چھوڑ بیٹھے۔ اور یہ نہ صرف علی رضی اللہ عنہ کا خیال تھا بلکہ بیڑ اور احادیث کی کتابوں سے ثابت ہوتا ہے کہ پیغمبر صاحب کے تمام قرائب ان جدی کا یہی خیال تھا۔ دوسرے دعوے دار بھی کہیں سے رستہ چلتے نہیں آگئے تھے۔ ان کو بھی پیغمبر صاحب کے ساتھ طرح طرح کی جھڑپیں تھیں۔ اور سب پر فائق یہ کہ اس وقت کا رنگت کچھ کراچی کا نیابی کا یقین رکھتے تھے۔ چنانچہ کامیاب ہو بھی۔ شاہ جہان بادشاہ چار بیٹے چھڑ کر مر رہا تھا۔ کوئی محلات شاہی کی طرف داری پر نازاں تھا۔ کوئی اگر کین سلطنت سے ملا ہوا تھا کسی کو اس کا گھمنہ تھا کہ میں عین وقت پر بادشاہ کے پاس ہوں۔ اور آسانی سے خزانہ اور قلعہ اور لوازم شاہی پر قبضہ کر سکتا ہوں۔ کوئی اپنی تدبیر کو حکمت علی پر بھروسہ رکھتا تھا یعنی سب کے چھوٹا عالم گیر اور آخر کار کے سامنے کسی کی بھی نہ چلی۔ میں خیال کرتا ہوں کہ خلافت اسلامی کا بھی یہی حال تھا۔ لے اٹھے وہ جو اسکے لے اٹھنے کی تدبیر کر سکتے تھے اور ان کی بعد کی کارروائیوں نے ثابت کر دیا کہ وہ اسکے اہل تھے۔ اس بات کو تو عقل قبول نہیں کر سکتی کہ پیغمبر صاحب کے کسی کو یقین و تخصیص اپنا جانشین کیا ہو۔ جو شخص ایک نیا مذہب چلا کر لوگوں سے سیکڑوں ہزاروں برس کے معبودوں کی پرستش ان کے عزیزان کے مال اسباب ان کے وطن چھڑا دے۔ جو شخص تمام جزیرہ عرب بلکہ تمام دنیا میں ایک شکستہ مچا دے جو شخص ہزاروں لاکھوں غن کر دے اسکو اپنے جانشین کا تسلیم کر دیا کیا شکل تھا اسکو اپنے اتیل پر وہ اقتدار حاصل تھا جو کسی بادشاہ کو گو وہ کیسا ہی جابر اور زبردست کیوں نہ ہو نہ کبھی حاصل ہوا اور نہ کبھی حاصل ہو سکتا ہے وہ لوگوں کی نہ صرف اس چند روزہ زندگی پر حکومت کرتا تھا بلکہ انا

هذه الحقیقۃ الدنیا بلکہ اُس نے والی ابدی لازوال زندگی پر بھی۔ وہ نہ فقط جسموں کے ہلاک کر دینے
 پر قادر تھا بلکہ راحوں کے تباہ کر دینے پر بھی۔ مان آنا ضرور ہوا ہے کہ پیغمبر صاحب آدمی تھے کثیر الملق
 (میں نے آدمی بھی ڈرتے ہی ڈرتے کہا ہے) بہتیروں کے ساتھ طرح طرح کی خصوصیتیں رکھتے تھے اور
 کبھی کبھی انہما رحسان منہی یاد دل ہی کے طور پر تھیں اور شاہان کی ضرورت واقع ہوتی تھی اسکو کسی نے
 جانشینی کی بشارت سمجھ لیا ہو تو اُس کی خوشی جو شخص سب کے زیادہ پیغمبر صاحب کی وفات سے متاثر ہو
 فاطمہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ والدہ پہلے انتقال فرما چکی تھیں۔ اب ماں اور باپ دونوں کی جگہ پیغمبر صاحب تھے اور باپ
 بھی کیسے باپ دین دنیا دونوں کے بادشاہ۔ ایسے باپ کا سر پر سے اٹھ جانا اس پر حقہ علی رض کا خلافت
 سے محروم رہنا اور نمک پر جراثیم ترکہ پدیری باغ فک کا دعویٰ کرنا اور مقدمے کا مار جانا۔ کسی دوسرے کو
 ایسے پیغمبر صدمات پہنچتے تو وہ زیر کھا کر مرتبا۔ مگر اُن کے صبر و ضبط ان ہی کے ساتھ تھے۔ پھر بھی ان ہی
 رنجوں میں گھل گھل کر چھپی ہوئی مہینے کے اندر اندر انتقال فرمائیں۔ اور جتنے دن زندہ رہیں ان لوگوں سے
 جنہوں نے ان کو بچ دیئے تھے نہ بولیں اور نہ بات کی یہاں تک کہ اُن لوگوں کے اپنے جنازے پر آنے
 کی بھی ممانعت کر دی اور شب کے وقت مدفون ہوئیں انا للہ وانا الیہ مرجعون۔ مانا کہ ان کا غصہ کسی قدر بچا
 بھی ہو۔ تاہم اُن کے باپ کے حقوق کیا چاہتے تھے۔ فاطمہ رض کے دل غمزدہ کو خوش کرنے کے لیے علی
 کو اگر وہ اہل بھی تھے برائے نام خلافت دے دی ہوتی اور آپ انتظام کیا ہوتا۔ خیر خلافت تو کون دے دیتا
 تھا مگر باغ فک کے دے دینے میں ایسی کون سی قباحت تھی۔ غایت مافی الباب حدیث غن معاشرا الانبیاء
 لا خیر ولا فلاح ولا نفع الا بالصدقۃ کے خلاف ہو تو ہو۔ گناہ اگر ہو تا تو فاطمہ رض کو ہوتا کہ وہ سچا مانی ہو کر
 کھاتیں۔ سخت افسوس کی بات ہے کہ اہل بیت نبوی کو پیغمبر صاحب کی وفات کے بعد ہی سے ایسے نا ملائم
 اتفاقات پیش آئے کہ اُن کا وہ ادب اور کھاطہ جو ہونا چاہتا تھا اُس میں ضعف آگیا۔ اور شدہ منہجر
 ہوا اُس ناقابل برداشت واقعہ کربلا کی طرف جس کی نظیر تاریخ میں طغیانی شکل ہو۔ وہ ایسی نالائق حرکتیں
 سے ہوئی ہیں کہ اگر سچ پوچھو تو دنیا میں مومنہ دکھانے کی قابل نہیں رہے۔ ہم کہ تو اس واقعے کا خیال رکھو
 وہ یہود کا قتل ان انبیاء اللہ ان کمنفوس منہدین یا وجہا ہے۔ کیا بات کا فتنہ بن گیا کہ کچھ کہتے نہیں

پڑتی۔ عیسائی بڑے شہ و مد کے ساتھ اسلام پرست ارض کرتے ہیں کہ اسلام نے عورتوں پر پردے کی قید لگا کر اور مردوں کو متعدد نکاحوں کی اجازت دے کر عورتوں کے حقوق کو بالکل پامال کر دیا۔ اور مسلمانوں کی بیبیاں ہوسٹیاں ٹونڈیوں سے بدتر۔ ہوئی نہ ہوئی برابر۔ مگر ایسی ہوئی نہ ہوئی برابر ہیں کہ ان عورتوں کی وجہ سے مسلمان سنی اور شیعہ دو فریق ہو رہے ہیں ایک دوسرے کے مخالف۔

سوال۔ اچھا پھر آپ سنی میں یا شیعہ۔

جواب۔ مرزا مسلمان۔ نہ سنی نہ شیعہ۔ سنی شیعہ بننے کا اب وقت نہیں رہا۔ آج کو وہ لوگ زندہ ہوتے جو اصل میں ایک دوسرے سے لڑتے تھے تو میں تکوید کھانا کھتی ہوں یا شیعہ۔

سوال۔ وہ تو اب کیا زندہ ہو سکتے ہیں مگر فرض کیجئے کہ آپ اس نسلنے میں ہوتے تو آپ کیا ہوتے۔

جواب۔ جو شخص واقعات کو مذہب میں نہ آنے دے وہ مفروضات کو مذہب میں کیوں داخل نہیں لگا۔

سوال۔ یہ تو ٹانے کی سی باتیں ہیں۔

جواب۔ میں ٹانٹا تو نہیں۔ تم سے پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ میں ایسے فضول بھٹیروں کو مذہب سے متعلق نہیں سمجھتا۔

سوال۔ تو یوں کہئے کہ آپ کی رائے سنی شیعہ کسی سے نہیں ملتی۔

جواب۔ پوری پوری تو سنی شیعہ کسی کی رائے سے بھی نہیں ملتی۔

سوال۔ مہربانی فرما کر اس کی فراصراحتہ کیجئے۔

جواب۔ دنیا کے عتبار سے تو میں شیعہ ہوں یعنی اگر میرے ہوتے وہ واقعات پیش آئے ہوتے

تو میں غالباً اہل بیت کا ساتھ دیتا۔ نہیں معلوم اس وقت میری یہ رائے ہوتی یا نہ ہوتی مگر جہاں تک ان جھگڑوں کے

حالات مجھ کو معلوم ہوئے ہیں اگر بس یہی ہیں تو میں تو مرجاتا اور حضرة فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی آنکھ پر پیل نہ آنے دیتا

اور جو کچھ وہ فرمائیں بجا یا بے جا سمجھتا ہوں میں فرق نہ کرتا۔ اسلامی سلطنت رہتی یا جاتی اور جاتی ہی کیوں

سوال۔ بھلا آپ کی شیعہ تو معلوم ہوئی اب یہ فرمائیے کہ آپ سنی کیوں کرتے ہیں۔

جواب۔ ہاں سنی اس طرح پر ہوں کہ جو لوگ خلافت پر قابو ہو گئے جہاں تک اسلام کا تعلق ہے ان کو بھی

اسلام کا خیر خواہ اور نہ صرف خیر خواہ بلکہ مسن سمجھتا ہوں اور کسی طرح کی تیرہ بائیں کی طرف منسوب نہیں کرتا اور نہیں کرتا۔

سوال۔ تو آپ کچھ سنی ہیں پھر آپ اپنے تئیں کس بات میں مستثنیٰ کرنا چاہتے تھے۔

جواب۔ اس بات میں کہ سنی ان جھگڑوں کو جزو دین قرار دیتے ہیں اور مجبور ہو کر ان کو وقعات سے انکار کرنا پڑتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ان لوگوں میں کسی طرح خربش اور کشیدگی اور کاوٹ تھی ہی نہیں لیکن میرے نزدیک یہ انکار انکار بدانتہا ہے۔ میں کہتا ہوں تھی اور ضرورت تھی اور ہونی چاہیے تھی۔ اور آخر کار وہ ظاہری پرہیزی اور بری طرح پرہیزی۔ لیکن اس کو دین سے کچھ سروکار نہیں نہ ہمارے دین سے اور نہ خود ان کے دین سے۔ لوگوں نے خدا میں اور رسول میں اور دین میں اور دنیا میں عجیب خلط بھرت کر رکھا ہے پیغمبر میں وہ تقدس چاہتے ہیں جو خدا کے ساتھ خاص ہو فرشتوں کو بھی اس کی ہوا نہیں لگی اور نہ صرف تقدس بلکہ ایک طرح کی خدائی۔ خدا اور رسول کو تو ایسا گڈ ڈیکھا ہے کہ دونوں میں تسیار کرنا مشکل ہے۔ وہی یہود و عیسائیوں کا سانگہ ہے کہ انھوں نے اپنے پیغمبر کو اتنا بڑھا دیا کہ یا کبیر یا کبیر خدا کی گود میں جا بٹھا یا مسلمانوں نے بھی باوجود کہ سارے قرآن سے توحید پڑی پڑی ہو رہی ہے اور پیغمبر صاحب نے بھی اس کی رخنہ بند کر دی ہے میں کوشش کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ قبر شریف کی نسبت تاکید فرماتے رہے کہ خبر دار جو میری قبر کو مسجد بنایا ہو گا۔ ان کو کیا خبر تھی کہ ان کی اُمّت کے کتنے بزرگوں کی قبریں مسجد بنائی جائیں گی۔ لوگ مرے ہوئے بزرگوں کو مسجد کے کرینگے۔ ان سے حاجتیں مانگیں گے۔ صحابہ میں بعض لوگ ملک فارس کے بادشاہوں کا ادب قاعدہ دیکھ کر آئے تھے چاہا کہ اسی طرح کی تعظیم پیغمبر صاحب کی کریں۔ یہاں تعظیم کے لئے لوگوں کا سر قلم کھڑا ہونا تک ناگوار تھا کہ کہیں تعظیم کی عبادت نہ بن جائے۔ کسی بات کی نسبت ایک شخص کے موند سے نکلا اگر خدا اور اس کا رسول چاہے (اور یہ کلام اب ہم لوگوں کا رزمہ ہے) آپ نے سخت ناخوش ہو کر فرمایا کہ تم مجھ کو خدا کا شریک بناتے ہو۔ غرض باوجود کہ سارے قرآن سے توحید پڑی پڑی ہو رہی ہے اور پیغمبر صاحب نے بھی اس کی رخنہ بندیوں میں کوشش کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا اس پر بھی مسلمان احمد بلاہم تک تو کہہ گئے کہ یہ ابن الد سے بھی بڑھا ہوا ہے پیغمبر صاحب سچ فرمایا کرتے تھے کہ مسلمانو تم جیسے چچے

پرفرماتے ہیں و ما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افان مات او قتل انقلبتم على اعقابكم و من ينقلب على عقبيه فلن يضر الله شيئا و يعنى محمدؐ پیش بریں نیست ایک رسول ہیں ان سے پہنچے رسول ہو چکے ہیں تو اگر یہ جانتیں یا مارے جانیں تو کیا تم اُسے پانوں اسی شرک و بت پرستی کی طرف پھر لوٹ جاؤ گے اور جو اُسے پانوں شرک و بت پرستی کی طرف پھر لوٹ جائے گا تو وہ خدا کا کیا بگاڑے گا اس سے یہ بات نکلی کہ دین خدا کا ہے اور پیغمبر صاحب کو خدا نے دین کی تعلیم کے لئے مامور فرمادیا تھا اگر وہ دنیا میں نہ بھی ہوں جیسا کہ سخت افسوس ہے کہ وہ تیرہ سو برس سے نہیں ہیں تاہم اُنکے نہ ہونے سے دین میں کسی طرح کا خلل واقع نہیں ہونا چاہیئے۔ بس اب تم آپ انصاف کر لو کہ پیغمبر صاحب کے حواریوں اور شاگردوں اور رفیقوں اور عزیزوں کی باہمی شکر رنجیوں اور شہید گیوں کو دین میں کیا دخل

ہو سکتا ہے۔ اور یہیں سے یہ بھی سمجھ لو کہ پیغمبر صاحب کے بعد دین کے لیے کسی نائب یا خلیفہ یا امام کی بھی ضرورت ہے یا نہیں۔

صادق کا مذہبی خواب۔ فرقہ صوفیہ

سوال۔ یہ تو بڑا بھاری جھگڑا تھا اور آپ نے بڑی ہی آسانی سے اسکو طے کیا۔ میرے دل کو تو لکھن ہو گیا بزرگ اللہ خیر۔ اسی طرح کوئی بیان ثانی صوفیوں اور شائخوں کے بارے میں بھی فرمادیجئے تو میں شاید آپ کو زیادہ تکلیف نہ دوں۔ ہر چند سنی شیعہ کل ساتھ اختلاف نہیں مگر خدا ایک رسول ایک قرآن ایک پھر یہ الگ الگ فرقے کیسے۔

جواب۔ لوگ تو مولویوں کے ڈر کے مارے اپنے مذہبی خیالات کے ظاہر کرنے میں مضائقہ کیا کرتے ہیں کہ ایسا نہ ہو کہ کافروں سے جاری کر دیں اور تم چاہتے ہو کہ حضرت مولوی نہیں بلکہ تمام اسلامی فتنے اور ہنار اور عیسائی اور یہود و غرض ساری دنیا کھوکھلا کر بنائے کیونکہ میری مت کسی سے نہیں ملتی۔ میری مت تو یہ ہے کہ میرے رسول کسی کا مذہب ٹھیک نہیں اور سب کا ٹھیک ہو۔

سوال۔ یہ تو عجیب بات ہو۔

جواب۔ بے شک عجیب ہو۔ مگر اسی وقت تک کہ تم نے اسکو سمجھا نہیں سمجھے کچھ بھی عجیب نہیں

سوال۔ تو میں سمجھ بھی چکا۔

جواب۔ اجماعی تم سمجھو اور تمھارا اچھا سمجھے۔ بات معقول ہو اور بیان کرنے والا سمجھانے پر قادر ہو کیوں نہ سمجھو۔

سوال۔ بھلا فرمائیے تو سہی۔

جواب۔ میرے نزدیک مذہب شخصی چیز ہے یعنی ہر شخص اپنا مذہب لکھتا ہو۔ نفسی نفسی۔

لا تفرم الذمۃ وزم الذمۃ من اخیہ وامہ وابیہ وصاحبہ وبنیہ لکل امرء منہم یومئذ شائبہ
پسنبیہ ان باتوں سے کیا معلوم ہوتا ہے کہ کسی کا عقیدہ یا عمل کے سوائے کسی دوسرے کے کام کا
نہیں۔ میرا مذہب میرے لیے ٹھیک ہو اس لیے کہ اس سے کھوکھلا اطمینان ہو اور میں اس کے فریقے سے

نجاتِ آخرت کی امید رکھتا ہوں ہے دوسرے لوگ مجھ کو ان کے مذہب سے تعرض کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اور چونکہ ان کے مذہب میرے کام نہیں آ سکتے میں ان کو اپنے لیے کیونکر ٹھیک کہہ دوں۔ کانپور میں ایک شخص نے کسی پلٹن کے سوزوں کا ٹھیکہ لیا۔ وہاں چمڑے کا کام نہایت عمدہ ہوتا ہے۔ موزے طیار ہو گئے تو وہ انکو پلٹن کے سارجنٹ پاس لے گئے جس کی پسند پر سوزوں کا پاس ہونا موقوف تھا۔ وہ سارجنٹ تھا ذرا خوش مزاج آدمی۔ ٹھیکہ دار صاحب پوچھا کیوں صاحب سب ٹھیک۔ سارجنٹ نے کہا سو اس ایک کے جو تم میرے لیے ہو کر لائے ہو کوئی بھی ٹھیک نہیں۔ یہ سن کر وہ ٹھیکہ دار بہت سٹپٹا یا۔ آخر کو سارجنٹ نے کہہ دیا کہ اور سب سوزوں کو نا درست بنانے سے اس کا کیا مطلب تھا جیسے میں نے تم کو سمجھا دیا کہ میں دوسرے مذہبوں کو کسی غرض سے کہتا ہوں کہ ٹھیک نہیں۔

سوال۔ بات تو محقول ہے۔ اچھا آپ نے سب کو ٹھیک کیونکر کہا۔

جواب۔ یہ بھی بتا ہی دوں۔ سب کو ٹھیک کہا کل حزبِ مخالفہ و فرقہ کے لحاظ سے۔ ہر شخص عقل رکھتا ہے اور جتنی اور جیسی جس کی عقل ہے۔ وہی ہی اس سے باز پرس ہی۔ لایکلف اللہ نفساً الا وسعہا ان اللہ لا یظلم الناس شیئاً۔

سوال۔ خیر یہ بات تو ذہن میں جتنے ہی جگے کی صوفیوں اور دانشمندیوں کے ہاں ہے میں تو اپنی رائے بیان کیجے کہ مسلمانوں میں ان کا بھی ایک بڑا گروہ ہے۔

جواب۔ میں تم سے کتنی بار کہوں اور کیونکر کہوں کہ میں اپنے نفس کے سوائے کسی کے مذہب کی نسبت برسی یا بھلی کوئی رائے نہیں اپنی چاہتا نہ اس کی مجھ کو کوئی ضرورت اور نہ اس کا مجھ کو کوئی حق۔ مذہب ایک حاملہ بین البدین العبد جس میں کسی دوسرے کو کچھ دخل نہیں۔ مذہب کا سارا دار ہی نیت پر اور خدا کے سوا کوئی کسی کی نیت سے آگاہ ہو نہیں سکتا۔ براستانہ میخانہ گورنمنٹ پرنٹنگ پریس لاہور کے مطابق

سوال۔ یہ سچ ہے لیکن لیٹھن قلبی

جواب۔ مذہب کے سارے اختلافات پیدا ہوئے ہیں انسان کی خاص طرح کی بناوٹ سے اور اس میں جو صفت ہے اس کا سمجھنا مقدر و بشر نہیں۔ انسان کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن یا ایک جسم اور ایک روح

دلوں میں جو تعلق ہے وہ بھی اسرار الہی میں سے ایک بھید ہے جو کسی پر آشوب نہیں ظاہر ہو سکتا۔
 من دبی۔ بہر کیف شارع نے انسان کے ظاہر و باطن دونوں کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا۔ اور قرآن جیسے نماز
 و روزے کی تاکید کرتا کہ یہ اعمال ظاہر ہیں ویسے ہی حسد کی غیبت کی مردم آزاری کی تجل کی طبع کی حرص کی
 بے صبری کی خود غرضی کی بے حیائی کی باتوں کی سخت مذمت کرتا اور اسکو جس میں بد عادتیں ہوں مستوجب
 عذاب الہی قرار دیتا اسلام نہ صرف اسکا نام ہے کہ آدمی اپنا ظاہر درست کرے بلکہ باطن بھی۔ خدا نے یہاں
 تو فرمایا ہے وَأَن تَذَكَّرَ دَامًا فِي انْفُسِكُمْ وَأَخْفَىٰ يَخَاسِبُكَ بِهِ اللَّهُ اور واقع میں پہلے دل میں ارادہ پیدا
 ہوتا ہے تب اس کے مطابق افعال سرزور ہوتے ہیں۔ باطن کی اصلاح کے باطن ظاہر کی اصلاح ہو سکتی
 نہیں سکتی۔ اگر کسی خدیث و رخت کو دور کرنا چاہتے ہو تو اس کو چڑ سے اکھاڑ پھینکو ورنہ ٹہنیوں کے قلم
 کر دینے سے تو پھر کو نپلیں پھوٹیں گی اور شاید زیادہ زور سے۔ تو مسلمانوں کو چاہیے تھا کہ ظاہر و باطن دونوں
 کی اصلاح کو ساتھ ساتھ لے چلتے بلکہ اصلاح باطن کا زیادہ اہتمام کرتے۔ لیکن ایک تو اصلاح باطن نفوس پر
 شاق ہے اور دوسرے خبیث باطن پر کسی کو اگلی ہونہیں سکتی کہ لوگوں کی ملامت یا حاکم کی سزا کا ڈر ہو پس
 لوگوں نے آسان بات پکڑ لی اور بہتیں صرف اصلاح ظاہر میں مقصور ہو کر رہ گئیں۔ سولوی لوگ جو غلط و جھٹا
 کی خدمتیں لیکر بیٹھے تھے ان کی نظر میں بھی لوگوں کے ٹخنوں پر پڑ کر رہ گئیں کہ کہیں ڈھکے ہوئے تو نہیں یا
 بڑی بلند پروازی کی تو ڈاڑھی مچھوں کی تراش خراش کو دیکھا یا ایسا ہی کسی کے سر پر شیطان سوار ہوا تو اس کے
 گردے کو مار ڈالا۔ دین کی دیکھ بھال جانچ پر مال ہو چکی لیکن بعض اللہ کے ولی ایسے بھی تھے جو افسوس کے
 ساتھ دیکھ رہے تھے کہ دین کے جزو ضروری یعنی اصلاح باطن سے بالکل قطع نظر کیا جا رہا ہے۔ انھوں نے
 صوفیہ کرام کا سلسلہ جاری کر کے دین میں جو ایک بڑا رخنہ پڑ گیا تھا اسکو بند کرنا چاہا۔ یعنی ظاہر و باطن دونوں
 کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوئے۔ یہ تھے حقیقہ میں اسلام کے بڑے رفارمر۔ لیکن حضرت انسان میں بے پنی
 کے بدھنے ان سے ایک وضع پر کیا رہا تاہم اصلاح باطن کی اگر پکڑ کر شرع ظاہر کو بالائے طاق رکھ دیا۔
 اب سولویوں یعنی علمائے ظاہر میں اتنی خرابیاں نہیں ہیں جتنی کہ ان مشائخ مدعیان صوفیتہ میں ہیں
 بدنام کنندہ کنو نامے چمکا رہے انھوں نے تو کچھ ایسا طریقہ اختیار کیا ہے کہ جس سے اسلام ہی بیخ و بن سے

سترزلزل ہوا جاتا ہے۔ یعنی موافق اور مخالف ساری دنیا جانتی ہے کہ خدا کو دین و مذہب کے متعلق جو کچھ اپنے
پیغمبر کی زبان سے کہلوانا منظور تھا وہ بجنسہ حرف بحرف قرآن میں لکھا ہوا موجود ہے پس قرآن مجید
مسلمانوں کا مذہبی کوڈ یعنی مجموعہ قوانین ہے۔ یہی حدیث تفسیر فقہ یہ بمنزلہ تشریحات اور نظائر کے ہیں
پیغمبر صاحب نہیں بھیجے گئے تھے کسی گروہ خاص کی طرف بلکہ روسے زمین کے تمام آدمیوں کی طرف
جہان نبوتہ کا ملاوا اپنے چھ ماہ اسلٹنک الا کافہ للناس اور ان کی تعلیم بھی عام تھی جیسی اپنی کو ولسی غیر
کہ جیسی شہری کو ولسی دیہاتی کو جیسی پڑھے لکھوں کو ولسی اُن پڑھوں کو جیسی مردوں کو ولسی عورتوں کو
اور بالیقین معلوم ہے کہ پیغمبر صاحب کو جو حکم ہوتا تھا بے کم و کاست ہو ہوتا دیتے تھے لکھوا دیتے
یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیك من ربك وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ بعض مقامات میں تاویب کے طور
پر پیغمبر صاحب کو زجر ہے۔ جیسے عبس و قلی ان جاءک الاصلہ بعض جگہ ان کے ایسے حالات کا بیان ہے
جن کو آدمی ظاہر اور شہر کرنے میں مضایفہ کرتا ہے جیسے قصہ افک عائشہ رضی اللہ عنہا اور کج زینبہ کو نسا ایسا
بے انصاف ہٹ دھرم ہوگا جو ان واقعات کے ہوتے ایک لمحے کے لیے تبلیغ وحی کے بارے میں
پیغمبر صاحب کو متہم کر سکے۔ وہ خود فرماتے ہیں لن اجد من دونہ ملحقا الا بالاحسان اللہ دوسرا کہ لا تہ
اچھا پھر ان شاخین نے یہ کیا طرز تعلیم اختیار کیا ہے جس کی فری مینوں کی طرح پردہ داری
اس تسلیم کو کہتے ہیں کہ سینہ بسینہ چلی آتی ہے ہر کیف قرآن حدیث سے خارج ہوتی۔ اور خارج ہوتی
تو داخل سلام کہتوں مانی جائے

ہم تو اصول مذہب کی روسے بدعت کے سوائے اس کا کوئی اور نام رکھ نہیں سکتے۔ اگر اصلاح
ظاہر بے اصلاح باطن یا کاری ہے تو اصلاح باطن بے اصلاح ظاہر کھلی ہوئی
بغاوت ہے یہ بالکل سچ ہے کہ علمائے ظاہر اپنے مولوی لوگ اگرچہ جیسا چاہتے اصلاح باطن پر زور نہیں دیتے
جیسا چاہتے اس کا اہتمام نہیں کرتے اور اسی لیے وہ لوگ جو ظاہر شریع کے پابند ہیں ان کے معاملات جیسے
چاہئیں درست نہیں ہوتے تاہم ان ظاہر پرستوں کو اصلاح باطن سے انکار تو نہیں۔ پوچھا جائے تو کیا
مجال اصلاح باطن کی شان توہین کا ایک حرف ان کے مونہ سے نکلے اور کیونکر نکل سکتا ہے جب قرآن میں

حدیث میں ظاہر و باطن دونوں کی اصلاح اس طرح ساتھ چلتی ہے جیسے گاڑی کے پہیے۔ وہ بہت کڑی توجیل شرعی ایجاد کریں گے جیسے تم نے سنے ہوں گے کہ ایک صاحب بڑے مالدار تھے اور زکوٰۃ نہ دینے کا جملہ سچ رکھا تھا کہ میاں بی بی ٹھٹھیرا لائی کیا کرتے تھے یعنی جب بچہ کھا کہ برس پورا ہونے پر کیا میاں نے سارا مال و متاع بی بی کے نام زبانی ہبہ کر دیا۔ بی بی جو نو مہینے سے زیادہ بیٹ میں بچے کے رکھنے کی روادار نہ تھیں مال کو برسوں ان اپنے پاس کیا ٹھہرنے دیتیں بغرض وہی مثل تھی کہ گھی کہاں گیا کچھڑی میں زکوٰۃ بھی نہ دینی آئی اور ظاہر شرع کے صاف جانے کہ خدا رسول سے بھی شرمندہ نہ ہوا پڑا۔ منظور نہیں کہ لوگوں کی چار آنکھیں کیجئے ورنہ ہکا تو ان ہی مولویوں کی جوتیوں کا صدقہ ایسے مسئلے معلوم ہیں کہ نہ نماز پڑھو نہ روزہ رکھو نہ زکوٰۃ دو نہ حج کو جاؤ جس کا چاہو مال مارو جس پر چاہیے آئے ظلم کرو پھر دیندار کے دیندار بہشت کے مستحق رضائے الہی کے امیدوار بغیر تو مولوی لوگ بہت کریں گے توجیل شرعی ایجاد کریں گے مگر اصلاح باطن کے سامنے سب سنگوں ہیں اور رینگوں ہونے باوجود ان کو بن نہیں آتی لیکن ان باطن والوں کا ظاہر یعنی شریعت کے ساتھ کیا حال ہے۔ رسول شاہی شتر شاہی وغیرہ عیب رکھتے کروہ کے گروہ تو ایسے ہیں جنہوں نے شریعت کی مخالفت کو اپنا شعار بنا رکھا ہے نماز نہ پڑھیں روزہ نہ رکھیں مسلمانوں کی ہی صورت نہ بنائیں نہ بنانے دیں کھلے خزانے بھنگ پٹیں چرس دم لگائیں بغرض شریعت کے جتنے احکام ہیں سب مستثنیٰ۔ اور طرہ یہ ہے کہ نادم نہیں۔ حکام شریعت کی نبت پکائے کہتے ہیں کہ یہ پانچیاں عوام الناس کیلئے ہیں۔ یہود کی طرح کہ وہ اپنے تئیں اَبْنَاؤُ اللہ وَاَحِبَّاءُ سمجھا کرتے تھے۔ اور ان کو پیغمبر زادگی کا بڑا گھنڈا تھا یہ لوگ بھی خدا کے ساتھ ایک دعائی خصوصیت جاتے ہیں۔ دنیا بھر کے آوارہ اور کاہل و مرتکا ایسی گروہ میں جا کر کھپتے ہیں اور لوگوں کا حال یہ ہے کہ دین اور مذہب کو تو سمجھتے بوجھتے خاک نہیں ان فقیروں کے گرد لٹو ہو رہے ہیں جسکے حقیقت میں یہ معنی ہیں کہ انکو خدا رسول کے کئے کا اعتبار نہیں۔ دلوں میں یہ ہم بیٹھے ہوئے ہیں کہ باطن کا حال کون جانے ۵ خاکساران جہاں اجتماع سنگرمہ تو چڑانی کہ دیں گرد سوار باشندہ کہا جب کون کس صلیحہ سے کس حال میں ہے۔ اور اسے کاش صرف اسی قدر ہو کہ دوسرے کے

ول کا حال معلوم نہیں مصیبت تو یہ ہے کہ ظاہر کے خرابی کے کو باطن کے آباؤ ہونے کی شرط قرار دی رکھا ہے حقیقتہ میں خدا کی رزقیاں ہیں کہ ان کے لئے بھی رزق پہنچانا منظور ہے چاہے حق درجہاں باقی ست مفلس کس نہیما نہ اگر بھلائی سے خیال کے ہو جائیں تو ملک میں لاکھوں بندگان خدا بھوکے مرنے لگیں مگر کیا ستم ہے کہ ان کو دفع شکر بھرنے کے لیے سو سال ملک بھوکا مارجاتا ہے۔ ملک کی بے دوستی کے جہاں آفریں سب ہیں ان میں ایک بڑا سب یہ بھی ہے کہ کھٹے بھوکے لے لے چلے جاتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ فقر یا شائخ کے گروہ میں سب کا ایک رنگ نہیں اور ان میں سے بھی ہیں اور وہی خطاب شائخ کے اہل بھی ہیں جو شریعت کا ادب ملحوظ رکھتے ہیں۔ مگر باوجود اسکے ہم جو دیکھتے ہیں تو نفس اسلام کو مولویوں سے اتنا نقصان نہیں پہنچا جتنا کہ مشائخوں سے۔ پہلے یہ تو دیکھو کہ اسلام میں ایسا کوئی نسخہ خرابی پر لگا ہے جس کا اتنا سارا غل ہے۔ کوئی ایک عمل ظاہر یا باطن کا تا جو جو ہی باہر سے فرق کے ساتھ ویسا ہی دوسرے دینوں میں نہ ہو اور فرق ہوگا بھی تو اعمال ظاہر میں ہوگا۔ جہاں تک کہ کو باطن کے ساتھ تعلق ہے بلاتفاوت سب میں ایک ہی طرح کے دکھائی دیتے ہیں۔ جھوٹ کو سب مانتے ہیں۔ مردم آزاری کسی کے یہاں بھی جائز نہیں وقس علی ہذا۔ پس کوئی تو خصوصیت ہونی ضرور ہے کہ اسلام اس پر ناز کرتا ہو ابھی بھلا لگے۔ یہ پہلی کچھ میں نے ہی نہیں بوجھی کہ ناحق کی شیخی مارنے لگوں مگر ناں اتنی بات تو ضرور کہوں گا کہ لوگ اس میں سوچ بچار نہیں کرتے اور یہی پانی کے مرنے کی جگہ ہے۔ وہ خصوصیت جس پر نہ صرف اسلام کو بلکہ اسلام کے ہر ایک نام لیوا کو فخر کرنا چاہیے توجہ ہے اور بس۔ کہ خدا کے واسطے میں لوگوں کے عقائد بہت ہی ڈانوا ڈول ہو گئے تھے اور اب بھی ہیں۔ سب سے پچھلا مذہب اسلام تھا خدا تا قیام قیامت اس کا بول بالا رکھے اور رکھے گا۔ جس نے اب حیات توجہ کو تمام آلائشوں سے غلٹ کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ اسی جہاں تک اعمال ظاہر پر نظر کرتے ہیں اور جہاں تک انسان کے برتاؤ سے معاملات سے اسکے باطن کا پتہ لگتا ہے ہم تو کسی مذہب میں کسی طرح کی کسر نہیں دیکھتے۔ بلکہ انصاف کی بات تو یہ ہے کہ بعض صنفیں دوسرے مذہب والوں میں ہم اپنے سے بہتر پاتے ہیں۔ مثلاً ہندوؤں کی کو لو کہ ان پجاریوں کا مذہب سب سے زیادہ بودا اور بھپسہا ہے اور خدا کی مرضی یوں ہوتی ہے کہ ہر رات کو کیا چولی دامن کا ساتھ ہو۔ اگر ہٹ دھرمی نہ کریں تو بھوکا مانتا پڑے گا کہ رحم جیسا ان میں ہے اس کے لیے قرآن میں

بھی ہم میں نہیں۔ آدمی تو بڑی چیز جانوروں اور درختوں تک کا ستانا بھی اپنے یہاں منے سے دیکھتے نہیں کہ یہ لوگ گوشت کو چھوتے ہنک نہیں۔ گائے بیل کی کیسی خدمت کرتے ہیں۔ سانپ جیسے موزی جانور کو بھی تو مارنا نہیں چاہتے۔ یہی حال ہر درختوں کی حفاظت کا کہ ہرے درخت کی کوئی ٹہنی تک تو توڑے نہ سکے۔ پہل کی بارہا اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ ہندوؤں نے اپنے ہونے چینیوں کے واسطے کھانا بچھیرتے پڑے پھرتے ہیں۔ ایسا کونسا بازار ہوگا جس میں ہندوؤں کی طرف سے بارہا مینے پانی پلانے کی پوچھ بھی رہتی ہو۔ جانوروں کے لئے جا بجا پانی کی ناندیں گڑھی رکھتے ہیں۔ سدا برت بھی جاری ہیں اور یوں تیل ہی دان پُرن ہوتا رہتا ہے۔ غرض ایسی بہت سی باتیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ان لوگوں میں دیا ہم سے کہیں بڑھ کر ہے۔ اور اگر نفس کشی کے لحاظ سے دیکھا جائے تو عبادتوں میں سب سے زیادہ روزہ بے شک گرمی کے پہاڑوں میں کامل ایک مہینے دن دن بھر بھوکا پیاسا رہنا کچھ آسان کام نہیں۔ صمد آفرین ہر سالوں کو کہ ایسی محنت شاقہ خوش فہمی کے ساتھ اٹھائے کرتے ہیں۔ لیکن کوئی برت ہندوؤں میں بھی ایسا کتنے ہو کہ آدمی کو لڑتے کر دیتا ہے۔ اور یوں اور بہت سی ریاضتیں ہیں کہ کرنا تو کرنا دیکھنے سے بڑا پروردگار کھڑے ہو جاتے ہیں۔ کتنے ہندو جو گی نظر پڑے کسی نے تو اٹھائے اٹھائے ہاتھ کھادیا ہے۔ کوئی درخت میں اٹا پڑا لٹکے رہا ہے۔ ایک کو دیکھا خیر نشتر نہیں تو اچھی خاصی نوکدار کلیں تختے میں جڑ رکھی ہیں۔ اور ان ہی پر بیٹا بیٹھا ہے۔ اور ایسے تو بہت جو شاید دن رات میں گھڑی دو گھڑی کو بیٹھ جاتے ہوں تو بیٹھ جاتے ہوں ورنہ جبے کھوکھوٹے کی طرح زمین میں جمے کھڑے ہیں۔ بھجور میں ایک گوساں جی تھے جو ہر روز شنان کرتے وقت ساری اڑیاں مونہ کے رستے باہر نکال کر گنگا جلی میں دھوئے اور پھر پیٹ میں اتار لیتے۔ عرض بدن کو ستانے اور ایذا دینے کا کوئی پیرا نہیں جسے ہندو فقیروں نے اختیار نہ کیا ہو۔ انگریزوں سے ہمارا ایسا میل جول نہیں مگر ریاضت کے طریقے ان میں بھی ہیں۔ ہزار ہا عورتیں ہیں جو جن کمالات ہیں وہ ساری عمر اپنا بیاہ ہی نہیں کرتیں۔ پارویوں میں بھی ایک قسم کے پاروی ہیں جن کو زندگی بھر مجور دنیا پڑتا ہے۔ اب ایک مکتی فوج نکلی ہے۔ یہ لوگ بالکل ہندو سنیا سیوں کی طرح بڑی ہی مصیبت مند زندگی بسر کرتے ہیں۔ ایک عورتہ کو دیکھ کر ایسا ترس آیا کہ کہا نہیں جاتا کہ اس کی

عمر ایسی کوئی تیس برس کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ پہل ولایت زرا۔ رنگت ایسی کہ چاندلی پٹنے سے نیلی ہو
 بیچاری مذہب کے خط میں اگر گاڑے کی سوئی کھڑے ساڑھی باندھے ننگے پاؤں و صوب میں گھسٹتی چلی جا رہی
 تھی۔ فتحپوری کے سامنے شام کے وقت نہر کی پٹری پر ہر روز بلاناغہ ایک نہ ایک پادری ضرور وعظ کرتا ہوتا
 ہے۔ اور میں بھی چلتے چلتے اوبد کر تھوڑی دیر کے پیئے اُسکے پاس ٹھنک جاتا ہوں وہ وعظ کرتا اور لوگ
 اسکے ساتھ بحث کرتے ہوتے ہیں اور میں اُس پادری کے علم اور انکسار کو کھڑا دیکھتا ہوں باڑی لوگ
 بے تمیزی سے اُسکو بڑی سخت سخت باتیں کہہ گزرتے ہیں اور اس مرد خدا کی آنکھ پر میل بھی تو نہیں آتا۔
 سوال: تو آپ ایسی باتیں کرتے ہیں کہ آدمی اسلام کی طرف سے بعقیدہ نہ ہوتا ہو تو ہو۔

جواب: بس اتنے ہی پانی میں تھے۔ اجمی دوسرے مذہب والے ریاضت نہیں اپنی بوٹیاں بھی توڑ
 توڑ کر چیل اور کوئل کو کھلا دیں تب بھی تو اسلام کی گرد کو نہیں پاسکتے۔
 سوال: کس بات میں۔

جواب: ہر ایک بات میں جس پر ان گھنٹا ہو۔

سوال: ابھی ہندوؤں اور عیسائیوں کی دیا اور نفس کشی اور علم کی مثالیں آپ نے بیان کیں نیچیل
 مسلمانوں میں ہیں تو سہی مگر نہ ایسے درجے کی۔

جواب: تم نے یہ بھی خیال کیا کہ نیکی حد سے گزر جاتی ہے تو نیکی نیکی نہیں باقی رہتی بلکہ وہ بھی سمجھی
 جاتی ہے۔ اخلاق کی کتابوں میں تو پڑھا ہو گا مگر اس وقت خیال نہیں رہا کہ کوئی سی بھی صفہ لودہ جب تک
 اعتدال کے درجے میں ہو صفہ ہے اور اعتدال سے ذرا بڑھی فوراً گھٹی عجیب ہوئی۔ مثلاً ہم ایک شخص
 کو لیتے ہیں کہ خدا نے جتنے جاندار دنیا میں پیدا کیئے ہیں ان کی حفاظت کا سامان بھی اُنکے ساتھ موجود
 کسی توفیق پر وازدے دی ہو کہ کوئی اُسکو پکڑ نہیں سکتا۔ قرآن میں اس بات کو کیسی اچھی طرح بیان کیا ہے

يَا أَيُّهَا النَّاسُ ضَرْبٌ مِّثْلُ مَا سَمِعْتُمُ الْإِنِّ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَنْ يَخْلُقُوا ذَبَابًا وَلَا وَلِيًّا وَلَا يَحْتَمِلُونَ

ان یسئلہم الذباب لا یتقن وہ منه ضعف الطالب والمطلوب ما قدس واللہ حق قدس ان اللہ

قوی عزیز۔ فرماتے ہیں لوگو ہم ایک مثال بیان کرتے ہیں اُسکو کان لگا کر سنو کہ خدا کے سوا سب

معبودوں کو تم حاجت پڑے پر پکارتے اور ان سے دعائیں مانگتے ہو ان کی بے بسی کا تو یہ حال ہو کہ اگر
 سارے مل کر بھی ایک مکھی کو پکارتا چاہیں تو نہیں کر سکتے۔ اور پیدا کرنا تو خیر بڑا کام ہے اگر مکھی ان سے
 کوئی چیز چھین لیجائے تو اس سے چھڑا نہیں سکتے۔ کیا تو مکھی اور کیا مکھی کی بساط اور کیا تمھارے معبودوں
 کہ ایک مکھی ان کے پچڑے نہ پچڑی جائے۔ افسوس ان لوگوں نے اللہ کی قدر نہ جانی اللہ تو بڑا بڑا ہستی
 سب پر غالب۔ خیر تو غرض یہ ہے کہ ہر جاندار کی حفاظت کا سامان اس کے ساتھ موجود ہے کسی کو توفیق پر وارز
 دی ہے کہ کوئی اس کو پکڑ نہیں سکتا۔ کوئی پانی میں روپوش ہو کہ کسی کو نظر نہیں آتا اور نظر آتا بھی ہے تو
 کس کی ہلاکت غرض پڑی ہے کہ پانی میں غوطہ لگائے۔ کوئی ایسا غضب کا بھاگنے والا ہے کہ دوچار چھٹکار
 میں یہ جاوہر نظر سے غائب۔ کسی کے دانت ہیں کسی کے پنچے ہیں۔ یہاں تک کہ مینہ بونانی اور سردی
 بچنے کے لیے پردوں اور بالوں اور اون کا قدرتی واٹر پروف بھی تو جلد بدن کے ساتھ سیا ہوا موجود ہے
 کہ وقت پڑھو نہ ٹانہ پڑے۔ مگر خضرہ انسان ہیں کہیں جھوٹی موتی سے زیادہ نازک مزاج اور دیکھنے
 میں بے سامان محض۔ تو ان کو سب سامانوں کے بدلے عقل دی اور عقل کے ساتھ غصے کا ہتیار کہ یہ
 سان پر چڑھا ہو تو اس کی کاٹ غضب کی کاٹ ہو۔ اور ہر توبہ غصے کا نام نہیں چلتا کہ یہ نہ ہو تو دنیا میں
 کوئی جینے بھی نہ دے اور اُدھر ویسا ہی خطرناک آئے تو کہاں جائے نہ تاجی سے کوئی جائے
 جب تک اسے غصہ نہیں آتا نہیں آتا۔ حکیم تو اسکو نفع من الجنون بتاتے ہیں اور ہے بھی یوں ہی
 کہ آدمی کو غصہ آتا ہے تو پھر اسکو آگ پچھا کچھ نہیں سوچتا آدمی اپنے لیے بگاہے ہو جاتا ہے یعنی جتنی وغیرہ
 رہے انسان انسان نہیں رہتا بلکہ حیوان بن جاتا ہے اور حیوان بھی مکرہنا مودی۔ پھر اس جادو کا توڑ
 اس زہر کا تریاق کچھ ہے تو عقل ہو کہ وہ غصے کو بالکل سلب تو نہیں کر سکتی مگر یاں حد سے بڑھنے بھی
 نہیں دیتی عقل مندوں نے اسکو فرو کرنے کی تدبیریں نکالی ہیں کہ غصہ آئے تو آدمی سامنے سے ٹل جا
 کھڑا ہو تو پیٹھ جائے پیار۔ ہو تو پانی پیئے یعنی طبیعت کو دوسری طرف مصروف کرے۔ اور مذہب فرماتا
 ہے الکاظمین الغیظ والہ بین عن الناس کہ غصے کا مناسب یا ضتوں سے بڑھ کر ہے انسان
 میں جتنی عادتیں خلقی ہیں جانے والی تو ان میں ایک بھی نہیں۔ اور ان کو عادتہ نہیں بلکہ خاصیت سمجھنا چاہیے

جیسے پانی کی خاصیت ہے کہ وہ شیب کی طرف کو بہتا ہے۔ یا جیسے ہر ایک جسم کی خاصیت ہے کہ روکتا ہو تو زمین پر گر پڑے۔ اسی طرح آدمی ہوگا تو غصہ بھی رکھے ہی گا ایسا کون ہو جس میں پتا نہیں۔ بس مذہب جس نے انسان کی صلاح کا بیڑا اٹھایا ہے اُسکے کھوٹے کھرے کی بڑی پہچان یہ ہو کہ وہ انسان کی طبیعت کی خاصیتوں کے سلب کرنے کے درپے ہو یا ان کے معتدل کرنے کے۔ اگر سلب کرنے کے درپے ہے تو جان لو کہ وہ مذہب دلعے محال کرتا ہو۔ اور اپنے ارادے میں نہ کبھی کامیاب ہو اور نہ آئندہ کامیاب ہو۔ ایسے مذہب والے اپنے نزدیک ایک ایسا انسان فرض کر لیتے ہیں کہ اُس طرح کا آدمی خدا نے کبھی پیدا ہی نہیں کیا اور پھر ایسے فرضی اور خیالی انسان کا نمونہ دکھا کر لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ ایسے بنو۔ اسے بھائی کیسی نہیں پیٹا کو کاٹ کر پتہ لگتے ہیں۔ آنکھیں پھوڑ لیں۔ سکانوں میں روڑ ٹھونسے رہیں۔ خدا نے جو ضرورتیں ہمارے پیچھے لگا دی ہیں ان کو جا کر کہاں پھینک آئیں۔ پیٹ ہو تو بھوک لگے ہی گی اور بھوک لگے گی تو چار روٹیاں چار کچھ نہ کچھ کھانا پڑے ہی گا۔ ہندوؤں اور عیسائیوں کی ریاضتیں سن کر جو تم اسلام کی طرف سے باعقیدہ ہونے وہ اسی قسم کی ریاضتیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ انسانی خاصیتوں کے بوجھ سے سُبک دوش ہونے کی تدبیر میں لگے ہیں۔ سو بڑا لیس جتنا چاہیں وہ بوجھ تو مرنے ہی سے اترے گا اس زندگی میں تو اترتا نہیں اور جو دعویٰ کرتا ہو کہ میں اتار سکتا ہوں جھک مارتا ہے۔ اس میں وہ پہلو آدھ بھی پڑے ہیں ایک تو سن رہے ہیں عتراض ہو خدا پر کہ اُس نے انسان کو ایسا کیوں بنایا۔ کسی کے باپ کا کیا دینا آتا ہے اُس نے بنایا جیسا چاہا یا خلق مابشاء ہم اس میں چون و چرا کرنے والے کون۔ دوسرے یہ تعلیم دے پر وہ لوگوں کو نفاق اور ریا کی تعلیم دے۔ اس موقع پر میں ایک قانونی مسئلہ بیان کرتا ہوں اس سے تم میرے مطلب کو خوب سمجھو یہ جو شہر بافیوں کا بچھا چرس بھنگ نشے کی چیزیں ہیں اور معلوم ہے کہ ہزاروں گھر اور لاکھوں آدمی ان کی وجہ سے برباد اور تباہ ہوتے ہیں۔ سکاٹلہ کا دلی منشا تو یہ ہے کہ ملک کے ان کا رواج بالکل اٹھ جائے اور کوئی آدمی ان کا نام بھی نہ لے۔ لیکن بہت لوگوں نے ان کو زندگی کی ضرورتوں میں داخل کر لیا ہے کہ بدون ان کے اُن سے سلسلہ صبر نہیں ہو سکتا۔ ننگے پھر میں بھوکے میں غرض اور سب طرح کی تکلیفوں کو سہا رہی جائیں مگر عمل کا وقت نہ ملے دیں۔ تو اب فکر کیا کرتی ہو کہ محصول کے پیچ کو کستی اور کڑا کرتی چلی جاتی ہے۔ اور ان باتوں کی

آئرنی پہلے سے اضعا فاسضا عطفہ بڑھ گئی ہے اور بڑھتی چلی جاتی ہو۔ مگر سکے نہیں کرتی کہ ان کی قطعی ہندی اور مانعہ کرنے یا ایک دم سے ایسا بھاری محصول لگا دے کہ وہ بنادی اور مانعہ کا کام دے۔ کیونکہ ایسا کرے تو لوگ مجبور ہو کر حکم کھٹلا بغاوت نہ بھی کریں تو نہ راجتیں کریں کہ سکے کے اچھے سے بھی ان کا اندرون ہو سکے اور اس کا ضروری نتیجہ یہ ہو کہ محصول بڑھنے کی جگہ اُلٹا کھٹ جائے اور چھکے چھکے ان چیزوں کا استعمال بھی جاری ہے۔ بے سند یہی حال ہو مذہبی احکام کا کہ ان کو جس سے زیادہ سخت کر دیا جائے تو اسکے یہ مسمیٰ ہیں کہ لوگ انکی تمہیل سے بچنے کے لئے ہمارے ڈھونڈیں جیلے تصنیف کریں دل میں تو تمہیل کرنے کی نہیں مگر چونکہ انکار کرتے ہیں نہیں پڑتا۔ حکم کو مانتے ہیں لیکن وہی یہودیوں کا ساماننا۔ سمعنا و عصبینا۔ تو پھر یہ اتفاق اور ریا نہیں تو کیا ہے۔ اور اتفاق اور ریا بھی خدا کے ساتھ۔ اگر اسی کا نام زفارم اور اصلاح ہو تو ہم بے اصلاح ہی بچے۔ اور یہ بات بھی دیکھنے کی ہے کہ جو ریاضتیں ہندوگی اور عیسائی رہب کرتے ہیں اگر شرط دیندارسی ہوں اور نجات ان پر موقوف ہو تو کتنے آدمی ان شرطوں کو بجالا سکتے ہیں اور خود ہندوؤں اور عیسائیوں ہی میں کتنے آدمی ان کو بجالاتے ہیں۔ شاید لاکھ میں دو چار۔ تو لاکھ میں دو چار کے بجالانے سے بشرطیکہ واقع میں خلوص سے بجالاتے بھی ہوں وہ حکم سخت ممکن تعمیل نہیں کھلایا جاسکتا۔ دنیا جس طرز پر چلی آئی ہے اُسی طرز پر چلے گی۔ لکھنے کے لئے جو چاہو کتاب میں لکھو۔ یہ صنف ایک اسلام ہی میں دیکھتے ہیں کہ وہ آدمی کو آدمی تسلیم کرتا اور وہ اسپر اُسی قدر بوجھ رکھنا چاہتا ہے جس کو وہ آسانی کے ساتھ سہار سکے اور یوں دوسروں کی دیکھا دیکھی مسلمان ایک ہمارا اپنے سر لا دنا چاہیں تو ان کی خوشی۔ اسلام بے چار کا اس میں کیا دوش۔

سوال یہ تو اپنے دل کو لگتی ہوئی کسی مگر وہ بات رہ گئی کہ آپ فرما رہے تھے کہ اسلام میں ایسی کوئی انوکھی تعلیم ہے جو دوسرے مذاہب میں نہیں۔

جواب۔ ہاں تو وہ انوکھی تعلیم تو حید ہے۔ اب تو لوگ مسلمانوں کے غل غبار اُٹھانے سے کچھ کچھ تاؤ میں بھی کرنے لگے ہیں اور بتکلف موصد بننا چاہتے ہیں ورنہ اسلام کی تشریف آوری کے وقت تو اہل کتاب کی توحید میں ایسے کچھ تھے کہ ان میں اور بت پرستوں میں صرف نام کا فرق باقی رہ گیا تھا ہناھوڑا قول اللہ کفر و کفر

سوال۔ اچھا پھر اسلام نے توحید کا کیا ثبوت دیا۔

جواب۔ وہی ثبوت جو خدا کے ہونے کا دیا تھا وہی خدا کے ایک ہونے کا بھی دیا یعنی جس طرح عقل انسانی گواہی دیتی ہے کہ خدا ہے اُسی طرح وہی عقل انسانی یہ بھی گواہی دیتی ہے کہ وہ ایک ہے۔ اگر دنیا زبان حال سے پکار رہی ہے کہ لڑکے بنانے والا ہے تو دنیا کا انتظام زبان حال سے پکار رہا ہے کہ اس میں کسی دوسرے کا لگاؤ نہیں جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہو رہا ہے وہ ایک راوے سے ہو رہا ہے۔

سوال۔ اچھا پھر۔

جواب۔ بات تو اس پر چلی تھی کہ اسلام کو سولہویں سے اتنا نقصان نہیں پہنچا جتنا ان مشائخ کے گروہ سے اور اس کی سند میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ یوں تو دنیا میں بہتیرے ہی مذہب ہیں اور ہر ایک مذہب کا مقصد اصل ہے انسان کی اصلاح کو وقتی اور مقامی خصوصیتوں کی وجہ سے اصلاح کے اصول میں کچھ اختلاف بھی ہو غرض انسانی اصلاح کے اعتبار سے اسلام کو دوسرے مذہبوں پر کچھ ایسی فوقیت نہیں ہاں فوقیت ہے تو توحید میں ہے اور اُسی میں ان حضرات مشائخ نے ایسا گول مال لگایا ہے کہ اسلام کے سوائے فخر کو لیا ہیٹ کر دیا اب سچ پوچھو تو مسلمانوں کا منہ نہیں کھلے کتاب بلکہ بت پرستوں کی توحید کو آنکھ اٹھا کر بھی دیکھ سکیں۔ اے مثلاً عیسائیوں کی توحید میں بھی یہی نقص ہے کہ وہ خدا اور حضرت مسیح علیہ السلام اور روح القدس کو عجیب طور سے خدائانتے ہیں کہ بجائے خود ہر ایک خدا اور پھر ایک خدا یا مثلاً ہندو ہیں کہ دیوتاؤں اور آفاتاروں کو بھی خدا کہتے ہیں چاہے اس کی کچھ تاویل کرتے ہوں یا نہ کرتے ہوں مگر تین ہوں یا تین ہزار ہوں ہمہ اوست کے آگے تو ان کی کچھ بھی حقیقت نہیں۔

سوال۔ سیکھیں صاحب ایسی موٹی بات ان صوفیوں کی سمجھ میں کیوں نہیں آتی اور کیوں نہیں آتی۔

جواب۔ یہ تو کوئی تعجب کی بات نہیں جس وجہ سے مثلاً عیسائیوں اور ہندوؤں کی سمجھ میں نہیں آتی وہی وجہ سے صوفیوں کی سمجھ میں بھی نہیں آتی۔

سوال۔ نہیں میں صوفیوں کی نسبت اس بات کا تعجب کرتا ہوں کہ یہ تو مسلمان ہیں اور مسلمانوں میں سے

بھی پختہ ہوتے مسلمان کہ مذہب کے پیشوا سمجھے جاتے ہیں تو کیا توحید کے مسئلے پر ان کی نظر نہ پڑی ہوگی تو ان

مثلاً یہ ایسا ایک صنف بھی شکل سے ملے گا جس میں توجید کا مذکور نہ ہو۔ رہے جیسا انی اور ہندوان کی مذہبی کتابوں میں اول تو توجید ہوگی ہی نہیں اور ہوگی بھی تو ایسی ہی گیسٹر پٹر ہوگی جیسی کہ یہ لوگ معتقد ہیں۔ جواب۔ بس تم چرچہ دنت کے بعد ایک نہ ایک بات ایسی کہہ دیتے ہو کہ مجھ کو تمھاری طرف سے سخت ناانہیدی ہو جاتی ہے۔

سوال۔ وہ ایسی کون سی بات میرے مُنہ سے نکلی۔

جواب۔ تمھاری باتوں سے معام ہوتا ہے کہ تم سمجھتے ہو توجید مذہب نے تعلیم کی۔

سوال۔ کیا نہیں بھی۔

جواب۔ تو تم نے ابھی مذہب ہی کو نہیں سمجھا کہ مذہب کیا چیز اور کہاں سے اسکی ابتدا ہوئی۔ مذہب کی مثال صنف و نحو کی سی ہے۔ صرف و نحو نے زبان کو نہیں بنایا بلکہ لوگوں نے زبان سے صرف و نحو کو بنایا ہے۔ یعنی اہل زبان کو ایک طور پر پڑھنے سنانے اور قواعد کے طور پر مضبوط کر لیا۔ صرف و نحو بن گئی۔ قاعدے زبان میں پہلے سے موجود تھے مگر لوگوں کو آگئی نہ تھی کہ ہم پڑھنے میں اس قاعدے کا لحاظ رکھتے ہیں جب کسی کا ذہن متقل ہوا اور اسکو قاعدہ سوچھ پڑا تب خبر ہوئی اور یوں پڑھنے کو تو درمی درمی سے لڑکے اپنی مادری زبان ایسی پڑھ پڑھتے ہیں کہ صرف و نحو کا علامہ بیٹھا ان کا منہ تھا کرے اگرچہ لڑکے قاعدے کے نام سے بھی واقف نہیں۔ میں نے مذہب کو اپنے نزدیک ایسا ہی سمجھ رکھا ہے کہ مذہب کے اصول لوگوں کے ذہنوں میں پہلے سے بیٹھے ہوئے تھے۔ مذہب نے ان ہی کو قواعد کے طور پر ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔

سوال۔ اگر ایسا تھا تو مذہبوں میں اختلاف کیوں ہوا۔

جواب۔ ہاں تو اختلاف اس طرح ہوا کہ مثلاً ایک نے بان اردو کو لو۔ اگرچہ اردو کی صرف و نحو اس تک مضبوط نہیں اور یہ جو سکولوں اور کتبوں میں لغتہ برہج دوچار رسالے دکھائی دیتے ہیں یہ لغتہ اور محل جلا دینے کی لائق ہیں۔ لوگوں کو قواعد کے بنانے کا تو مادہ نہیں اور اس بنانے کے پڑھے لکھوں میں شاید کوئی تصنیف کے جنون سے خالی ہو۔ ذرا شد با آئی اور تصنیف کا خط پیا ہوا۔ دیکھا

کتاب اردو ہی بڑی معراج الکمال رہ گئی ہے اور زبان کے سلسلے میں پہلی چیم صرف ونحو انھوں نے بھی لوگوں کا شہدوں میں داخل ہونا چاہیہ بات پہلے سے کان میں پڑی ہوئی تھی کہ عربی میں صرف ونحو کا بڑا ذخیرہ ہے عقل کے دشمن نے یہ تو سمجھا نہیں کہ عربی میں صرف ونحو کا بڑا ذخیرہ ہے تو زبان عربی کے لیے ہے نہ اردو کے لیے اور اگر ایک ہی صرف ونحو سب بانوں کے لیے کافی ہو تو عربی اور سنسکرت اور لٹین اور گریک سب نمازوں کو ایک ہی وضو سے نر خا دیا جاسکتا ہے بہر کیف فکر یہ کس بقدر چہرہ است اسے ماتہ عامل اور شرح ماتہ عامل اور صرف ونحو کا فائدہ لکھنا منظور ہو تو نحو میسر بھی ہم پہنچا ان ہی میں کاٹ پھانٹ شروع کی۔ مائتہ اللہ تسلیم میں زور طبیعت میں جولانی اپنی زبان کے کوٹنے کھدکے معلوم ایک ہفتہ نہیں گزرنے پایا تھا کہ اچھا خاصہ رسالہ بن کر طیار ہو گیا۔ ہم جیسے کم سواد آدمی زیر زبر کو اردو میں ڈھونڈتے پڑے پھرتے ہیں تو کہیں تہ نہیں ملتا غرض اردو کی صرف ونحو تو اس وقت تک منضبط نہیں ہوئی مگر فرض کر لو کہ ہے تو ہم پوچھتے ہیں کہ یہ کہاں کی اردو کے لیے ہے۔ یوں کہنے کو تو اردو سارے ہندوستان کی زبان ہے مگر اردو اردو میں فرق ہے۔ اردو دلی لکھنؤ کی۔ اردو دیہات کی۔ اردو مارواڑی اردو پورب کی اردو پنجاب کی اردو کن کی۔ بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک دلی میں قطعے کی اردو اور شہر کی اردو اور یاراب بھی ہندوؤں اور مسلمانوں کی اردو میں فرق ہے مسلمانوں میں پنجابیوں کا محاورہ جڈا ہمارا جڈا لیکن خیم اردو کی صرف ونحو جوڑے جوڑیسی کچھ لکھی گئی ہے اسی اردو کی لکھی گئی جو نہ ہے اور یہی حال ہے عربی انگریزی سب بانوں کی صرف ونحو کا یعنی ہر ایک زبان کی صرف ونحو الگ ہے۔ اسی طرح جیسے لوگوں کے خیالات ہیں ویسے ویسے ان کے مذہب ہیں جیسے بعض بانوں کی صرف ونحو نہیں ہے ہی بعض لوگوں کے پاس مذہبی کتاب نہیں اور جس طرح زبان کی صرف ونحو منضبط نہ ہونے سے لازم نہیں آتا کہ اس میں قواعد نہیں۔ اسی طرح کسی مذہب کی کتاب نہ ہونے سے لازم نہیں آتا کہ وہ مذہب نہیں جن مذہبوں کی کتابیں ہیں ان کو ایسا سمجھتا ہوں کہ گویا ایک ہی زبان کے مختلف بھجوں کی صرف ونحو ہیں۔ اور سلام وہ مذہبی صرف ونحو ہے جو سب سے زیادہ فصیح سب سے زیادہ عمدہ لمحے کے لیے بنائی گئی ہے خیر یہ تو ایک جملہ معترضہ مباحث میں آگیا اور میں نے اس پر خاص کر اس لیے زور دیا تاکہ تم کو

معلوم رہے کہ جن کو خدا نے سلیم طبیعتیں عطا فرمائی ہیں ان کے خیالات اور معتقدات اسلام دونوں ایک ہی چیز ہیں اور یہی تو اسلام کے برحق ہونے کی بڑی دلیل ہے کہ عقل سلیم اس کو طوعاً قبول کرتی ہو کر مانگے نہیں۔ اصل میں مذکور یہ تھا کہ اسلام کو توحید پر بڑا فخر ہے اور اسی میں حضرات مشائخ نے ایسا گول بال لگا رکھا ہے کہ اسلام کی توحید بھی دوسرے مذہبوں کی طرح میلی میلی اور گلی گلی دکھائی دیتی ہے۔ سوال۔ یہی تو میں پوچھتا تھا کہ ان صوفیوں کی توحید میں فتور پڑا تو کیسے پڑا۔

جواب۔ فتور پڑنے کی پوچھتے ہو تو فتور پڑا بزرگوں کی تعظیم مفرط سے۔ انھوں نے پیر و کا ادب کیا اور سجا کیا۔ باب ہو استاد ہو پیر ہو بڑوں کا ادب کرنا ہی چاہیے۔ مگر وہی بات کہ ہر چیز میں اعتدال شرط ہے ادب کی بھی ایک حد ہے۔ مریدوں نے ادب کو حد سے بڑھا دیا یہاں تک کہ تعظیم اور عبادت میں فرق باقی نہ رہا اپنی تعظیم سے کس کو خوشی نہیں ہوتی۔ پیر و صاحب کچھ پیغمبر تو نہ تھے کہ مریدوں کو بکتے منع کرتے اور مرید خود ہی بد و اخلاق تھے۔ پیر جی بادشاہ تھے تو یہ ولیعہد۔ یہ گدھی کے ادب کو کیوں کم ہونے دینے لگے تھے۔ یوں تعظیم مفرط کا دستور پڑ گیا۔ دین کا استاد کہ اس کو بھی شیخ ہی کہتے ہیں پیر رتبے میں کم نہیں مگر وہی بے چلے مولوی ڈرپوک پھونک پھونک کر پانچ دھرنے والے کہہ ہیں شرع کے خلاف نہو جائے۔ شاگرد کو سر پر اگر مری ہوئی زبان سے السلام علیکم کہتے ہوئے سن کر خوش ہو جاتے ہیں۔ ہم کسی مسلمان پر کیوں بدگمانی کریں مریدوں نے ادب ہی سمجھ کر پیر جی کا ادب کیا ہو گا مگر اول تو ان کو ادب نام شروع کرنا ہی کیا ضرور تھا کہ پیغمبر صاحب تو اپنی تعظیم کے لئے کھڑے ہونا بھی روا نہیں رکھتے تھے جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے۔ دوسرے عوام کے حال پر بھی کچھ رحم فرمایا ہو تا کہ ان شامت کے ماروں کو اونگھنے کو شلنے کا ہمانہ ملتا ہے دیوانہ راہوے بس ہست۔ اب کیا حال ہے کہ خدا کو تو بالائے طاق بجا دیا ہے۔ ریکڑوں کو س سے ہزار ما آدمی مرد اور عورتہ قبریں پوسنے چلے آتے ہیں۔ ان ہی کی نستیں مانیں ان ہی کو نذریں سپڑھائیں ان ہی سے حاجتیں مانگیں اور کہنے کو مسلمان بنیٰ موحّد کی اُمتہ مشرکہ نہیں بت پرست نہیں۔ ان سب کا وبال کس پر۔ ان ہی پر جنھوں نے یہ دستور نکالا جو اس دستور کو جاری رکھتے جو اس دستور کو رونق دیتے جو اس دستور کی کمائی کھاتے۔ بعض بعض مولوی ایسے ہو گزرے

ہیں اور اب بھی ہیں۔ اگرچہ کم ہیں اور نیک بندے ہر زمانے میں کم ہی ہوتے ہیں مگر قرآن حافظ و عطا
 عالم فقیہ محدث کہ جن کو دیکھے سے ہکا تو پیغمبر صاحب کے صحابہ یاد آجاتے ہیں۔ صورتہ پر نور پڑا برس
 ہو اور درود پڑھنے کو جی چاہتا ہے متواضع منکسر صوم و صاوتہ کے پابند نہ کسی کی غیبت نہ کسی کی بد
 کوئی آگیا اسکو پڑھا دیا نہیں بیٹھے بیٹھے اللہ اللہ کیا کیے۔ ہم نہیں جانتے کہ نیک کے سر میں اور کیا سنگ
 لگے ہوتے ہیں ایسے لوگ مر گئے کل من علیہما فان کے حکم سے داخل دفتر کوئی یہ بھی نہیں جانتا کہ کسے
 اور کہاں مدفون تھے۔ ان فقیروں میں ایک یہ تو کھلی کراہت دیکھی جاتی ہے کہ بے ستر ہوں تو بے شرع ہوں
 تو نشہ باز ہوں تو یہودہ بکواس کرتے ہوں تو آج مرے اور کل سے ان کے ڈھیر کی پرستش ہونے لگی۔
 چہلم نہیں ہونے پایا کہ ڈھیر کا اچھا خاصہ عالی شان گنسب بن گیا۔ قبر شریف پر تکلف غلاف پڑا ہے غلاف پر
 پتھروں کی چادر سر ہے اگر کی بتی روشن ہے اور پانی خدام اور زوار سر جھکائے دوڑا نو مو دب بیٹھے
 جھڑم ہے ہیں۔ پہلے ہی عرس پر سائے سیلوں پر اوس پڑ گئی۔ شاہ صاحب مرجع خلائق تو بحالہ حیات بھی
 اگر انتقال کے بعد ان کے مریدوں اور جانشینوں اور معتقدوں کے بتاؤ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا
 ساری خدائی کا چارج ان ہی کے ہاتھ میں ہو۔ ایسا کونسا سنگدل ہوگا جسکو مرنے کے حال پر ترس آتا
 دیکھتا ہے کہ ایک اپنے ہی جیسا آدمی کھانا پیتا چلتا پھرتا جو کبھی تک اپنے اوپر نہیں بیٹھے دیتا تھا مردہ بد
 زندہ کیسا عاجز پڑے کہ کروٹا نک نہیں بدل سکتا۔ مگر سب مرنے ان فقیروں کے سے مرنے ہوں تو
 ترس کیسا ایسی موت پر تیس دل اور بادشاہوں کو بھی رشک ہو تو بجا ہے۔ ہم تو زندہ امیر و فرماؤ شاہوں
 کے ساتھ بھی بعض مزاروں کا سا توڑک اور احتشام نہیں دیکھتے۔ پھر ایک اور بڑی خطرناک بات ہے کہ ہر چہ بڑے
 ایک مسلمان کی نسبت نیک گمان رکھنے کا حکم ہے اور چاہیے بھی یوں ہی کہ جتنے مسلمان کھانے کی خد کے یہاں
 جا چکے ہیں گو اپنی زندگی میں کچھ ہی کرتے رہے ہیں مگر آخرتے تو مسلمان ہکو خدا کی ذات سے یہی ہریدنی
 چاہیے کہ وہ بڑا غفور و رحیم ہے اسے اپنے فضل و کرم سے ان کو بخش ہی یا ہوگا مگر جیسا وہ غفور و رحیم
 دیا ہی بے نیاز بھی ہے خدا کو کام تو سونپے ہیں میں نے سب لیکن رہے ہر خوف بھگے اُس کی
 بے نیازی کا۔ اور یہی بے نیازی ہے کہ بڑے سے بڑے بزرگ یہاں تک کہ جن کو پیغمبر صاحب نے خدا

کی طرف سے اور اس کے حکم سے جنت کی خوشنودی سنا دی تھی وہ تک تو اپنی نجات اور مغفرت کی طرف سے مطمئن نہ تھے اور جیسا خود پیغمبر صاحب جن کے اگلے پچھلے گناہ خدا نے معاف کر دیے تھے لیکن اللہ مالک قدوم دینک و مالک آخر وہ مالک دہری ما بقول بی کا بکہ فرمائیں تو دوسرے کس گنتی میں ہیں اصحاب کا حال پڑھو کہ بڑے سے بڑے عابد و زاہد کی ساری عمر کی عبادت ان کی ایک پل کی خدمت کے برابر نہیں ہو سکتی۔ بایں ہمہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ اسے کاش میں گھاس پات ہو تا کوئی جانور مجھ کو چراتا اور گوہر کے نکال پھینکتا اور مجھ کو خدا کے حضور میں جواب دہی نہ کرنی پڑتی حضرت عمر فاروقؓ کو کسی بڑے بزرگ صحابی نے بارہ برس بعد جواب میں دیکھا کہ پیشانی پر سے پسینا پونچھتے ہوئے چلکے تھے ہیں پوچھا حضرت آپ کیا حال ہو فرمایا بھائی اب محاسب سے نجات ملی ہے وہ بھی خدا نے بڑی ہی ہمت کی کہ میں بال بال نکل آیا۔ اور جتنے بزرگ ہو گزرے ہیں ان کی کتابیں عین ہیں جن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ کسی کو خطر عاقبت کی طرف سے تادم مرگہ طیب نہ تھا۔ تو اور حسن ظن اور اوصاف خدا کی بے نیازی ان دو باتوں کا نتیجہ کیا ہے کہ ہم کسی کے مقبول و منظور ہونے کا قطعی طور پر حکم نہیں لگا سکتے اور جب کہ ابھی مغفرت ہی میں کلام ہے تو یہ ساری کوشش ایک طرح پر خدائی میں داخل دینا ہے۔ ایک بزرگ کا تو حال معلوم ہے کہ وہ شیخ الامراء تھے یعنی شہر کے اکثر روادار لوگ ان کے مرید تھے۔ اور کیوں مرید تھے اس کا سبب بیان کریں تو کسی ایک کسی کو ان بزرگ کا پتہ لگ جاسکے اور وہ ہمیں منظور نہیں۔ امیروں کے دین کا بھی عجب حال ہے کہ جہاں اور مشغلے میں انھوں نے دین کو بھی ایک مشغلہ سمجھا ہے۔ آپ خود جیسے دیندار ہیں جو انکو جانتے ہیں ساتھ ہی یہ بھی جانتے ہیں کہ دین سے ان کو کس نہیں۔ اس پر حضرت پیر یہ ہے کہ آپ دین میں بھی اپنے اختیار سے جاسکتے چاہتے ہیں۔ فخر چین کو مسنا ہے کہ وہ دنیا کا بادشاہ اور دین کا پیغمبر و زانا جاتا ہے تو چینیوں کے مذہب پر کھو تجب ہوا تھا مگر اپنے امیروں اور بادشاہوں کو دیکھا تو ان کو بھی اسی جھٹ میں گرفتار پایا ان کے ناموں اور خطابوں سے تو خیر فرعونیت چمکتی ہی تھی مگر بعد جہاں خطاب خلد آرام گاہ جنت ایشیا ان عرش مکان اپنے بزرگوں کو عطا فرماتے ہیں ان کو کیا کہا جائے کیا جنت اپنی جاگیر کرانی ہے کہ انہیں بانٹے ریوڑی بھر پراپنوں ہی کو دے گئے بے دین بنائے عجب حال

ہندو شیشم سم قندو بخارا راہ خیر تو وہ بیچارے شیخ الامار دل میں جو کچھ رہے ہوں ظاہر میں تو ان میں
فقیری کی صرف یہ بات تھی کہ گیر و اباس زیب تن فرماتے تھے مگر کپڑا ہوتا تھا قیستی اور یوں بھی ان کی
گزران سپر نہ تھی اور امیروں کے پیر تھے تو کیوں نہ ہوتی۔ امیروں کی عقیدۂ کا تو کچھ کمنا نہیں ان کے
یہاں جہاں موروثی داروغہ موروثی خواجہ سہاموروثی اکاموروثی ڈھمکتے اسی فہرست میں شیخ الامار
صاحب بھی تھے مگر اور لوگ شاید سب کے ماسے کچھ ان کے قائل نہ تھے بلکہ کسی مجمع میں ان کا ذکر آجی گیا
تو جو وضعہ اہل نے سکوت کیا اور جو مونہ کے پھوٹتے انھوں نے غیبت کر دی کہ ریاکار
ہیں فقیری کو بدنام کر رکھا ہے۔ آخر وہ بزرگ ایسے بیمار پڑے کہ گھڑی گھڑی اُن کے مرنے کی خبر اُٹنے
لگی اور خبر کے ساتھ اُن کی کراستیں اور خوارق عادات بھی کہ وصال ہو چکا ہے اور لطائف جاری ہیں
سب کو دکھائی دیتے ہیں سُن پڑتے ہیں غسل دینے میں تہہ ذرا کی ذرا گھٹنے پر سے کھسک گیا تھا خدا کے
بندے ہو تو یقین کر کے ماننا حضور نے خود اپنے ماتھے سے بچا کر لیا۔ ماتھ پانویسے ریشم۔ جنازہ اٹھایا تو
ہلکا چھول۔ آخر مشہور ہوا کہ قبر کی مٹی عجیب خوشبودار نکلی ہے کہ سارا جنگل پڑا ہلکا رہا ہے۔ شہر کی خلق
کہ اگلی گھڑی کروٹو سیکڑوں آدمی جمع ہو جائیں ہزاروں آدمی اُسٹا پڑے اور تبرک کے طور پر چٹکی
چٹکی مٹی پسینی شروع کی۔ کھودتے تھے قبر میں گئی باولی کتسنی عورتوں اور بچوں کے گلے میں تعویذ
کی جگہ اُس مٹی کی پوٹیاں لٹک گئیں۔ پھر وہ دن اور آج کا دن کرامتوں کی فہرست ماشار اللہ بڑھتی
ہی چلی جاتی ہے اللہ عز و جل۔

سوال۔ دافع میں یہ کیا بات ہو کہ مرے پیچھے درویش لوگ زیادہ پیٹنے لگتے ہیں۔

جواب۔ پیران نمبر پرند مریدان سپر اند۔ اور جیتے جی ایسے لمبے چوڑے دعوے کیے جائیں تو
ابراہیم کی سی تھدی ہو کر قلعی نہ کھل جائے۔

سوال۔ ابراہیم کی تھدی کیسی۔

جواب۔ قرآن میں اس تھدی کا نہایت عمدہ ذکر ہے۔ خدا سمجھ دے تو جتنے خائے آدمی کے ذہن میں
گزرتے ہیں صراحتہ یا کنایہ سبھی کا جواب قرآن میں موجود ہے۔ ابراہیم کی تھدی یہ تھی کہ اُن وقتوں کا

بادشاہ خدا کو نہیں مانتا تھا۔ اسی بات پر اُس سے اور ابراہیم سے حجۃ ہو پڑی۔ بادشاہ نے کہا کہ تم جس خدائی طرف سے پیغمبر بن کر آئے ہو اور چاہتے ہو کہ ساری دنیا اُسی کی پرستش کرے آخر یہ بتاؤ کہ وہ بندوں پر کس طرح کا اختیار رکھتا ہے۔ ابراہیم نے کہا ایک اختیار تو اُس کا یہی ہے کہ بندوں کا جینا مرنا اُسی کے ماتھے میں ہے۔ بادشاہ نے کہا یہ تو میں بھی کر سکتا ہوں یہ کہہ کر اُس نے ایک غنی کو چھوڑ دیا اور ایک بے گناہ کو ناحق بیٹھے بٹھائے مروا ڈالا۔ ابراہیم نے کہا خیر یہ تو آپ نے کیا مگر آفتاب جو پورے نخل کے پچھم میں غروب ہوتا ہے تو آپ کے حکم سے نہیں کیونکہ آپ سے پہلے بھی تھا آپ اگر خدائی کے اختیار رکھتے ہیں تو اسکو حکم دیجئے کہ پچھم سے نکلے اور پورب میں غروب ہو۔ اس سے بادشاہ لا جواب ہو گیا تو اگر دنیا میں کوئی بھی ایسا دعوے کرے اُس کا قاتل کر دینا کیا مشکل ہے۔ آئے دن اسکی دراندازی ظاہر ہو۔ یہ وجہ ہے کہ درویش اور شاخ مرے پیچھے زیادہ بچے لگتے ہیں۔

سوال۔ کیوں صاحبِ جولوگ توحید کے بھی قاتل ہیں اور پھر اُس میں رخنہ بھی پیدا کرتے ہیں جیسے مسلمان ہو کر ہمہ اوست کہنے والے یا مثلاً عیسائی وہ اپنے معتقدات کی کیا تاویل کرتے ہیں

جواب۔ ہمہ اوست کہنے والوں اور عیسائیوں کی تخصیص کیوں کروایا کوئی آدمی نہیں جو خدا کا قاتل نہ ہو اور جو خدا کا قاتل ہے وہ ضرور اس کے لاشربک لہ بھی جانتا ہے اور جس قدر توحید سے بھٹکا ہوا ہے وہ اپنے زعم میں اس کی کچھ تاویل ضرور کرے یہ معنی ہیں کہ وہ اصل میں توحید کا معتقد ہے اور توحید کے خلاف جو باتیں اُس سے سرزد ہوتی ہیں ان کی تاویل کرتا ہے تاکہ توحید میں خلل نہ آئے مسلمانوں کی توحید بھی ویسی ہی اور خالص توحید نہیں جیسی واقع میں ہے اور جیسی اسلام چاہتا تھا کہ مسلمانوں سے بھی ایسے افعال سرزد ہوتے ہیں جن سے ان کی توحید کا نزول ظاہر ہوتا ہے یہ لوگ بھی اپنے بزرگوں کے ساتھ وہی معاملہ کرتے ہیں جس کی وجہ سے دوسرے لوگ کافر اور مشرک اور بت پرست کہلائے تو جو تاویل مسلمان کرتے ہیں وہی یا ویسی ہی قسم کی دوسرے لوگ بھی کرتے ہیں کہ جن کو تم سمجھتے ہو ہم شریک خدائی گردانتے ہیں خدا نہیں ہیں بلکہ خدا نے اپنی خاص خاص صفوں کو ان کے رنگ میں ظاہر کیا ہے۔ یا یہ لوگ خدا کی سکھ میں ہمارے وسیلے ہیں یا اپنے خیال جانے

خدا تو ہے مگر نہیں معلوم ایک ہی یا تین ہیں یا ایسا ایک ہے کہ وہی تین ہیں اور ایسے تین ہیں کہ وہی ایک ہے تو پھر وہی صاحب ہے مگر عقل تو صاف پکارے کہ وہی ہے کہ ہر اور ایک ہی تو اب عقل کے خلاف کیلئے لیں۔ ایک کو تین اور تین کو ایک منوانا طلب محال ہے۔ اور میں نے مذہب کا اصول یہ بھی رکھا ہے کہ جو مذہب طلب محال کرے وہ سچا اور خدائی مذہب نہیں ہو سکتا اس وجہ سے میں عیسائی مذہب کو مذہب حق نہیں سمجھتا۔ اور عیسائیوں کی کیا تخصیص ہے میں نے توحید میں یہ منزل دیکھا اور بہتے سے اکھڑا اور اسی توحید کے کارن تو میں مشائخ کے پاس ہو کر نہیں بیٹھتا اور نہ صلاح باطن کے لحاظ سے تو اس گروہ کا بہتیرا ہی ادب میرے دل میں ہے اور میں اس گروہ کی بڑی ہی ضرورت سمجھتا ہوں مگر جیسی بڑی ضرورت ہے ویسی ہی مکر کی بڑی گنجائش ہے خصوصاً جس حالت میں کہ شریعت کی روک اٹھا دی گئی ہو جیسے کہ اٹھا دی گئی ہے۔ پھر ایک بات یہ ہے کہ مسلمانوں کے طرز عبادت سے ان کے تیوٹاروں سے ان کی ظاہری وضع سے جس سے مسلمان پہچان پڑتا ہے ان کے احکام شریعت سے آخر اگر کا تو یہ لگتا ہے کہ اسلام کے خزاں پر اترے پچھے مسلمان کو کیا اور کیا ہونا چاہیے اسکو ہونا چاہیے مرنہ پر لٹنے کا نور یعنی نیچی ڈاڑھی نہ چڑھی ہوئی نہ منڈی ہوئی اور نہ خنجر ہستی کتیری ہوئی۔ لبیں لی ہوئیں۔ سر منڈا ہوا نہیں تو سارے سر پر بال پٹھے نہیں گردہ نہیں بھلے ہاتھوں کا سالباں نہ ایسا باریک کہ اندر سے بدن پڑا جھلکے کہ اسکو پیچھے صاحب نے فاسقوں کا لباس بنایا نہ تنگ کہ اس سے اگر ظاہر ہو۔ اور نہ بے ضرورت ڈھیلا کہ وہ اسراف و ریشی میں داخل ہے۔ ریشی نہیں۔ عورتوں کی طرح رنگیں نہیں۔ سر سے پانوں تک بناؤ سنگار کا کہیں نام نہیں کہ زیب زینہ عورتوں کا شیوہ ہے نیچی چولی ٹخنوں سے اونچا پا جامہ۔ زیور کے نام بدن پر چھلانگ نہیں کہ یہ سب نام نہ پر ہے۔ گوشت نہیں پٹھے نہیں۔ یہ تو مسلمان کی وضع ہوئی۔ اگر چلتا پھرتا کہیں نظر پڑ جائے تو نیچی آنکھیں کینے و بے پانوں اپنے رستے لگا چلا جا رہا ہے۔ بیٹھتا نہیں اترتا نہیں۔ جب دیکھو گھر میں با کام کے سر یا پانچوں وقت مسجد میں۔ گنچہ پوسہ تراش شطرنج بٹنے کھیل ہیں ان میں سے اسکو ایک بھی نہیں آتا۔ کبھی کھیلے ہوں تو جانے۔ نہ پتنگ اڑاتا نہ مرغ یا ٹیڑھیں اڑاتا نہ جانوروں میں کشتی کراتا۔ برسوں سے محلے میں رہتا نہ کبھی کسی سے لڑائی جھگڑا۔ کلی کی لڑکیاں دن رات اس گھر سے اس گھر میں اور اس گھر سے اس گھر میں دوڑی دوڑی پڑی

پھرتیں اسنے کبھی کسی کو ایسے اٹھا کر دیکھا ہو تو پہچانے۔ پاس پڑوس والوں کچھ کام ہو تو بے ہلائے ہو کر
 بازار سے لوگوں کے سودے سلف یہ لاکر دے۔ کوئی بیچارہ پڑے تو حکیم کے یہاں دونوں وقت یہ جا
 نسخہ عطار کے یہاں سے یہ بندھو اگر لائے۔ اپنے گھر میں نہ کبھی بڑوں کو جواب دیا نہ کبھی چھوٹوں پر سختی
 کی۔ کسی سے معاملہ پڑا تو نیوہ کا درست بارہ ماہ پورا وعدے کا سچا شہر میں ایسا کون ہے جو اس کی ساکھ
 نہیں مانتا۔ ناچ رنگ کے جلسوں میں شریک ہوتا تو درکنار نام لے دو تو پسینے پسینے ہو جائے۔ غریب سبکین
 متواضع منکسر بھلا مانس ہنس خلق منسار۔ راست باز۔ دیانتہ دار۔ غیور۔ بڑا بار حریفیں نہیں لایچی نہیں۔ سیدھا
 سادہ بے تکلف آنکھوں میں شرم سناٹ۔ نیک شرع کا پابند۔ یہ ہے مسلمان کا مختصر ساحلیہ۔ اور جو پرہیزگار
 ہیں وہ تو ایسے مہذب اور شائستہ اور باوقار ہیں کہ بھول کر بھی ان سے کوئی تحیف اور خفیف حرکت سہز نہیں
 ہوتی۔ بھوکھی ایسے دوچار بزرگوں کی زیارت کا اتفاق ہوا ہے تو ان کی مسانہ کا کچھ ایسا رعب پڑتا تھا کہ ان
 کے سامنے بات نہیں کی جاتی تھی۔ دل میں تو یہ خیال بیٹھے ہوئے تھے اور جانا ہوا ایک بزرگ کے عرس
 میں سہزار نامعلوم تھی مگر مجبوراً کنا پڑتا ہے کہ ایک بھی تو اپنی نگاہ میں نہ چا۔ بازاری اور عوام اور سودا
 خدے لوگوں کو چھوڑ کر قوالی کا جو مقدس جلسہ تھا وہی خود کیا تھا۔ تقدس کے تو بڑے درجے ہیں۔ جیسے
 نالائق نابکار عارہ اسلام گنہ گار کو بھی تو اس مجمع میں بیٹھنے سے شرم آتی۔ یوں ناچ کا جلسہ ہوتا تو میں ایسا
 پاک بے جا ہوں کہ شاید کچھ بھی شرم نہ کرتا۔ جان لیتا کہ چند بے غیرہ مسلمان اسلام کو بدنام اور اپنے
 تئیں فضیلت کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں اور ان میں ایک میں بھی ہوں لیکن افسوس یہ تھا کہ اس جلسہ
 قوالی کو ایسے ادب سے دیکھا جاتا تھا کہ گویا مجلس عظمیٰ ہے اور اس میں خدا رسول کا تذکرہ ہو رہا ہے اور قوالی
 نہیں بلکہ ایک طرح کی عبادت ہے کیونکہ جتنے لوگ تھے سب انگوں دوزانو مودب بیٹھے ہوئے تھے بلکہ دینی
 مجالس میں تو لوگ ایسا کرتے بھی نہیں عزا داری کی مجلسوں میں جانے کا اتفاق ہوا ہے۔ مولود کی مجلس
 میں شریک ہوا ہوں میں نے تو کہیں ایسا ادب قاعدہ دیکھا نہیں۔ لوگ گانے کے مزے لے رہے
 کچھ۔ تھیں بنات النعش گرووں دن کو پردے میں نہاں۔ شب کو انکے جی میں کیا آئی کہ عیاں ہوں گے
 خدا جانے کیا سمجھ کر عجیب عجیب حرکات کرتے تھے کہ ہم جیسے بے بصران حرکات مجنونانہ کے سوا اور کچھ

کہہ ہی نہیں سکتے ماں آسمان میں فشتے ذکر الہی کے وجد میں اگر ایسے بے مال بے سرنسپتے ہوں تو خبر میں
لیکن اگر بہشت میں جانا نصیب ہوا اور ظاہر میں تو کچھ سامان ہی نہیں لیکن اگر ہو اور ایسا لالچ ناچنا پڑا
تو سیم سے کیا بن پڑے گا۔ بہر کیف لوگ تو اپنے اپنے خیال میں تھے اور میں بیٹھا یہ سچ رہا تھا کہ الہی یہ قبر
اور بڑے بزرگ ہی کی ہو مگر ہے تو قبر اور حدیثوں میں تو پیغمبر صاحبِ کُل قبروں کی نسبت ایسا حکم دیا ہے کہ
زمین دفن کردی جائیں اور جس مصلحت سے یہ حکم دیا گیا ہے ہونہ ہو وہ یہی مصلحت تھی کہ جو معاملہ ہم لوگ بیٹھے
کر رہے ہیں کسی کی قبر کے ساتھ ایسا معاملہ نہ ہونے پائے کیونکہ خدا نے کل من علیہا فان کا فرق
جو جاری فرما دیا ہے وہ تو پورا ہو کر رہے گا۔ گنبد بنائیں تو اور مقبرے بنائیں تو۔ علاوہ بریں زیارتہ قبور
مقصود ہے عبرت اور عبرت تھی ہوگی کہ قبروں کو خستہ حال دیکھو اور اب تو شامیانہ اور روشنی اور ساز و سامان اور
نقاروں کا ہجوم اور یہ جلسہ قوالی دیکھ کر عبرت کی جگہ غلطی کا خیال پیدا ہوتا ہے اور قلب پر الٹی غفلت طاری
ہوئی جاتی ہے۔ آخر شب کا وقت تھا اور میلے کے غل غبارے کی وجہ سے اکٹھے کچھ رات رہے سے کھل گئی
تھی اس ارادے سے چلا تھا کہ نور ظہور کا وقت ہے چلوں موقع ہوا تو ان بزرگ کے فرار کے پاس بیٹھ کر کچھ
قرآن پڑھوں گا۔ یہاں جو آیا تو قوالی کا مجمع کچھ قرآن پڑھا جائے کیا خاک۔ چلے میں رہا تو سہی مگر جب تک
بیٹھا رہا یہی سوچتا رہا کہ یا تو مجھ کو اسلام سے تعلق نہیں یا اسلام کو ان باتوں سے تعلق نہیں۔ یہ خیالات
ہیں جو مجھ کو ان باطن والوں کی طرف رخ نہیں کرنے دیتے۔ ورنہ میں تو ان کے پانوں دھو دھو کر پیوں اور
میں تو اس سے اور بھی زیادہ برگشتہ ہوا کہ مجھ کو شبہ ہوتا ہے کہ کہیں ان لوگوں میں من ترا حاجی گجویم تو
مرا حاجی گجو کی طرح کی سازش نہ ہو اور ایک حمام میں سنبھلے ایک دوسرے کی پردہ داری نہ کرتے ہوں اور
جیسے کسی کو اپنی ایسی چوڑی تنظیم کرتے دیکھا تھا اس سے بگڑ کر کہہ دیا ہوتا کہ کیا تو مجھ کو بتاتا ہے اگر میں عباد
ریاضۃ مجاہدہ کچھ کرتا بھی ہوں تو مجھ کو کیا۔ میری محنت تیرے کام نہیں آسکتی تو اپنی آپ کر۔ اور اگر تو نے مجھ کو
خدا کا مقرب سمجھ رکھا ہے تو یہ تیری باطنی سب سے میں بھی ایک ناچیز سا بندہ ہوں اور اپنے پیغمبر مجھی کہ معلوم
ہیں میں اپنی خجائے سے تو مطمئن نہیں تیری کلامد کر سکتا ہوں پر خود دراندہ کر اشفاقہ کند۔ اگر شروع میں
اب سارو کھاؤ نہ تیار کر لیا جائے تو کوئی پاس بھی تو اگر نہ پھٹکے۔ اور ایک دم سے ان تمام خرابیوں کا انسداد

ہو جائے جو اس گروہ کے سبب اسلام میں پھیل گئی ہیں قرآن میں خدا سے تعالے فرماتا ہے لا تزد الفسک
 علما علم من اتقى اپنے آپ پاکیزہ و مقصد میں نہ بنو (اپنے منہ میاں مٹھو بننے سے کام نہیں چلتا) خدا ہی کو خبر
 ہے کہ کون پاکیزہ و مقصد ہے۔ اگر ایسا سمجھیں اور اس پر عمل کریں تو کوئی کیوں کسی سے بہتہ لے کہیں کسی کو مہر
 کرے کیوں کسی سے ہاتھ چھو لے کیوں کسی سے پیروں کو ہاتھ لگا لے کیوں لوگوں سے تعظیم و تکریم
 کا طلبکار ہو۔

سوال۔ کیوں صاحب ایک بات کا کئی دفعہ خیال آیا اور باتوں کے سلسلے میں ذہن سے اتر اتر گئی جو
 لوگ توجہ میں پورے نہیں ظاہر ہے کہ وہ اسلام میں تو آ ہی نہیں سکتے اور ہم ان کو بہت سے اعمال
 نیک کرتے دیکھتے ہیں۔ تو کیا ان کی نیکیاں برباد اور اکارت ہیں۔
جواب۔ میرے پاس اس کا کچھ جواب نہیں۔ میں نے تھکوا بار بار منع نہیں کیا کہ تم دوسروں کے
 معاملات میں دخل نہ دو۔

سوال۔ لیکن طبقہ میں خود بخود ایک حدشہ پیدا ہو تو کیا کیا جائے۔
جواب۔ طبیعت تمھارے بس کی ہے یا تم طبیعت کے بس میں ہو۔ اگر ایسی بے اختیار سی ہے تو تم
 مذہب کی طرف مٹھائیں ہو چکے۔ طبیعت تمکو دنیا اور دین دونوں میں خوار کرے گی۔ اس طبیعت کا آدمی
 دنیا میں اس سے رہ نہیں سکتا اور اس طبیعت کے نتیجے میں کہ لوگ آئے دن آپس میں جوتی پیرا کر رہے
 رہتے ہیں کوئی ایک مذہب دوسرے مذہب کو دیکھ نہیں سکتا اور اگر انصاف سے دیکھا جائے تو جو
 شخص جس مذہب کا زیادہ تعصب رکھتا اور دوسرے کے ہر ایک فعل کو اس کی توہین کا موجب سمجھتا
 ہے وہ خود بھی اس الزام سے بری نہیں مثلاً ایک ہندو ہماری مسجد کا ادب نہیں رکھتا تو وہ معتد
 کہ سرے سے اسکو عبادۂ گاہ ہی نہیں جانتا لیکن ہم جو مسلمان ہو کر مسجد کا بڑا ادب رکھتے ہیں یہی
 اس میں جوتیاں پس کر نہیں جاتے مگر اندر جا کر غیبی ہم کرتے جھوٹ ہم بولتے ٹوٹتے جھگڑتے یہ وہ
 بجواس لگاتے۔ دنیا کا وہ کونسا کام ہے جو خانہ خا میں نہیں ہوتا۔ کیا اس سے مسجد کی توہین نہیں ہوتی
 ہمارے نزدیک اس سے کہیں بڑھ کر ہوتی ہو کہ دوسرے مذہب کا آدمی جوتیاں پس کر اندر چلا جائے

مگر لوگوں نے مذہب کا تو جیلہ بنا رکھا ہے۔ دلوں میں خباثتیں بھری ہیں مذہب کی آڑ میں ان خباثتوں کے کام لیا جاتا ہے۔ اور دین کے اعتبار سے ترمیم و ترمیم کے مذہب سے متعرض ہونے ہی کو برا سمجھتا ہوں کہ ہکو دوسرے کے دین و مذہب سے عرض نہیں تعلق نہیں وہ جانے اس کا کام جانے ہر کے مسئلہ خویش بخوشی و اندر اور حدیث شریف میں آیا ہے من حسن الله امره ان لا يملك الاغنياء اور دین و دوسرے مذہب سے متعرض ہونے کو مکتلا پہننے میں داخل سمجھتا ہوں۔ اور ایک پہلو تو اس کا بہت ہی برا ہے کہ دوسرے کے مذہب سے متعرض ہونا خدا کے خستیا رات میں داخل نیا ہے۔ یہ خدا کا کام ہے کہ وہ اپنے بندوں کی نیکی بدی کو تو لے اور ان کو ان کے کئے کی جزا یا سزا دے۔ ہم سے وہ لوگوں کے بارے میں پوچھتا نہیں تو ہمارا دخل در مقولات داخل سو مراد ہے۔ دنیا میں ہمارا لوگوں سے اتنا ہی تعلق ہے کہ ہماری حاجتیں ان سے اور ان کی حاجتیں ہم سے متعلق ہوتی ہیں اور بس۔ اگر ہم سے شفا کسی نے قرض لیا ہے اور وہ ہکو وقت پر لا کر دیتا یا ہکو کسی نے قرض لیا ہے اور ہم سے ناحق ناروا زیادہ نہیں لینا چاہتا تو ہکو جیسا مسلمان ویسا ہندو ویسا عیسائی ویسا بٹ پرست ویسا مشرک ویسا کافر۔ ہم مسلمان ہیں تو اپنے واسطے وہ مسلمان نہیں ہے تو اپنے واسطے آسایش و گیتی تفسیر ارن و حرف است و باد و ستار تطف باد شنان مدارا و دوست دشمن کا تفرقہ بھی شاعر نے کیا ہے ہکو تو سب دوست ہی دوست دکھائی دیتے ہیں۔ دشمن اگر ہے تو اپنا نفس جو ان النفس کا مارتا بالسنو

سوال۔ یہ رات تو اپنے اب قرار دی ہو لیکن جن دنوں آپ میری طرح دین کی طرف سے اطمینان حاصل کرنے کی فکر میں تھے اس وقت کفار کے اعمال نیک کی نسبت آپ کیا خیال کرتے تھے۔

جواب۔ گئے مجھے بھی طالب العلماء و ادو چلنے میں جو کچھ راستہ رکھتا تھا اب میں اس کو بدل دیتا ہوں۔ تاہم ان کے سننے سے ہکو تسکین ہوگی۔

جواب۔ تسکین تو اس سے ہوگی کہ اپنی ہندیا کی خیر سناؤ مگر تم اصرار کرتے ہو تو میں ایک حکایت کے طور پر تم سے بیان کیے دیتا ہوں۔ ہکو ایک مثال سوچ گئی تھی کہ جیسے ایک شخص کسی مرض سخت میں

۱۸ آدمی کے ایمان کی خبر ہوں کہ ایک غریب یہ بھی ہے کہ جو چیز اسے درکار نہ اسے سرکار نہ کہے ۱۷ آدمی کا نفس تو بڑی ہی کہ بڑے حکم جانتا ہے ۱۸

سبتا تھا وہ گیا ایک حکیم حافظ کے پاس اُس نے بڑی توجہ سے اُس کا علاج کیا اور مریض اچھا ہو گیا۔ بشرط انسانیت یہ ہے کہ وہ حکیم کا شکریہ ادا کرے لیکن وہ حکیم کو چھوڑ عطار پاس دوڑا گیا۔ اسی طرح خدا نے ہر ایک آدمی کو اتنی عقل دی ہے کہ خدا کو پہچانے اگر وہ پہچانے کی کوشش نہیں کرتا تو جو اعمال نیک و ابرار سے غرض سے کرتا ہے کہ خدا سے اسکو تقرب ہو وہ ایسا ہی غلطی میں ہو جیسے وہ بیمار عطار کا شکریہ ادا کرنے گیا تھا۔ مگر اسکے بعد جو تم نے اس طرح کی بات پوچھی تو مجھے زیادہ برا کوئی نہیں کیونکہ بحث و مناظرہ میری چٹ ہے۔

سوال۔ آپ ناخوش سمجھتے ہیں نے بحث کے طور پر آپ سے کچھ نہیں پوچھا بلکہ استفادے کے طور پر اور آپ کے بیان سے میری پوری تسلی ہو گئی ہے اور کسی طرح کا خدشہ میرے دل میں باقی نہیں۔ بلکہ طبیعت ان خیالات سے آشتی نہیں اب ان شاء اللہ وقتاً فوقتاً غور و فکر کر کے میں ان خیالات کو راسخ کروں گا۔

صادقہ کا مذہبی خواب نیچری فلسفہ

لیکن میں ان نیچریوں کی نسبت بھی آپ کے خیالات معلوم کرنے چاہتا ہوں کہ آج کل ان لوگوں نے بھی بڑی اودھم مچا رکھی ہے۔

جواب۔ نیچری ابن الوقت ہیں یعنی اس زمانے کی پیداوار۔ زمانے کا رنگ تو دیکھو کیا سے کیا ہو گیا۔ تمام ہندوستان میں انگریزی عملداری ہے مطمئن کہ ایسا امن کبھی ہندوستان کو نصیب نہیں ہوا۔ اسی امن کا دوسرا نام ہے آزادی ہر شخص فعل مختار ہے جو چاہے سو کرے بشرطیکہ دوسروں کی عافیت میں خلل نہ آئے ہو۔ سرکار ایک کو دوسرے کی آزادی میں کیوں خلل انداز ہونے لگے گی جب کہ جایا کی آزادی میں اپنا خلل انداز ہونا بھی جائز نہیں رکھتی۔ آزادی کے لئے پیرائے ہیں ان میں سے ہر فرد کی پیرایہ آزادی لے کے کا بھی ہے جس سے ہلکا جھٹ ہو سکتا کسی کی رائے میں خلل نہیں دیتی مگر جس چیز سے رائے کے قائم کرنے کی لیاقت پیدا ہوتی ہے یعنی تعلیم اُسکے پیچھے ستویا ندھ کر پڑی ہو اس واسطے کہ دنیا کے کام بے تعلیم کے چل نہیں سکتے۔ ہر چند تعلیم دنیاوی چیزوں میں دی جاتی ہے اور کسی مذہب کا

نام زبان پر نہیں آنے پاتا مگر ہندوستانی تو مذہب کے بدلے نکلے نہیں توڑتے۔ ان کی عادت ہے کہ پویشاک ہو تو کھانا پینا ہو تو میز کرسی ہو تو برتن بھانڈا ہو تو ہر چیز کو مذہب میں لے دوڑتے ہیں۔ یہ تعلیم کو کیا بخشتے۔ مائوں لوگ اسی جھبط میں مبتلا رہے کہ تعلیم کا اصل مقصد عیسائی بنانا ہے مگر جھوٹ کے پائو کیا اور اوصاف پڑھی پڑھ کی مار اور یہ بھی دیکھا کہ تعلیم کی بھٹی میں تو سوکھا اور گیلا بھی جلا جاتا ہے۔ ہندو مسلمان عیسائی یہودی کون ہے اس کی آج سے بچا ہو۔ بارے وہ اگلی سی وحشت تو ہمارے مگر افس بھی نہیں۔ بہت سی دوائیں ہیں کہ فائدے کے اعتبار سے اکیر حکم رکھتی ہیں جیسے کونین ہو یا کاڈلورائل ہو۔ مگر کوئی تو اس ہلاکی کرٹھی ہے کہ زبان پر نہیں رکھی جاتی کسی میں ہیک کے حلق سے نہیں اُترتی۔ اور جب طبیعت دو کو قبول کرے تو فائدہ کیا خاک ہو۔ اس لئے لوگوں نے کونین کی تلخی دور کرنے کے لئے گولیاں نکالیں اندر کونین اوپر کوئی اور چیز خوش مزہ یا بفرہ نہیں بے مزہ۔ کاڈلورائل میں جو کاشا ستہ یا اور دوائیں ملا دیں کہ کاڈلورائل کی ہیک بھی دب گئی اور اسکے اثر کو بھی تائید پہنچی۔ یہی حال تعلیم کا ہے کہ اسکے آگے اکیر کی کچھ حقیقت نہیں۔ مگر مذہبی خلط والوں کو پتہ بھی نہیں کہ کیا مشکل میں جان ہے کہ مغربی جیسا تو مہلک مرض اور دوائی یہ ایک۔ تعلیم نہ پیتے بن ٹیجی ہے اور نہ بے پئے راجاتا ہے۔ نیچریوں نے تاویل کی ایک ترکیب نکالی ہے کہ اس سے مذہب تو چنداں ایسا ہو جاتا ہے کہ پھر تعلیم کی دوا مطلق ناگوار نہیں معلوم ہوتی۔ بس ان کی دوائیں ۲

کہ مذہبی مذاق کو معطل کر دیتی ہے جیسے مخدر دوائیں کہ جہاں لگا دو وٹا ٹھٹھا سرنگام اور تعلیم میں الٹیائیا نیچریوں کے مسلمان ہونے میں اور ان کی نیت کے بخیر ہونے میں ذرا بھی شک

سوال۔ لیکن مذاق مذہبی جو بڑی ضروری اور بکار آمد قوت ہے وہ جو بایا۔ اور بات بات میں تعلیم اور **جواب**۔ کیا کیا جائے مقام مجبوری ہے۔

سوال۔ ایسی کا ہے کی مجبوری ہے

جواب۔ مجبوری یہ ہے کہ تعلیم بھی تو اپنی حالت پر قائم نہیں ہیں میں ہاں نہیں ملتا۔

یہاں کی تعلیم تھی کیا۔ لفاظی اور منطق و فلسفہ کے خیالی ڈھکوسلے تعلیم یافتہ تو کسی طرح دینے والے

اب تو ہندو اور ریاضی اور طبیعیات ایسے علوم کی قدر ہے جن کا مدار بدہنیات اور شاہدات پر ہے اور ایسے علوم دنیا میں کام بھی آتے ہیں۔ ایسے ہی علوم سے ریاضی چل پڑیں تا روڑے لگے۔ ہزار ہا قسم کی کلیں ایجاد ہو گئیں۔ ان علوم کو پڑھتے پڑھتے آدمی کی طبیعت کچھ ایسی ہو جاتی ہے کہ بے شاہد اسکو کسی بات کا یقین ہی نہیں آتا۔ وہ ہر جگہ ڈھونڈتا ہے اور قیید رک کا ثابت یا حساب و جبر و تقلب کا سا عمل نہ دیکھے اعتبار سے یہ پہلا خلل ہے جس سے کل کا کوئی تعلیم یافتہ و لغ محفوظ نہیں طبیعت تو واقع ہوئی ایسی اور مذہب کی جڑیں خدا کی شناخت جسکو نہ کسی نے دیکھا اور نہ کوئی دیکھ سکتا ہے تو ایسی طبیعتوں میں اور مذہب میں کیونکر التیام ہو۔ اگر مذہب ہی شاہد کے کی چیز ہوتی تو جوتیوں میں دال ہی کیوں بنتی۔ سب کی ایک ست ہوتی۔ نہ کوئی کسی کو کافر بناتا نہ کوئی کسی کو جہنم میں حکمیتا۔ اندھے کو پھر بھی صبر کرنے کی جگہ ہے کہ اسکو کچھ نہیں سوچتا الیاس احمدی الرحمن بڑی مصیبت تو اسکی ہے جو اندھا بھی نہیں کہ صبر کرے اور اسکو نور کی جھلک سی بھی دکھائی دیتی ہے۔ نہیں دیکھتا تو دل نہیں مانتا اور دیکھتا ہے تو صاف نظر نہیں آتا۔ بعینہ ہی حال ہر انسان کا مذہب کے بارے میں۔ اس کا دل لیکن دیتا ہے کہ خدا ہے اس واسطے کہ وہ اس کی آواز سنتا اور اسکی آہٹا پاتا ہے۔ مگر نہ دکھائی دیتا بھی بڑی دیتا۔ پھر اس کا دل گواہی دیتا ہے کہ گو میں نیاسے کوچ کر جاؤں اور میری لاش کو جلا کر کھا جاؤں۔ جواب۔ بیکو دیامیں بہادیں یا قبر کھود کر گاڑ دیں اور میرے بدن کو کپڑے کھا ڈالیں مگر میں کسی تمام ہندوستان میں رہوں گا ضرور۔ پھر اس کا دل گواہی دیتا ہے کہ میں دنیا میں اچھے کام بھی کر سکتا اسی امن کا دوسرا نام ہے انہوں۔ اچھا کروں تو مجھکو شاباش ملے گی اور بڑا کروں تو میری شامت آئے گی عافیت میں خلل انداز نہ ہو۔ سرکان کی پروانہ ہو چکی گوہ انسان فلاحون یا فلاحون کا باواہی کیوں نہ ہو۔ اور کچھ کی آزادی میں اپنا خلل انداز نہ ہونا اللہ کرید کہ سب کچھ جان لوں اور خدا ہو جاؤں۔ اور یہ ساری آفت کا پیرایہ آزادی رائے کا بھی ہے جس۔ صبر نہ ہو سکا اور جس درخت کے کھانے کی سناہی تھی اسکو کھایا پر رائے کے قائم کرنے کی لیاقت پیدا فرمے ہم پڑے کچھ رہے ہیں۔ طبیعت کی کرید دیکھ کر خدا نے پیغمبر دنیا کے کام بے تعلیم کے چل نہ سکا محمل ہو سکے اس کو وہ بات بتا دی جائے جس کی ٹوہ میں لگا ہے

پیغمبروں نے بتایا سمجھایا مگر مع میں نہ سمجھوں تو بھلا کیا کوئی سمجھائے مجھے ۛ وہ گریہ نہ گئی پر نہ گئی کہ دنیا کی چیزوں کی طرح خدا کو دیکھوں اُس سے خود میری باتیں ہوں اُس کا منشاء معلوم کروں۔ دنیا کے پیچھے جو کچھ پیش آئی ہے سب پر حاوی ہو جاؤں۔ یہ گریہ تھوڑی بہت بھی میں ہے اور آج کل تعلیم یافتوں میں تو جنوں کی حد کو پہنچ گئی تھی اور قریب تھا کہ یہ لوگ قیدِ اسلام سے آزاد ہو کر کہیں کو آوارہ ہو جائیں۔ ان کی روک تھام کے لیے نیچری کھڑے ہوئے سو وہ شورش تو فرو ہو گئی اور یہی سہی اور ضرر دہوتی جاتی ہے کہ اب کوئی انگریزی پڑھا ہوا مسلمان چاہے وہ ایم اے اور ایل ایل ٹی سی یا بارشٹری کیوں نہ ہو احاطہ اسلام سے بھاگنے کا نام نہیں لیتا۔ مگر ہر ملک تو جاتے ہی جاتے گی۔

سوال۔ اگر یہ ہے تو نیچری ہم مسلمانوں کی بڑی شکر گزاری کے مستحق ہیں۔

جواب۔ خیر اگر شکر گزاری کے مستحق نہ بھی ہوں تو لعنتِ خداوندی اور گناہوں کی بوجھ اڑ کے بھی سزاوارتہ نہیں جو ان پر چاروں طرف سے بڑی برس رہی ہو۔ یہ تو دل سے اسلام اور مسلمانوں کے خیر خواہ ہیں۔ ان کو خوش بڑی مشکل درپیش ہے۔ کیونکہ مرضِ ہوسخت کہ اگر اسے جنون سمجھا جائے تو وہ ایسا خطرناک جنون ہے کہ مجنون شاید اپنے تئیں یا کسی دوسرے کے تئیں کسی طرح کا نقصان نہ پہنچا بیٹھے۔ اور پھر جنون بھی ہے تو نئی قسم کا جنون ہو اس کے لیے علاج بھی نیا تجویز کرنا پڑتا ہے اور نئے علاج میں کچھ غلطی بھی ہو تو جنوں احاطہ کے قابل نہیں۔

سوال۔ آپ نے نیچریوں کے اصول تو خوب دریافت کیئے مگر یہ فرمایئے کہ اسلام اور تعلیم میں التماس کا انھوں نے کیا طریق نکالا۔

جواب۔ انھوں نے طریق یہ نکالا کہ جہاں تک ہو سکا اسلام ہی کو دیا یا۔ اور بات بات میں تعلیم اور عقل کی جانب اری کی۔

سوال۔ یہ تو یک طرفہ فیصلہ ہوا۔

جواب۔ اس میں شک کیا ہے اور اسی سبب سے تو میں ان کی ماں میں ماں نہیں ملاتا۔

سوال۔ اچھا اگر تعلیم اور عقل کی جانب داری نہ کرتے تو کرتے کیا تعلیم یافتہ تو کسی طرح دینے والے

تھے نہیں۔

جواب۔ میں بتاؤں کیا کرتے عقل اور مذہب دونوں میں حد بندی کر دیتے جیسے ان دونوں ہماری سرکار روس اور افغانستان کے مقابلے میں کر رہی ہو مگر عقل اور مذہب کے مقابلے میں جو حد بندی کی جاتی اُس میں الگ الگ تین طرح کی حد بندی ہوتی۔ ایک تو وہ علاقہ جس میں مذہب ہی مذہب ہو اور عقل کو قطعی ممانعت کر دی جاتی کہ اپنے قدم نحوستہ لزوم اس علاقے میں نہ لائے۔ دوسرے خالص عقل کا علاقہ کہ ضرور مذہب مان جانے کی تکلیف نہ فرمائیں۔ تیسرا علاقہ مشترک کہ اُس میں عقل و مذہب دونوں یکساں دخل ہوں۔ عام مسلمان تو یہ چاہے بھولے یا لے یا سادے یہ سمجھتے ہیں کہ مذہب اور عقل دونوں جوڑوان بھائی بھائی ہیں ان میں لڑائی کا کیا باعث۔ لیکن جن کو عقل (اس زمانے کی عقل) ہے وہ جانتے ہیں کہ عقل اور مذہب میں سرد سے کھٹ پٹ ہوتی چلی آئی ہے اور دونوں میں نہ کبھی بنی اور نہ کبھی بنے۔ عام مسلمانوں نے تو ایک کان کیا گونگا ایک کان کیا بھر ان کو عقل و مذہب کی لڑائی کی خبر ہی نہیں اور نہ ان کے لئے حد بندی کی ضرورت۔ جن کو عقل کے بڑے بڑے چوڑے دعوے ہیں ان ہی کو حد بندی کی بڑی ضرورت بھی ہے۔ ہم نہیں کہتے کہ نیچے یوں نے مذہب اور عقل کے خلاف کو یا حد بندی کی ضرورت کو نہیں سمجھا۔ سمجھا اور خوب سمجھا مگر علاقہ نمبر ۱ کو توڑ کر علاقہ نمبر ۲ میں شامل کر دیا اور یہ بڑی غلطی کی کہ ہمیشہ ہمیشہ کو جھگڑا قائم کا قائم رہا۔

سوال۔ ذرا علاقوں اور ان کی حد بندی کی صراحت تو کیجئے۔

جواب۔ لو۔ میں اکثر مذہبی باتوں کو علاقہ نمبر ۱ قرار دیتا ہوں کہ اُس میں مذہب ہی مذہب ہو اور عقل کا دخل نہ ہو۔ میں تم سے بیان کر چکا ہوں کہ مذہب کل سارا اور مدار خدا شناسی پر ہے خدا کو ماننا۔ اپنے تئیں نیک بابر کا ذمہ دار سمجھا اور مرے بعد اپنے باقی رہنے کا یقین کیا۔ تو ان سب خیالات کے جمع ہونے سے مذہب پیدا ہوا۔ اور خدا شناسی میں جہاں تک ہمارا ملک ہے وہ بھی بیان کر چکا ہوں تو سرے سے مذہب کی بنیاد ہی نامعلوم چیز پر ہے تو ایسا علاقہ نکلا یا نہ نکلا جہاں مذہب ہی مذہب ہی اور عقل کا دخل نہیں میں اکثر مذہبی باتوں کو ایسا ہی سمجھتا ہوں کہ ان میں عقل کو دخل دینا وضع الشی فی غیر محلہ ہے۔ مثلاً خدا کی ذات و صفات میں

عقل دوسرا فی الا حاصل ہونے کے علاوہ داخل حق ہو۔ اسی طرح بعد مرگ جو جو حالتیں پیش آئیں گی ان میں رائے نئی کرنا داخل حق ہے تمام جزئیات شرعیہ کی مصلحتوں کو معلوم کرنے کی کوشش کرنا داخل حق ہو۔ جبر و قہر کی پہیلی کے پیچھے پڑنا داخل حق ہے یا روج کی ماہیت کے درپے ہونا داخل حق ہو اور اسی طرح سیکڑوں باتیں نکلیں گی جہاں عقل کے پر جلتے ہیں تو کیوں ایسا علاقہ قائم نہ کیا جائے جہاں عقل کا مطلق دخل نہ ہو۔ علاقہ نمبر ۲ دنیا کے دھندے ہیں بھیت میں چنے بوئیں یا مٹر جو تی سلیم شاہی پنہیں یا گول پنچے کی یا بوٹ یا گرگابی۔ کہ ایسی باتوں سے مذہب کو کچھ سود کار نہیں۔ علاقہ نمبر ۳ میں تمام اخلاقی باتیں ہیں کہ عقل اور مذہب دونوں کا ان اجمال ہے۔

سوال۔ یہ آپنے عقل اور مذہب میں حد بندی اور علاقوں کی تقسیم تو خوب نکالی ہے۔

جواب۔ جی ہاں ایسا نہ کریں تو مذہب کی طرف سے اطمینان کیونکر ہو۔ میں سمجھوتیاں برسوں کی عورتیں بیٹھے ہیں اور برسوں ہی۔ سنسنی میں نشین بھی ہوتے ہیں۔

سوال۔ تو آپ کے نزدیک پیچیدہوں نے کیا غلطی کی ذرا پھر فرمائے گا۔

جواب۔ اصل غلطی تو یہ ہے کہ عقل سے اس کی بساط سے بہت زیادہ کام لینا چاہتے ہیں۔ اور غلطی کا قاعدہ ہے کہ بڑی جلدی انڈے بچے دیتی ہے جہاں ایک بڑی غلطی کی اور اس سے دوسری غلطیاں پیدا ہوتی ہیں اکثر تو ان لوگوں کو غیر ضروری باتوں میں بہت وقت ضائع کرنا پڑتا ہے اور پھر عقل کی نارسائی کے تسلیم کرنے کی تو کھائی ہے قسم ایسی ایسی مکروہ غلطیاں کرتے ہیں کہ تو بہت ہی بھلی ہے۔ اور اصل مطلب فوت ہوتا ہے سو الگ۔ حدیث تفسیر فقہ کو تو بالائے طاق رکھ ہی دیا تھا صرف ایک قرآن بچا تھا وہ بھی اس لیے کہ اس پر انالہ لحاظوں کا پہرا کھڑا تھا تو اس کو بھی مارے تاویلوں کے ایسا تو کیا ہے کہ اسکی فصاحت بلاغت پر پانی پھر تو پھر اظاہر عبارت پر سے بھی غما داٹھ گیا چلے گئے لوگوں کو مسلمان بنانے ان کو صلہ دین یعنی قرآن میں بھی شک پڑ گئے۔ میں ایسے چوتروں سے کان گانٹھنے پر آؤں اور قرآن اور پداوت کو ایک نہ کر دکھاؤں تبھی کہنا۔

سوال۔ مجھ کو کوئی خاص مثال دے کر ان پیچیدہوں کی غلطی سمجھائیے تب میری تسکین ہو۔

جواب۔ مثالوں کو میکہ کیا کر دے وہی کلیہ قاعدے کیوں نہیں یاد رکھتے جو میں نے ٹکڑا بتا دیئے ہیں کہ عقل انسانی قاصر و محدود ہے اسکو اس کی حد سے باہر ت ہونے دو۔ اور دین میں سیکڑوں ہزاروں باتیں ہیں سب پر مقدم اپنے نفس کی اصلاح اور معلوم ہے کہ آدمی تا بہرگ اصلاح نفس سے فارغ نہیں ہو سکتا۔ پس ضروری کو چھوڑ کر غیر ضروری باتوں میں مشغول ہونا وقت جیسی قیمتی چیز کا ضائع کرنا ہے جس کی باز پرس ہونی ہے تو جب کوئی مذہبی بات تمہارے سامنے پیش آئے سب پہلے دیکھو کہ اصلاح نفس سے متعلق ہے یا نہیں۔ اگر نہیں یا عقل انسانی کی رسائی سے باہر ہے اور جھگڑے کی ساری باتیں اسی قسم کی ہیں۔ تو اس کان سنو اور اس کان نکال دو۔ شیطان کے بہکانے جھگڑا کے ہزاروں رستے ہیں ان میں کشمیر الوقوع یہ بھی ہے کہ آدمی دین سمجھ کر ایک کام میں لگا رہتا اور اس مشغل کو کار نیک سمجھ کر اسکے اجر اور ثواب کی توقع رکھتا حالانکہ وہ کام نیک ہو یا نہ ہو اسکے نہ کرنے سے اس پر کسی طرح کا الزام نہیں اور سیکڑوں ضروری کام میں جنکی باز پرس ہونی ہے وہ رہے جاتے ہیں اور آدمی اُنکے سرانجام میں غفلت کرتا ہے۔ یہ آفت اکثر پڑھے لکھوں میں ہوتی ہے کچھ لوگ انکی بیاد اور ذمات کی تعریفیں کرتے ہیں اور یہ سن سن کر چھوڑے نہیں سمجھتے۔ شاید اتنی نیکی بھی کی ہو کہ دوسروں کو غلطی اور گمراہی سے بچا یا مگر عجب اور خود پسندی سے اپنے تئیں تو تباہ کر لیا فہم بھینون انہم بھینون صنعا دوسرے لوگوں کے جھگڑے تو پرانے پڑ گئے ہیں اب کوئی ان کی طرف التفات بھی نہیں کرتا او یہ قلدوں غیر قلدوں کی نزاعیں ایسی چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں کہ تمام سمجھ دار آدمی ان پر ہنستے ہیں۔ مگر یاں نخیری ختم نہ کیا کھڑا ہوا ہے اور اس میں لوگ بھی بڑے بڑے ذہین اور لائق ہیں یہ بھی احکام کو انکار ہو کر ایک نے ایک ان اپنے ٹھکانے سے لگے ہیں گے۔ ان کی کوئی خاص بات بیان کروں۔ دعا اور قدرۃ اور وحی اور معجزات اور ملائکہ اور شیطان اور جتہ اور دوزخ اور آسمان ایک چیز بھی انھوں نے نہیں چھوڑی جس میں عقلی شک نہ چلائے ہوں۔ انھوں نے اپنا اصول ہی ٹھہرا رکھا ہے کذابا بالو یحیطوا بعلمہ جو بات سمجھ میں آئی

اُس سے انکار اور میں ان سب کو غیر ضروری اور ادراک انسان سے بالاتر سمجھتا ہوں۔

صادقہ کا مذہبی خواب - دعا

سوال۔ اگر آپ دعا وغیرہ ان ہی چند باتوں کی نسبت اپنی رائے ظاہر فرمائیں تو میں نہایت درجہ ممنون ہو گا۔ اور شاید میں اس سے زیادہ آپ کو تکلیف بھی نہ دوں۔

جواب۔ دعا کا حال یہ ہے کہ میرے نزدیک کوئی فرد بشر اس سے منکر نہیں۔ یعنی کوئی بندہ بشر نہیں جو مصیبت میں عائد مانگتا ہو اور دعا نہیں مانگتا دل کی خالی غلی تلی کے لیے بلکہ اُس تلی کے لیے جو حصول دعا سے ہوتی ہے یعنی ہر فرد بشر کو کامل یقین ہو کہ کوئی اسکے دکھ درد سننے والا اور لپٹانے والا نہ اسکی مدد کر سکتا ہے اور اسکو پورا بھروسہ ہے کہ کرسے گا تو یہ انسان کی ایک خلقی بات ہوتی اور دعا سے انکا کرنا اصولِ حقیقہ کے خلاف ہوا۔ خلافت میں سے ایک گروہ سوفسطائیوں کا ہے وہ کہتے ہیں کہ دنیا میں کچھ دعویٰ نہیں یہ سب ہم کا کارخانہ ہے ایک چیز جو ہم آنکھوں سے دیکھتے ہیں خارج میں کہیں اسکا وجود نہیں ہوتا۔ ہم نے اسکو موجود مان لیا ہے۔ وہ لوگ خوشی اور سوخ اور راحت اور درد کسی کے قائل نہیں۔ مگر یا نہیں دنیا بھی ہے اور اس میں بے شمار مخلوق بھی ہے خوشی اور سوخ بھی ہے راحت و درد بھی ہے۔ کیوں ہے؟ اس لیے کہ ہم دیکھتے اور احساس کرتے ہیں بغرض ہمارا دیکھنا اور احساس کرنا ہی چیزوں کے موجود ہونے کی دلیل ہے اور اسکے سوا ہمارے پاس کوئی اور دلیل نہیں اور نہ کسی اور دلیل کی حاجت۔ اسی طرح دعا بھی ہے کیوں ہے؟ اس لیے کہ ہم کو خود بخود اسکے ہونے کا یقین ہے جو شخص دعا کا منکر ہو اسکو چاہیے کہ دعویٰ اسلام سے دست بردار ہو کر سوفسطائیوں میں جاوے۔ مگر پھر ہی ہونا اور انسان کے نیچے کو نہ ماننا اور سوفسطائیوں کی سی باتیں کرنا اور اسلام کا دعویٰ یہ تو کوئی معقول بات نہیں رہی یہ بات کہ کیوں ہر طرح کی دعا قبول نہیں ہوتی اور کیوں ہمیشہ قبول نہیں ہوتی اس سے تو دعا کو اور تقویٰ پہنچتی کہ باوجود اس کے ہر طرح کی دعا قبول نہیں ہوتی اور ہمیشہ قبول نہیں ہوتی پھر بھی لوگ دعا کیے ہی جاتے ہیں اس واسطے کہ دعا ان کی فطرۃ میں داخل ہے۔ دعا کا تو نام ہے اصل کھوار اس بات کی ہے کہ خدا کی قدرۃ محدود ہے یا نامحدود۔ میرے روبرو یہ مسئلہ پیش کیا جائے تو میں فوراً اس بحث کو بند کروں کہ خدا

کی ذات اور صفات ہیں زیادہ غور اور غوض کرنا ہماری عقل کی رسائی سے باہر بات ہے۔ لیکن لوگوں کے سروں میں میرا و باغ نہیں دماغوں میں میرے خیالات نہیں۔ نیچری خدا کو قادر مطلق تو مانتے ہیں مگر اس طرح پرکڑے اپنی مرضی سے ایک قاعدے پر دنیا کے انتظام کو چلا دیا اب وہ قاعدہ ٹوٹ نہیں سکتا نہ اس واسطے کہ خدا اسکو توڑ نہیں سکتا بلکہ اس واسطے کہ وہ اسکو توڑنا نہیں چاہتا۔

سوال۔ کم بخت بات تو سفر سے ایسی اُتار کر لاتے ہیں کہ کسی کے اُٹھائے نہ اُٹھے۔

جواب۔ یہ سچ ہے کہ دنیا کا انتظام ایک نسق پر چل رہا ہے اور اس میں بھی شک نہیں کہ وہ نسق قابل تبدیل بھی معلوم ہوتا ہے مگر ہماری معلومات اس قدر ناقص ہے کہ اول تو ہم یقینی طور پر یہ نہیں جان سکتے کہ وہ نسق ہے کیا۔ ہم ایک واقعے کو دیکھتے ہیں اور اپنے نزدیک اُس کا ایک سبب ٹھہرا لیتے ہیں ممکن ہے کہ جسکو ہم نے سبب سمجھا ہو وہ سبب کافی نہ ہو اُس میں کچھ شے لُٹ ہو یا اُس کے ساتھ دوسرے اسباب ہوں اور وہ ہم کو معلوم نہ ہوئے ہوں۔ یہ ریلیں اور تار برقی اور ہزار قسم کی کلیں چل پڑی ہیں ان کے منحنی ہیں کہ سنسنے اسباب انسان کو دریافت ہوتے چلے جاتے ہیں۔ دوسرے زمانہ گزشتہ کے حالات بھی تو ہم ہیں کوئی شخص وثوق کے ساتھ دعوے نہیں کر سکتا کہ شروع دنیا سے فلاں واقعے کے خلاف کبھی نہیں ہوا۔ ہاں یہ کہہ سکتا ہے کہ میرے علم میں اس کے خلاف نہیں ہوا۔ لیکن کیا وہ اور کیا اُس کا علم حشرات الارض جو برسات کا پانی پینے سے زمین میں کودنے اُپھلنے اور رینگنے لگتے ہیں ان کو کیا خبر کہ دنیا میں گرمی اور جھٹے کے موسم میں کیا ہو کر رہا ہے۔ زمانے کے امتداد پر نظر کرو اور پھر انسان کی ہستی کو دیکھو تو آدمی حشرات الارض سے کچھ زیادہ وقفہ نہیں رکھتا۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ باوجود اسے کہ ہم دنیا انتظام کو ایک نسق پر چلتا ہوا دیکھتے ہیں ساتھ ہی ہم اسکو قابل تبدیل بھی سمجھتے ہیں ورنہ وہ اسی کیوں کرتے۔ یہی بات کہ دنیا کے انتظام کو ہم کیوں قابل تبدیل سمجھتے ہیں اس کا وہی جواب ہے کہ ہماری فطرت ہی اسی طرح کی واقع ہوئی ہے۔ مزہ تو اسی میں ہے کہ نیچری کو نیچر قائل کرے۔ نیچریوں نے اپنی اس کے نتائج پر نظر نہیں کی ورنہ ایسی بات ان کو ٹونہ سے نکالنی بھی مناسب نہ تھی۔ تو براے فعل کردن آدمی نے براے فعل کردن آدمی میں تم سے کئی بار کہہ چکا ہوں کہ اگرچہ دنیا کے اس انتظام میں کمال

ظاہر کو دخل ہو مگر مذہب جتنا۔ آج دنیا کے تمام لوگوں کی (صرف محدودے چند نیچریوں کی نہیں اور
 ہونے سے کہنے کی سلسلہ نہیں بلکہ واقعہ میں ملے) یہ رائے ہونے دو کہ خدا نہیں یا ہے اور جو کچھ اسکو کرنا تھا
 کر چکا۔ پھر دیکھو کہ دنیا کا کیا رنگ ہوتا ہے۔ فرانس اور اٹلی نے حکماً مذہب کو انتظام دنیا سے خارج کر کے کیا
 پھل پایا۔ مردم شماری گھٹ گئی جرائم کی تعداد اضعاً مضاعفہ بڑھ گئی۔ ملک سے بربک سلب ہو گئی۔ تو ہا
 کہ پھر چاہتے ہیں کہ حسب دستور سابق مذہب کو رواج دیں۔ مذہب کے علی حدہ ہو کر دنیا میں نیکی رہ نہی نہیں
 سکتی اور اس جگہ مذہب مراد ہے یہی خیال کہ خدا اپنی ذات سے دنیا میں تصرف کرتا ہے اور وہ اسکا
 محکوم یا محتاج نہیں۔

صادقہ کا مذہبی خواب۔ وحی اور معجزات

سوال۔ اچھا اب چلتے وحی۔

جواب۔ یہ بحث جا پہنچتی ہے خدا کی صفات میں۔ جب ہم نے ایک شخص کو پیغمبر بنا اور تسلیم کر لیا
 کہ اس بندے کو خدا سے خاص طرح کا تقرب ہے۔ تو اب اس تقرب کی کیفیت میں ہم کلام کر نہیں سکتے
 وہ بندہ تقرب اپنے تقرب کی نسبت جو کچھ بیان کرے ہو کو مان لینا پڑے گا۔ اور اسکی زیادہ تفتیش کرنے
 ہو کو فائدہ ہی کیا ہے۔ تقرب ہے تو اسکو ہے نہ ہو کو۔ ہو کو اسے تقرب کا کام ہے نہ تقرب کی کیفیت سے۔
 سوال۔ اچھا معجزات۔

جواب۔ یہ قدرۃ کی بحث کا ضمیمہ ہے۔ بات ایک ہوتی ہے اور اس میں شلخ در شلخ بہت سی باتیں
 تخلیق چلی آتی ہیں۔ اسپر بھی ساری ہی قوتیں کا اجماع ہے۔ وہ کو نہ مذہبی گروہ ہے ذرا میرے سامنے تو آ
 جو معجزات اور خوارق عادات اور کرامات اور استعراج کا قائل نہیں۔ اور قائل بھی ایسے ایسے لوگ ہیں کہ
 ایسے متدبیر آدمی جھوٹ بولنے لگیں تو جانو کہ دنیا میں کہیں سچ کا نام نہیں خدا کی قدرۃ پر نظر کرو تو معجزات
 کچھ تعجب کی چیز نہیں۔ دنیا کا ہر واقعہ معجزہ ہے فرق اگر ہے تو یہ قدرۃ ہے کہ ایک چیز آئے دن واقعہ
 ہوتی رہتی ہے۔ ہم اس سے خوگر ہو گئے ہیں تعجب نہیں کرتے ایک چیز جو شاید معمولی چیزوں سے قطعاً
 کم بھی ہو شاذ و نادر واقعہ ہوتی ہے۔ ہم کو تعجب ہوتا ہے۔

ان فی خلق السموات والارض واختلاف الليل والنهار والفلک التي تجری فی البحر بما ینفع الناس وما انزل الله من السماء من ماء فاجابہ الارض بعد موتها وبث فیها من کل اثم وتصريف الرياح والسموات المسخر بین السماء والارض لا یتلفن لعلہ یعقلن یہ بھی ذرا خیال کرنے کی بات ہو کہ اگر کوئی واقعہ خلاف عادتہ واقع ہو تو گوہی کے سوا اسے اور کیا ثبوت دیا جاسکتا ہے اور گوہی کو لوگ صرف اس وجہ سے مستہم کریں کہ وہ خلاف عادتہ ہے تو یہ نسی زبردستی اور ہٹ دھرمی نہیں تو کیا ہے۔ علاوہ بریں میں تو معجزات کی کچھ سی بڑی وقعت بھی نہیں لگتا۔ وہ کوئی اور ہوں گے جنکو معجزات سے تسکین ہوتی ہوگی۔ ہکو تو تسکین ہوتی ہے پیغمبر کی تعلیم سے پیغمبر کے طرز زندگی سے۔

سوال۔ اب ملائکہ کا منصب۔

چواب۔ ملائکہ سے جو انکار کیا جاتا ہے تو صرف اتنی بات پر کہ دکھائی نہیں دیتے۔ سو خدا کرے کہ ابھی نہ دکھائی دیں تو ہم دن الملائکہ لا یشہدوا فیہم من اللججہ میں ویقولون حجرا حجرا مچھٹا تاویل یہ کرتے ہیں کہ ملائکہ سے مناسب مقام کا بیوں کی طرح کے قوی ہیکل لوگ یا اللہ کے نیک بندے یا انسان کی وہ روحانی قوتیں جو نیک کام کرنے کی داعی ہوتی ہیں مراد ہیں۔ لیکن ہم فرشتوں کو اسی طرح کا مخلوق مانیں جیسا کہ عام مسلمان مانتے ہیں تو میں نہیں سمجھتا کہ اس سے کیا قباحتہ لازم آجائے گی۔ یوں بھی خدا اپنے تصرفات دوسری چیزوں کے ذریعے سے نافذ کرتا ہے وہ ذریعہ مثلاً آگ پانی ہوا انہو کے فرشتے ہوئے سہی۔ اور فرشتوں کے نہ دیکھ سکے کی کیا شکایت کریں جب کہ اپنی ہی روح جنکو ساری عمر قبل میں بلا کیے پیدا کر کے دکھانے کی روادار نہیں۔ ملائکہ کے متعلق ایک قصہ قرآن میں ہے کہ خدا نے آدم کو پیدا کر کے زمین میں اسکو اپنا نائب بنانا چاہا تو فرشتے متعرض ہوئے۔ خدا نے آدم اور فرشتوں سب چیزوں کے نام پوچھے۔ آدم اس امتحان میں پاس ہوا اور کل فرشتے فیل رتبہ خدا نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کا ادب کرنا

ملک آسمان اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات دن کے رد بدل میں اور کشتی میں جو لوگوں کے کام کی چیزیں ہیں سکھار دیا ہیں چلی ہے اور زمین میں جسے اللہ نے آسمان سے برسا کر زمین کا افتادہ ہوئے پیچھے پھر علاء اعلیٰ اور ہر طرح کے چلتے پھرتے جانور یاں ہیں پھیلا دیئے اور ہواؤں کے الٹ پلٹ میں اور بادل میں جو آسمان اور زمین کے درمیان کھڑا رہتا ہے سمجھنے والوں کے لیے بہتیرا ہی قرآن کے نشان ہیں ۱۲

ملک جس دن فرشتے نظر آئیں گے گنہگاروں کے لیے کوئی خوشی ہوگی اور میں گے روکی جاوے کوئی اور ۱۱

صرف شیطان نے نافرمانی کی اور رائدہ گیا۔ یہاں فرشتوں سے نیکی کا رجحان اور شیطان سے بدی کا میلان مراد لیتے ہیں کہ خدایں اور فرشتوں میں بحث کا ہونا سخت نامعقول بات ہے۔ لیکن اگر خدایں اور فرشتوں میں بحث کا ہونا نامعقول بات ہے تو خدایں اور آدم کی نیکی کے رجحان اور بدی کے میلان میں بحث کا ہونا اس سے زیادہ تر نامعقول بات ہے اور یوں ہمیں اڑا دے پر آؤ تو ہر ایک بات کی ہنسی اڑائی جاسکتی ہے۔ دکان انسان اکثرتی جن کو لاکھوں روپے اڑا دے پر لے اختیار قرآن کی وہ آیت یاد آئی

افتنقول نفس یا حصر فی علی ما فرطت فی حبب اللہ وان کنت من الساکرین اسی طرح ایک مسلمان کی ایک تحریر نظر پڑی وہ عیسائیوں کی اس دعا کے ساتھ مشغول کرتا ہے جو گرجاؤں میں مانگی جاتی ہے کہ اے ہمارے آسمانی باپ تیرے نام کی تقدیس ہو تیری بادشاہت اے تیری مرضی جیسی آسمان میں ہے ویسی ہی زمین پر بھی ہو ہماری روزگاری روٹی آج ہمیں دے۔ اس پر وہ مسلمان صاحب فرماتے ہیں کہ پیٹ بھرنے کی دعا تو گہ جی ہر روز مانگتا ہے۔ یعنی یہ دعا خاکی تعلیم کی ہوتی نہیں معلوم ہوتی۔ یہاں تک کہ چنداں مضائقے کی بات نہیں کہ مسلمان توراہ و انجیل کو محرف سمجھیں۔ اتنی پرانی کتابوں کا ترجمہ درج ہو کر تبدیل سے محفوظ رہنا قرین قیاس نہیں۔ کچھ بھی کر ترجمے میں ہو ہو اصل کی شان تو باقی رہتی نہیں اور یہ آزمائی ہوتی بات ہے۔ اس پر وہ آفتیں جو یہودیوں اور عیسائیوں پر مخالف مذہب والوں کے ہاتھ سے نازل ہوتی رہیں۔ جلاوطن کر دیئے گئے ان کی کتابیں چھپ کر جلا دیں۔ اور اس زمانے کی کتابیں الپی تھیں ہی کتنی۔ پھر یہ مذہب میں ایسے بلفس بھی ہوتے رہے ہیں جو ضدیالالچ ہیں اگر اور نہیں تو معنوں ہی میں الٹ پھیر کرنے کو موجود ہو جاتے ہیں۔ لیکن بائیں ہمہ اسلام نے توراہ و انجیل کا برا ادب قائم رکھا ہے۔ پیغمبر صاحب ان ہی کتابوں سے استشاد کرتے تھے مصدقاً لہم معکم۔ انا انزلنا

القرآن منہما اھلکوا و فوسر وقضیما علی انارہم یحیی بن مریم مصدقاً لہما بین ید یہ من القول و حقوا لہ

الانجیل فیہ ہدًی و نور مصدقاً لہما بین ید یہ من القول و حقوا لہما بین ید یہ من القول و حقوا لہ

اور توراہ اور انجیل کے مضامین کی یہ شان نہیں ہوتی کہ ان کے کلام کی تائید کرے اور خدا کی تعلیم

تعلیم کی ہوئی دعا کو گدھے کے ریگنے سے بھی گئی گزری سمجھے۔ ہمارے خیال میں تو نہیں آتا کہ خدا کو رب العالمین کہنا اور اس سے روزی مانگنا دونوں میں کیا فرق ہو سکتا ہے۔ اگر لوگوں نے توراہ کو انجیل میں تحریف کی اور ہم کہتے ہیں کہ تو پیشین گوئیوں میں کی ہوگی احکام میں کی ہوگی دعاؤں میں تحریف کرنے کی ان کو کیا ضرورت پڑی تھی۔ اسی خیال سے میں نے تم کو مباحثے اور مناظرے کی سخت ممانعت کی کہ اب مباحثے اور مناظرے کا یہ رنگ لے گیا ہے اور یہ تو بڑا ہلکا رنگ ہے۔ لیکن کیا اسی طرز کے تم عیسائیوں کو مسلمان کرنا چاہتے ہو۔ یوں کہو کہ اس طرز کو دیکھ کر مسلمان بھی مسلمان رہتے ہیں نہیں سوال۔ اب ابنِ خزیمہ کو جانے دیجئے سن کر طبیعت کو بڑا بے ہوش ہوتا ہے وہی نیچریوں کے خیالات بیان کیجئے کہ شیطان کے بارے میں ان لوگوں کی کیا رائے ہے۔

جواب۔ فرشتوں کے ذکر میں سن نہیں چکے اب اُسکے دُہرانے کی کیا ضرورت ہے۔

سوال۔ ایک اعتراض تو نیچریوں کی طرف سے مجھ کو بھی کر لینے دیجئے۔

جواب۔ بسم اللہ۔

سوال۔ بھلا یہ تو فریسیہ کہ شیطان کو ہمارے پیچھے لگا دینا کہ ہر وقت ہماری اباہی ہلاکت کے درپے اور ہم اُسکو دیکھ بھی نہ سکیں آپ کو بھی خدا کی شان اور اُسکے انصاف کے بعید معلوم ہوتا ہے یا نہیں اس سے تو وہ بدی کا میلان ہی ٹھیک معلوم ہوتا ہے۔

جواب۔ اب تم لگے اسرارِ صلیح خلقِ عالم میں دخل دینے۔ اور یوں تو سب سے انسان کا پیداکرنا اور اُسکو مارنا ہی خدا کی شان اور اُسکے انصاف کے بعید معلوم ہوتا ہے۔ مگر یہ تو بتاؤ کہ شیطان کا پیداکرنا انصاف کے بعید ہے تو انسان میں بدی کا میلان پیدا کرنا کیوں انصاف کے بعید نہیں۔ دونوں کا نتیجہ ایک ہی۔ مگر ایک کتہ بتاتا ہوں کیا یاد کرو گے۔ بدی کو شیطان کی طرف منسوب کرنے میں ایک لطیف اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ گواہ آدم نے خدا کے حکم سے سترائی کی اور جن رخت کی سناہی تھی کھالیا اسپر بھی خدا نے اپنی مہربانی اُس پر سے کم نہیں کی کھایا آدم نے اور تھو پالیا شیطان کے سر۔ مجرم کو ردِ درود کر دینا کہ تیرا قصور ہے اور ایک آڑ کھڑا اسکو الزام دینا دونوں میں بڑا فرق ہے۔ شیطان کا پیداکرنا جبکہ ہم دیکھ

بھی نہیں سکے تھک رہتا اگر ہیکہ آگاہ نہ کر دیا گیا ہوتا اور یوں دنیا میں بہت سے انسان کی جان کے دشمن موجود ہیں وہ پانی میں ڈوب جاتا آگ اسکو جلاتی، بجلی گرتی سانپ کا تنا زہر سے مرنے اور پھرتے دشمنوں میں زندہ رہتا۔ اب کہیں سوالات کا سلسلہ ختم بھی کر دے گی تو اگتا گیا۔

سوال۔ بس اب ختم ہی سمجھئے دو چار باتیں اور رہ گئی ہیں۔ آپ کا جی تو بے شک اگتا گیا مگر میرے دل سے تو پوچھے کہ میرے حق میں آپ کا ایک ایک لفظ آبِ حیاہ کا سا کام دے رہا ہے۔ اب جنت اور دوزخ کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں۔

جواب۔ میں کیا فرماؤں گا۔ نہ اسکو دیکھا نہ اسکو۔ ہاں اس سے جہنم پر صاحبِ ستاد دوزخ کا تو دیکھنا تک بھی گوارا نہیں جنت کی تمنا ہے۔ سو وہاں جانے کی جو شرائط ہیں اور انہیں ہوتیں۔ غرض فی الی معلومات تو جنت اور دوزخ کی نہ ہے اور نہ اس زندگی میں ہو سکتی ہے۔ مرنے سے پہلے جو بات سوبات ہوگا یہاں ایک مسلمان کا لڑکا خدیش کا رہتا تھا۔ تھا کچھ احمق اور سخرہ سا تو بچے اسکو چھڑتے اور پوچھتے۔ کیوں رہتے فلاں تو بہشت میں جانا چاہتا ہے یا دوزخ میں۔ وہ کہتا میاں وہاں چل کر دیکھو لگا اور دھڑا دھڑا ہو رہوں گا۔ میرے کان میں اسکی بات پڑتی تو کہتا ایسی بے خبری ہے تو یہ اب بھی بہشت ہی میں ہے نیچری بیچارے تو جب مجبور ہوتے ہیں اور جواب بن نہیں آتا تو ناچار تاویل پر اتر پڑتے ہیں۔ اصل میں عیسائیوں کا ہے کہ مسلمانوں نے دنیا کے فزوں کو جمع کر کے ایک خیالی بہشت بنا رکھی جو خدا کے تقدس کے بالکل خلاف ہے۔ میں کہتا ہوں دنیا میں جو خدا نے یہ فرمے پیدا کیے ہیں۔ جتنا تقدس میں ابھی کو نسا فرق آگیا ہے کہ بہشت میں اسکے ہونے سے آجائے گا۔ عیسائیوں کی توبات بات میں رہبانیت ہے اور وہ نہ چلی ہے اور نہ چل سکتی ہے۔ اگر انسان کی ایک خدا بہشت کل پورا ہونا گناہ نہیں تو دوسری خدا بہشت کل پورا ہونا کیوں گناہ ہو۔ خواہش ہونے میں سب خواہشیں برابر ہیں۔ ہاں کیفیتیں مختلف ہوں۔ اگر وہ کھانا کھا سکتا ہے تو پانی کیوں نہ پئے۔ اگر کھانا کھا سکتا اور پانی پی سکتا تو سونے کو اسے کس نے منع کیا۔ من حرم منہ جنتہ اللہ الذی اخرج لعبادہ والطیبہا من الرزق دنیا کے کسی مرنے میں گناہ نہیں۔ گناہ ہے تو ان سے ناجائز طور پر فائدہ اٹھانے میں ہے۔ ان فزوں میں پھر خدا سے

غافل ہو جائے میں ہے اور خدا کی نافرمانی میں۔

سوال۔ اچھا پھر نیچری کیا کہتے ہیں۔

جواب۔ نیچری کہتے ہیں لوگوں کے سمجھانے کو عقل کے طور پر جنت کے فرے اور دوزخ کی تکلیفیں بیان کر دی ہیں۔ رخ و راحۃ آخرۃ میں بھی ہے مگر ہم اُس کی کیفیت کے سمجھنے کے لائق نہیں۔ ناکال جی ہر سامنے سے بناؤ تو اور گدی کے پیچھے ماتھ لیجا کر تاؤ تو۔ ہم تو چھوٹے ہی ہیں جواب دے کہ دوزخ ہو یا جنت یہ وہ چیزیں ہیں جن سے ہرے پیچھے واسطہ پڑے گا۔ دجی کے سولے ہمارے کوئی ذریعہ انکی حقیقت دریافت کرنے کا نہیں اور جو کچھ دجی میں ہے ہم اُس سے نہ ایک حرف کم کہہ سکتے ہیں اور نہ ایک حرف زیادہ اور نہ تاویل کرتے ہیں بلکہ سکوت اور زیادہ تفتیش کرنے کو اپنے حق میں بالکل غیر ضروری سمجھتے ہیں۔

سوال۔ اب تو صرف ایک آسمان رہ گیا ہے اور بس۔

جواب۔ اچھا تم نے میرے لفظوں کو یاد رکھا۔ اچھی ان پر کیا موقوف ہو ایسی بیسیوں باتیں ہیں جو اگر تمہاری نے نکال دیا۔ آسمان کا بھی قرآن میں بہت ہی جگہ مذکور ہے۔ اول تو زمین میں اس کے تصرفات جتنی ہیں آسمان سے پانی برستا آسمان سے روشنی آتی آسمان سے سینکڑیں پہنچتی آسمان کے تعلق سے ہمارے موسم ہلنے آسمان کے تعلق سے ہماری روزی پیدا ہوتی پھر آسمان میں آجرام فلکی ہیں اور ان کی حالتوں میں جو تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں ان سے بھی ہمارے کام نکلتے ہیں۔ ان کے علاوہ آسمان خدا کی قدرۃ کا بڑا عظیم الشان نمونہ ہے۔ یوں دیکھو تو ایک نیلا سا سرپوش زمین پر ڈھکا ہوا معلوم ہوتا ہے ایسا کہ دور تک کنکوا بڑھائیں تو شاید آسمان کو جا لگے۔ مگر جتنی دور آنکھ سے دکھائی دیتا ہے جتنی ہی دور بڑے سے بڑے پلے کی دور بین سے۔ غرض یوں دکھائی دیتا ہے تو کیا ہے اسکو بھی ایک اعتبار سے اُن ہی چیزوں میں سمجھو جو نظر نہیں آتیں جیسے فرشتے جنات بہشت دوزخ وغیرہ آدمیوں کو اختلاف کرنے کے لیے اتنا بس کرتا ہے۔ یہ حضرة عقل دوڑنے بدولت رہنے کے نہیں۔ جو جکی سمجھ میں آتا ہے کتنا ہے۔ اصل حقیقت خدا کو معلوم ہے۔ اپنی نارسائی کا تو حال

یہ ہے کہ اپنے ہی تئیں نہ جانا کہ کیا ہیں آسمان کے پیچھے کیا سر کھپائیں۔ مذہب کی رو سے جو تعلق ہم کو آسمان سے ہے وہ یہی ہے کہ ہم اس کو دیکھیں اور اپنی بے حقیقتی اور خدائی غلطی کے خیال کو ہمیں جائیں اور جو فکروں میں پڑے ہیں کہ وہ ہے بھی یا نہیں اور ہے تو کتنی دور ہے اور کا ہے کا بنا ہے دنیا کی بیانتہ ذہانت کی مدد کرے اور وہ اپنے جی میں خوش ہوں۔ مگر مذہب کو علاقہ نمبر ۲ کی باتوں سے کچھ برکار نہیں۔ خدا قرآن میں فرماتا ہے۔ وَلَقَدْ جَعَلْنَا السَّمَاءَ سَفْطًا مَّحْضُو ظُأْهِمْ عَنْ آيَاتِنَا مَعْصُومَاتٍ جِنِّ نَظَرٍ سے علم ہنایہ والے اجرام فلکی کے حالات کی ٹوہ میں لگے رہتے ہیں ہم تو ان کو اس آیت کے الزام سے بری سمجھتے ہیں۔ آسمان کے متعلق ان دنوں ایک نئی بحث چلی ہے کہ قرآن میں کئی جگہ اس کا ذکر ہے کہ خدا نے زمین و آسمان کو یعنی سارے جہان کو چھ دن میں بنایا۔ چھ دن نہ اس سے لگے کہ خدا اس سے کم میں بنا نہیں سکتا تھا۔ مگر اس نے کئی صلحت سے جو ہم پر منکشف نہیں چھ دن لگائے۔ کہتے ہیں کہ اس دیر کے لگانے سے ہم لوگوں کو دکھانا سکھانا منظور تھا کہ کوئی کام ہو اس سنگی کے ساتھ کرنا چاہیے۔ خیر تو یہ تھا اُن وقتوں کا ہے کہ آدم خالی کا وجود بھی نہ تھا۔ اور آدم کی نسل نے بھی پیدا ہوتے کے ساتھ ہی سب کمالات حاصل نہیں کر لیے تھے۔ ہزاروں برس کے تجربے کے بعد تو ہم اس دے کو پہنچے ہیں۔ سو جاننے والے اس کو بھی ترقی کی آج ہی بتاتے ہیں اور ہے بھی یوں ہی۔ آدمی نہ صرف آنے والے واقعات کے جاننے سے عاجز ہے بلکہ ایک مدہ کے بعد اس کو گزشتہ واقعات کا پتہ ملنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ مصر میں ہزار ہا برس پہلے کے عجیب مینار موجود ہیں۔ کچھ شک نہیں کہ آدمی کے بنائے ہوئے ہیں۔ ان میں کتبے لگے ہیں مگر کچھ تہ نہیں چلتا کس نے بنائے کب بنائے کس غرض سے بنائے۔ کتبے پڑھ نہیں جاتے وہ خط معدوم ہو گئے۔ ان کے لکھنے والے معدوم ہو گئے۔ پڑھنے سمجھنے والے معدوم ہو گئے۔ اور ایسی کتنی چیزیں دنیا میں ہیں۔ جب ایسی ایسی حکم یادگاروں کا یہ حال ہے تو آدمی کیا جان سکتا ہے اور کیونکر جان سکتا ہے ان وقتوں کی باتیں جو اس کی ماضی سے پہلے کی ہیں۔ کیفیت تو یہ ہے اور اسے زنی کی جاتی ہے اس میں کہ آسمان اور زمین کب بنے اور کیونکر بنے۔ اس کو جنون نہ کہیں تو کیا کہیں۔ افراط عقل بھی کیا بڑی چیز ہے۔

۱۔ ہم نے آسمان کو بنایا پخت ہے جو کون اعد لوگ ہماری قدرہ کی نشانیوں سے جو اس میں ہیں بے پروا ہیں ۱۲

انسان کو کیسے کیسے جھکا تی ہے۔ زمین آسمان کے پیدا ہونے کی سب سے پہلی تخریری یادداشت دنیا میں تورات ہے کہ اس کے پہلے باب میں اسی قسم کا بیان ہے۔ یاب لوگوں نے عقلی تکتے چلانے شروع کیے ہیں۔ ان ہم الا یضرمون انھوں نے دیکھے دنیا میں کس طرح کے تغیرات کہ جہاں پہاڑ ہیں وہاں کسی زمانے میں سمندر بہتا ہوگا۔ کیونکہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر پھیلیوں کی ہڈیاں پانی گتیں اور معلوم ہے کہ مارے سردی کے کوئی جاندار وہاں جا نہیں سکتا۔ علاوہ بریں ہڈیاں نکلیں پتھروں کی تلو میں دبی ہوئیں۔ پھر دیکھا کہ صحرا سے افریقہ کے رگستان کو کوہ داجا تا ہے تو بہت نیچے جا کر ایسے درخت دبے ہوئے نکلے جو سوائے سمندر کے دوسری جگہ پیدا ہو نہیں سکتے ان کو چلہ ہے شور پانی اس ثابت ہوا کہ یہاں پہلے سمندر ہوگا۔ پھر انھوں نے دیکھا کہ ہوا کے جھکولوں سے سمندر میں جھاگ اٹھتے ہیں اور جھاگ سورج کی گرمی پاکر کافی بن جاتے ہیں۔ کافی کی مٹی۔ مٹی کے کنکر۔ کنکر کے پتھر مگر تغیرات کتنے ہزاروں برسوں میں جا کر واقع ہوتے ہیں۔ تو انھوں نے قیاس و ذرا بیا کہ ہونہو یہ دنیا اسی قاعدے بنی ہوگی۔ ذرا ہونگی کہ وہ حیاں میں رکھنا۔ اب انھوں نے فرض کر لیا کہ زمین آسمان سے پہلے خلا تھی اور خلا میں ایک قسم کے نہایت چھوٹے چھوٹے ذرے تھے جیسے کوڑوں کی درز میں آفتاب کی شعاع سے نظر آ کر تے ہیں۔ ان ہی ذروں میں تغیر و انقلاب ہو ہوا کہ دنیا بن گئی۔ بس اب کیا تھا ابتداء آفرینش کا معما ایسا عمدہ طور پر حل ہو گیا کہ گویا آسمان در زمین انکے سامنے کے گود کھلائے پچے ہیں۔ اب اس خیال کا مقابلہ ہے تورات کی کتاب آفرینش سے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ دنیا کے بننے میں کچھ نہ لگے ہو گئے تو لاکھوں کروڑوں برس اور تورات بتاتی ہے پھر دن صرف چھ دن۔ اگر کوئی شخص ہر پہو اور خدا کو نہ مانتا ہو وہ ایسا خیال کرے تو عجب نہیں کہ دنیا اسی طرح قدیم سے چلی آئی ہے اور آپ سے آپ بن گئی ہو۔ لیکن بیچارے نیچریوں کی شکل ہے کہ ایک طرف تو قرآن ہے تورات کا ہم زبان اس کا مصدق اور دوسری طرف زمانہ حال کے محقق فلاسفہ کی رائے۔ نہ قرآن ہی کو غلط کہتے بن پڑتی ہے اور نہ فلسفیں ہی کو جھٹلاتا جاسکتا ہو اور یہ بھی نہیں دیکھا جاتا کہ دنیا کا آنا بڑا کارخانہ موجود ہو جاتے اور خدا الگ۔ ماتھے پر ماتھہ دھکر بیٹھا تماشا دیکھے آخر انھوں نے آپ آتش کے یک جا کرنے کی یہ تدبیر نکالی اور اس کے سوائے کھاتے بھی

کہ وہ چھوٹے چھوٹے ذرے خدا نے پیدا کیے اور ان ذروں کا اجتماع اس طرح ہوا کہ ایک اجتماع سے چھ بنے اور دوسرے ماحی ایک آفتاب دوسرے سے ہوا ایک زمین دوسرے سے پانی یہ رب خدا کا حکم سے ہوا مگر یہ وہی لاکھوں کروڑوں برس میں جیسا کہ فلاسفہ نے سمجھا۔ رہا قرآن وہ تو کچھ بات نہیں۔ اور آسمان کی پیدائش کے بارے میں یہودیوں کا ایسا ہی خیال تھا کہ خدا نے ان کو چھ دن میں بنایا ہے سو قرآن میں خدا کا یہ مقصود نہیں کہ پہلے زمین اور آسمان کو چھ دن میں بنایا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ زمین اور آسمان جیسا کہ چھ دن میں بن جانا تم کہتے ہو اسکے بنانے والے ہم خدا ہیں تو راہ جس میں پیدائش کا خاص پہلا باب قائم ہے ہم مسلمان اسکے ذمہ دار نہیں کہ جو کچھ اس میں لکھا ہے وہ وحی آسمانی ہے یا یہودیوں کے ڈھکے ہیں۔ تاویل کی تو سی مگر جس کی نظر قرآن پر ہے وہ کبھی اس بات کو تسلیم نہیں کرتا کہ قرآن میں کچھ نئی تعبیریں پر زور نہیں دیا گیا۔ بے شک کچھ آیتیں ایسی بھی ہیں جن کا مخاطب تکلف یہود کو بنایا جاسکتا ہے مگر ایسی بھی آیتیں ہیں جن کا سیاق و سباق پُر اظہار ہے کہ چھ دن پر زور ہے اور مخاطب بلا تخصیص یہود کل افراد بشر ہیں جیسے سورہ ق میں وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَالْمَاءَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَآمَنَ لِنُفُوسٍ - وما من آمن لنفوس کا اسکے سوا ہے اور کیا محمل ہو سکتا ہے کہ قائل کا مطلب چھ دن پر زور دینا ہے عرض اپنی اپنی سمجھ ہی تو ہے ہم کو تو اس تاویل کے تسلیم کرنے سے دنیا کا چھ دن میں پیدا ہونا مان لینا زیادہ آسان معلوم ہوتا ہے اور پھر جب خدا نے چھوٹے چھوٹے ذروں کو بنایا اسکے حکم سے ان کے اجتماعات ہوئے انماں لینے سے کیا قیاحۃ لازم آجائے گی کہ وہ اجتماعات چھ دن میں ہوئے اور آگے کو یہ قاعدہ ٹھیک رہے ہوں تو ہزاروں لاکھوں برس میں ہونے کے تھے خدا کی بڑی عظمت اور اس کی بے انتہا قدرت ظاہر ہوتی ہے کہ جو کام ہزاروں لاکھوں برس میں ہونے کے تھے اُس نے بے تھکان چھ دن کے تھوڑے عرصے میں کر دکھائے۔ آدمی جو اب ایک طور پر پیدا ہوتا ہے ضرور ہے کہ سب سے پہلا آدمی اور طور سے بنا ہو تو اب ایک طور پر دنیا کا چلنا اس کی ذیل نہیں ہو سکتا کہ یہی طور سدا سے چلا آیا ہے۔

اب تو تم نے یہ خبریوں کے اصول کو سمجھ لیا ہو گا۔ ان کا اصل مقصد یہ ہے قرآن اور زمانہ

حال کے فلسفہ کو ایک است کر دینا کہ دونوں میں کسی طرح کا تناقض اور خستلاف باقی نہ رہے۔
 نیت اچھی ہے اور بہت اچھی ہے ارادہ نیک ہے بہت نیک ہے مگر ویسا ہی کام بھی شکل ہے۔ اور کوئی سائنس
 سمجھتا ہو تو کر کے دکھائے۔ بے شک نیچریوں سے غلطیاں ہوتی ہیں اور مسلمانوں کا کون سا فرقہ
 ہے جو ان سے بدر غلطیاں نہیں کرتا۔ مگر سچ پوچھو تو نیچریوں کی غلطی سے مسلمانوں کو عاجلاً نقصان
 نہیں پہنچتا جب کہ دوسرے فرقوں کی غلطی سے مسلمانوں کی دنیا تباہ ہو رہی ہے اور دنیا کے
 ساتھ دین بھی۔

سوال۔ میں نے آپ کے عقائد کو خوب سمجھا اور اب میرے دل میں کسی طرح کا خدشہ باقی نہیں اور
 مجھ کو ایسی تسلی اور خوشی ہے جو ساری عمر کبھی نصیب نہیں ہوئی۔ اور مجھ کو امید ہے کہ اگر مرتے وقت بھی
 میرے ایسے ہی خیالات رہے تو میں بڑے طمینان سے مر ونگا۔ ان شاء اللہ میرا خاتمہ بخیر ہوگا
 اور آخر کار نجات۔

یوں صادقہ چاہتی تو لکھنے میں ایسی تیز دست تھے کہ اپنے اس خواب کو بہت سے بہت
 ایک ہفتے میں لکھ کر صادق کے حوالے کر دیتی۔ مگر اس طرح کے لمبے لمبے خواب جن میں نفلوں اور عجائبات
 کو دہرانا پڑتا تھا ان کے بیان کرنے میں اُس کے دماغ کو ایسا سخت فشار ہوتا تھا کہ وہ گھٹے گھٹے سو ا
 سے زیادہ اس تکلیف کی تحمل نہیں ہو سکتی تھی۔

اُس کو یا تو ایک بار اپنے ماموں کے ہتھان کے سوالات بتانے میں ایسی زحمت پیش آئی تھی
 مگر وہ بھی تھوڑی دیر کا کام تھا یا اب یہ ایک رسالے کا رسالہ اُس کو لکھنا پڑا۔ وہ تو صادق ہی سر کی کلتھا
 جس کی خاطر اُس نے یہ مخدہ گوارا کی۔ اور اُس کو تاؤ ملی اور ہر اس کو جلدی۔ اس پر بھی صادق نے ایک جلد خرچ
 ہوا تب کہیں جا کر پورا خواب قلمبند ہوا کہ تو ایسا ہی ہوتا تھا کہ صادق لکھتی جاتی تھی اور صادق لکھتا
 ہوا دیکھ رہا ہے اور کبھی کبھی صادق کہہ بھی پڑتی تھی کہ یہ تمہارے بچکنے سے مجھ پر بڑا بوجھ پڑتا ہے تو صادق
 خراکی ذرا بڑھے ہٹ جاتا۔ پھر کچھ دیر سے کچھ پاس کر دیکھنے لگتا۔ خوفزدہ اور صادق کے قلم سے نکلا
 اور اُدھر صادق نے پڑھنا پھر ایک دفعہ کتبہ پڑھنے سے اُس کو کیا سیر ہوئی۔ وہ بار بار پڑھتا اور

سو چار رہتا۔ خواب ختم ہونے کو آیا تو صادقہ کو اپنے خاص طرح کے حافظے کی وجہ سے یاد تھا اور صادقہ کو بار بار پڑھنے سے۔

صادقہ کا دیوان خانہ تو ایک ماقہ سے مذہبی اکھاڑا ہو رہا تھا اور ایسا کونسا دن تھا کہ دو ایک سے اس کی جھپٹ نہ ہوتی ہو۔ شروع شروع میں تو ہوتا تھا مناظرہ اور آخر میں ہوجاتی تھی عداوت۔ کتنے آئے اور روٹھ کر گھر بیٹھ بیٹھ رہے اور پھر کہیں رستے میں مٹھ بھیڑ ہو بھی گئی تو ایک نے ادھر کو مونہ پھیر لیا دوسرا کٹر کر نکل گیا۔ خواب کا مناظرہ بالکل اذہبی ڈھب کا تھا۔ اُس میں نہ لفظوں پر بحث تھی نہ دوسرے کو چھیڑنے اور چڑانے سے مطلب۔ نہ خواہ مخواہ کی ضد نہ سخن پروری۔ بلکہ جس طرح بجا طبیب اپنا حال بیان کرتا یا دوست دوست کو صلاح بتاتا اسی طرح نرمی سے آہستگی سے بات چیت ہو رہی تھی جیسے بھلے آدمی آپس میں ہنسنا بولا کرتے ہیں۔ ابتدا ہی سے صادقہ کی طبیعت گداز ہونے لگی یہ کسی کسی وقت بونگی بے تکی بھی کہہ بیٹھتا تھا مگر دھڑکتے جواب ملا ایسا معقول کہ اُسکو لٹ کر کچھ کہنے کا موقع ہی نہیں ملتا تھا۔ پس حقیقتہ میں اُسکو مناظرہ کہنا ہی ٹھیک نہیں۔ وہ تو خاصہ سبق تھا کہ صادقہ پڑھتا تھا اور وہ مرد بزرگ پڑھتے جاتے تھے بیچ بیچ میں اُسکو کہیں شبہ ہوا انھوں نے تسلی کر دی۔ صادقہ اُن سے کیا جھگڑ سکتا تھا انھوں نے جھگڑے کا ڈر باہمی پھونک دیا۔ صادقہ نے جتنا خواب پہلے دن لکھ کر دیا صادقہ کی آنکھیں تو اُسی سے کھل گئیں کہ ہاں مذہب کی تحقیقات اور اُس سے طینان حاصل کرنے کا یہ رستہ ہے۔ اس نے وہ لغو اور بیہودہ اور لالچ حاصل مباحثے جو آئے دن اسکے یہاں تھے ایک قلم موقوف کر دیئے۔ بلکہ لوگوں کو تعجب بھی ہوا۔ کوئی کہتا تھا جاب کے عاجز آگئے۔ کوئی سمجھتا تھا ان مدرسے والوں کی جمع پونجی ہی کیا خاص کر علیگڑھ کالج کے لڑکوں کی اور وہ بھی دنیات میں یہ بیچارے گنتی اور پہاڑوں کے سوا کیا جانیں۔ سنی سنائی چند باتیں معلوم تھیں سو ہوئیں اب کہیں تو کیا کہیں۔ ایک شخص جو صادقہ کے خانگی حالات سے بھی کس قدر واقف تھا خداجانے اسکو کیونکر معلوم ہو گیا کہ میاں بی بی دونوں کوئی مذہبی کتاب لکھ رہی ہیں اسکے فریضے سے سارے جلے ہیں اس بات کا چپ چل رہا ہو گیا۔ تو لوگوں نے تقاضا شروع کیا کہ صاحب کچھ لکھ رہے ہو تو میدان میں لاؤ یہ کیا

کو بی بی نے لکھا میاں نے داد دی میاں نے کہا بی بی تسلیم کر لیا۔ ان لوگوں میں ایک صاحب تو وہ تھے جنہوں نے مقلدوں غیر مقلدوں کی لڑائی میں یہ تجویز نکالی تھی کہ مسجدیں تقسیم ہو جائیں۔ مقلدوں کی الگ غیر مقلدوں کی الگ۔ ہر مسجد کے دروازے پر ٹکٹ لگا دیا جائے تاکہ کوئی ان جان دو سر فریق کی مسجد میں نہ گھس جائے۔ ایک حضرة وہ تھے جنہوں نے یہ فقے دیا تھا کہ غیر مقلد امام کے پیچھے مقلد مقتدیوں کی نماز نہیں ہوتی کیونکہ امام کی اطاعت مقتدیوں پر لازم ہے مقتدی تو سجدے سے اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور امام جلسہ استراحت میں ہے تو اطاعت کہاں ہے۔ ایک اس وجہ کے مخاطب تھے جنہوں نے برسوں سے بی بی کو اس تصور پر اس کے سیکے میں بٹھا رکھا تھا کہ وہ لوگ پھول والوں کی سیر میں شریک ہوتے ہیں۔ ایک تھے جو فچھوری کے عین دروازے کے سامنے پادریوں کے مقابلے میں لب شرک و خط فرماتے۔ سب میں نماز مغرب ہو رہی ہے اور ان کا وعظ جاری ہے کوئی جانا چاہتا تو اسکو روکتے کہ جماعت پر وعظ کو مضبوطی ہے۔ ایک رہتے تو شہر کے باہر ہاٹ گنج اور بالائے نام مغرب اور فجر کی نماز کچھ دلی مسجد میں پڑھتے کہ ہندوؤں کا محلہ ہے نماز میں کسی کے بولنے کی آواز بھی کان میں پڑ جائے تو ثواب جہاد و اتھ سے نہ ہانے دیں۔ ایک نے اپنی زندگی اسی میں وقف کر رکھی تھی کہ کچھ دلی پر موقوف نہیں کہیں بھی نہ رہی۔ تھوڑے دن پائیں بدلتے میں پیروی کرنے کو جاسود ہوں۔ ایک اس تدبیر میں لگے رہتے تھے کہ کوئی مندر نہ پہنچے پائے جسکی بغل میں مسجد بنو۔ ایک ستوباندھ کر نیچریوں کے پیچھے پڑے تھے اسپ تو کچھ لپاقت رکھتے نہ تھے مگر جو کچھ نیچریوں کی شان میں نہر یا نظم کسی اخبار یا رسالے میں کچھ یکن پایا اسکو چھوڑا نہیں۔ چنانچہ ان کے پاس رو نیچری کا خاصہ ایک کتاب خانہ جمع ہو گیا تھا اور اسپر انکو بڑا فخر تھا اور فخر کی بات ہی ہے۔ عرض سب کی عرض شریک تھی کہ نہ آپ چین سے رہتے اور نہ دوسرے کو چین سے رہتے دیکھئے۔ یہ لوگ تقاضا نہ بھی کرتے تاہم صادق سے خواب کا ضبط ہونا مشکل تھا لوگوں کے تقاضے نے تو خواب کا پورا لکھا جانا بھی دشوار کر دیا۔ شاید ابھی آدھا بھی نہ لکھا جا چکا ہوگا کہ صادق نے جلسے میں سنانا شروع کر دیا۔ اگرچہ ایک ایک ایسے جھگڑا لگے کہ کسی طرح ملتے ہی نہ تھے مگر حکم تو صداقت اور جلال کی تاثیر کا اسی دن سے یقین آیا کہ صادق پڑھتا جاتا تھا اور یہ سب کے سب نہ خود بیٹھے

سننے تھے کسی نے کان تک بھی تو نہیں بلایا۔ ان کی عمر میں یہ پہلی ہی دفعہ تھی کہ ان کو اس طرح کی دینداری اور نصیحت کی باتوں کے سننے کا اتفاق ہوا۔ اب لوگوں کو خیال آیا کہ اصل میں دینداری کیا چیز ہے؟ کیا اور ہم کر رہے ہیں کیا۔ اس سے پہلے یہ لوگ مسلمان تھے اس لیے کہ مسلمانوں کے گھر یہاں ہونے تھے مسلمان کہلاتے تھے۔ اب نئے سر سے مسلمان ہونے اس لیے کہ اسلام کی حقیقت کو سمجھا اسکی غرض غایتہ کو سمجھا اسکی صداقتہ کو سمجھا۔ کوئی ایسا ہی سنگدل ہوگا جو خواب کو سن کر رونے لگا ہو۔ ایک دفعہ تو سب کے دل ٹیٹھ سے گئے۔ پھر جو ایمان سے تسلی ہوئی تو سب نے اپنی اپنی اصلاح پر کمر بستہ چٹ کر لی۔ یا تو جو وقت مباحثہ ہوتا تھا سارے محلے کو سر پر اٹھا لیتے تھے یا اب غل غپاٹے کی جگہ ہوا سکون اور سکوت تو اہل محلہ کو امن ملا۔ اور خواب کی برکتوں کی بسم اللہ ہوئی۔ وہ صاحب جنوں نے مسجدوں کی تقسیم تجویز کی تھی اور اپنے محلے کی مسجد کے دروازے پر لکھوا بھی دیا تھا کہ غیر مقتدر نہ آنے پائے سب سے پہلے تو انھوں ہی نے اس تحریر کو چھیلا اور کھڑا جا۔ اور جن کو غیر مقتدر امام کے اقتدار سے انکار تھا وہ شیخ الحدیثین کی مسجد میں جا کر پانچوں وقت جامعہ سے نماز پڑھنے لگے۔ اور جنھوں نے بی بی کو بٹھا رکھا تھا وہ لی لے جا کر گھر والی کو سوار کرالائے۔ وعظ صاحب نے وعظ تو بند نہیں کیا مگر کوئی نماز کے لیے جانا چاہے تو اسکو روکتے نہ کہتے بھی نہیں۔ پہاڑ گنجی پہلوان مدتوں سے دکھائی نہیں دئے۔ نماز تو کیا چھوڑی ہوگی ہونہ ہوا اپنے محلے کی مسجد کا حق سمجھنے لگے۔ مقدمہ باز صاحب عدہ کرتے ہیں کہ جو مقتدا دائر میں ان سے دست بردار ہوتا تو بڑی شکی کی بات ہو مگر آئندہ کوئی نیا مقدمہ نہیں لو لگا۔ جو اس کے درپے تھے کہ ہر منہ رکے پہلو میں مسجد ہوا ب کہنے لگے ہیں کہ مندروں کو ڈھاپو جا کو روک ہم نہیں تھے خواہ سخاوت ان کی بغل میں گھس کر اپنی عبادت میں بھی کیوں خلل ڈالا۔ روینچری کا کتاب خانہ ہے تو بدستور مگر نئے اخباروں اور رسالوں کی آنا بند اور نہ لوگوں کا اگلا سا جھگڑا۔ اور جب لوگوں نے سمجھ لیا کہ انکا ضرر ہی اور مقدمہ فرض کیا ہے تو ان کو ایسی کیا پٹری پڑی تھی کہ دوسروں کے حالات سے تعرض کرتے پھر میں۔ یوں اس اور صلح کاری نے رفتہ رفتہ ایک سے دوسرے میں اور دوسرے سے تیسرے میں اپنی تاثیر نیک کرنی شروع کر دی۔ لیکن ابھی دن ہی کٹے ہوئے ہیں تاہم جن تیرہ باروں اور تقریبوں میں اوبہ اگر فساد

ہوتے تھے ایسے چپ چاپ گزرتے ہیں۔ کہ کسی کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ اور خدا کو منظور ہے تو وہ دن بھی آیا سمجھو کہ ان تمام مذہبی مخالفوں کا ایک افسانہ رہ جائے گا اور آنے والی نسلیں ان باتوں کو سن سن کر ہنسا کریں گی کہ ہمارے بزرگ بھی کس قماش کے لوگ تھے جو اختلاف رائے پر لڑتے تھے۔ سائے ہی اور سدا کو ہے گا اور اختلاف بھی سائے ہے اور سدا کو ہے گا۔ مگر مذہب میں جو ایک طرح کی کڑواہٹ ہو دیر ہو تو ہو یہی تعلیم اور آزادی خیر کا سر اسکو کھڑ کرے گی۔ لوگوں کو عقیدے جدا جدا ہوں گے مگر ایک جگہ کھائیں گے ایک جگہ پیئیں گے ایک جگہ اٹھیں بیٹھیں گے ایک جگہ ہیں سہیجے۔ ایک طرح کا لباس ہوگا ایک طرح کا مذاق آپس میں دوستی اور اتحاد رکھیں گے اس وقت جانتا کہ آفتاب سلام طلوع کر لے کو ہے۔ اور ابھی تو آدھی رات ہے یا شاید کچھ ڈھلی ہو تو ڈھلی ہو۔ وہ جو کہتے ہیں اچھے نے کٹورا پایا پانی بی پی پیٹ پھلایا صادق کا تو کچھ اس طرح کا ساحل ہو گیا تھا۔ وہ اسکو خواب تھوڑا ہی سمجھتا تھا۔ بلکہ وحی یا الہام۔ وہ سائے سائے دن خواب پڑھ پڑھ کر لوگوں کو سناتا اور ذرا نہ اکتاتا۔ جو شخص غیروں کے سر ہو ہو کر سنائے وہ اپنے کالج کے دوستوں کو کیوں بھونگتا تھا۔ اُس نے خواب کی ایک بڑی عمدہ خوشخط نقل طیار کی اور اُسی خاص کمیٹی میں جسکی سکرٹری تھا اور جس کا مذکور شروع کتاب میں آچکا ہے اسکو اس تمہیں سے پیش کیا۔

دوستو عزیز پرو ارشد کم اللہ تعالیٰ۔ آپ صاحبوں نے شروع سے اس کمیٹی

اس معزز کمیٹی کے سکرٹری ہونے کی غزوة مجاہدے رکھی ہے جس کی میں بے انتہا قدر کرتا ہوں اور میں نے اگر سکرٹری ہونے کے فرض کو جیسا چاہیے ادا نہیں کیا (سب طرف سے آواز آتی نہیں ایسا نہیں) تو اس کی آواز جو کچھ وجہ ہو مگر میں آپ سب صاحبوں کو یقین دلاتا ہوں کہ اس کی وجہ یہ گزرتا نہیں ہے کہ مجھ کو اس کمیٹی کے اغراض سے پوری دلچسپی نہیں یا میری توجہ اس کمیٹی کی طرف سے کچھ کم ہو گئی ہے۔ آپ اس بات کو باور کیجئے گا کہ جس شوق سے میں نے اس کمیٹی کے منعقد ہونے کی تحریک کی تھی وہ شوق اگر زیادہ نہیں ہوا تو گھٹا بھی نہیں (بے شک بے شک) میں نے شروع شروع میں نکل کے خلاف اپنی رائے کے ظاہر کرنے پر جرات کی تھی۔ لیکن میں کھلے دل سے اقرار

کہتا ہوں کہ جن صاحبوں نے میری اس رائے سے مخالفت کی ان کی دلائل نہایت قوی تھیں۔ اور ان دلائل کے سننے کے بعد ایک منٹ کے لیے بھی اس رائے کو اپنے سر میں نہیں رہنے دیا۔ میری نظر میں صرف رائے کی کچھ بھی وقعت نہیں جب تک کہ صاحب رائے خود اس پر عمل کر کے دوسروں کے لیے نظیر نہ بنے رکھا اپنے وہ اعتراضات نہیں سنے ہوں گے ضرور سنے ہوں گے۔ جو ایک ٹھنڈا ہندو رنار میں چاروں طرف سے کیے جا رہے تھے کہ وہ چھوٹی عمر کی شادی کے سخت مخالف تھے اور بوجہ مخالفت تھے مگر انھوں نے اپنی اکلوتی بیٹی کو جسکو بڑی عمدگی اور حجاب کے ساتھ تعلیم دی جا رہی تھی بالکل چھوٹی سی عمر میں بیاہ دیا اور وہ بیاہ اسکی تعلیم کی گاڑی میں ایک روڑا تھا جسکو وہ ہٹانہ سکے۔ مجھ کو اس کا تو خیال بھی نہیں آیا کہ اگر شادی نہ کروں گا تو لوگ مجھ پرست ہوں گے کیونکہ میری معرفت کا دائرہ بہت ہی محدود ہے۔ نہ تو مجھ میں رنار مرنے کی صلاحیت ہے اور خدا کا شکر ہے کہ اسنے مجھ کو شہرہ کی آفتوں سے بھی بچایا ہے تو اگر مجھ پرست اصرار کرتے بھی تو شاید اتنے کڑن کو میں ایک ٹھنڈی آنکھوں پر گرنے لکھتا لیکن میں نے دنیا کے حال پر نظر کی اور دیکھا کہ خدائی یہی مرضی ہے کہ ایک وقت پر دنیا چلے تو اس سے اعراض کرنا قانونی فطرت کو توڑنا ہے اور تمام قوانین میں قانون فطرہ ہی ایسا زبردست قانون ہے جس کا توڑنے والا سزا سے محفوظ رہ نہیں سکتا۔ اور اس سزا سے اس قانون کے سب سے بڑھ کر بچنے اور سمجھنے والے نے یعنی ہمارے پیغمبر صاحب نے صلوات اللہ علیہ وسلم کی آلہ واصحابہ اجمعین فرما دیا النکاح سننے فہن عن عین سنتی فلیس فیہ میں نے نہ صرف نکاح کی ضرورت کو سمجھا بلکہ اسکی ذمہ داریوں کو بھی۔ اور جب میں نے نکاح کا قصد کیا ہے تو آپ کی اسی کمیٹی کے طفیل سے اس تعلق کے اطراف وجوہات اور نتائج اور عواقب اس قار و واقف ہو چکا تھا کہ اتنی وقفیت کے بدوین نکاح کا قصد کرنا سیر نزدیک دخل حق ہے۔ بیشعور عموماً انسان کی او خصوصاً اپنی رغبتوں کو جانچا اور ان انقلابات کو بھی پیش نظر رکھا جو قیئناً یا غالباً میری حالت میں واقع ہونے والے ہیں مثلاً میں یقیناً جانتا ہوں کہ اگر اوقات ناگمانی سے محفوظ رہا تو میری توانائی ایک حد پہنچ کر ٹھیکے گی اور پھر گھٹنی شروع ہوگی۔ میں نے اس غرض سے انگریزی پڑھی ہے کہ مجھ کو آسودگی ہو اور میں اس کالج کا خاں اس کو ابد الابد تک قائم

رکھے نہایت ممنون اور شکر گزار ہوں کہ میں معاش کی طرف سے بالکل مطمئن ہوں اول تو آپ صاحبوں کے
 معلوم ہے کہ کتنی دفعہ مجھ کو معقول نوکریاں ملتی رہیں اور میں نے ان کو قبول نہیں کیا۔ میں معاش سے
 آزادی کی بہت زیادہ قدر کرتا ہوں۔ اسی لیے میں نے قانون اور نجیبی دو چیزیں اختیار کی ہیں۔
 دیر سے میں سید کرتا ہوں کہ نوکری پیشہ لوگوں سے زیادہ خوش حال رہوں گا۔ ایک چیز اور بھی ہے
 زبان انگریزی۔ سو میں اپنے مضامین یا یونیورسٹی اور ایس ایس سیل و بی بی ٹی ٹی وی ہندوستان
 تمام نامی انگریزی اخباروں میں بھیج کر دیکھ چکا ہوں سب سے میری تحریر کو پسند کیا ہے۔ جو شخص اتنے
 وسائل رکھتا ہو اسکو معاش کی طرف سے بے طینتانی کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ میری خاص حالت ایسی تھی
 کہ بزرگوں کا پس خوردہ بھی میرے لیے کافی ہوتا مگر وہ روح جو اس کا کج کی تعلیم نے میرے دل میں پھونکی
 ہے کسی طرح جاز نہیں رکھتی کہ میں دوسروں کا بار خاطر ہو کر رہوں۔ خدا کا شکر ہے کہ میں اندھا لنگڑا
 لولا اپنا بچ نہیں ہوں۔ اور جن چیزوں سے لوگوں نے عزتیں پیدا کیں دوستیں کھائیں وہ سب مان
 میرے لیے بھی جیسا ہے اگر میں اُس سے کام لے لیا چاہوں اور میں نے یہاں اور لوں گا۔ سخت
 دین مہنتی کی بات ہوگی۔ کہ میں دوسروں کا سہارا پکڑوں۔

حقن پیائے مردیے ہمایہ و بہشت

حقاکہ باعقوبہ و درونج برابرست

اسی خیال سے میں نے سخن دجا اور ہم رچا لکھنا شروع کر دیا کہ اسکی مہر کنہہ کرار بھی ہو جسکو آپ
 صاحبوں نے کبھی کبھی میرے خطوط اور لفاظیوں پر ثبت کیا ہوا دیکھا ہو گا۔ بہر کیف نسل سے پہلے میں نے جہاں
 پیشہ بینیاں کیں ایک یہ بھی تھی کہ مجھ کو زیادہ خرچ درکار ہو گا تو میں نے دیکھا کہ میں اسکے لیے پورا پورا
 طیار ہوں۔ جس بات میں مجھ کو زیادہ غور کرنا پڑا وہ یہ تھی کہ میں نے اُن ذمہ داریوں پر نظر کی جو مجھے عائد ہوگی
 اسکے لیے میں نے اپنے ملک اور اپنی قوم کی خانہ داریوں کی طرف توجہ کی تو اُن کو ناگفتہ بہ حالت میں پایا
 کہ مردوں کے عورتوں کے حقوق پامال کر دیئے ہیں اور یوں کوئی عورت شوہر پر غالب آگئی ہے تو وہ اتفاقی صورت
 ہے عام دستور مطابق عورت مرد کے مقابلے میں ہوں بھی تو نہیں کر سکتی حال آنکہ اسلام نے مرد اور
 عورت دونوں کے حقوق کو الیٰی علیٰ کی کے ساتھ متوازن کر دیا تھا کہ اگر اُس قاعدے پر عمل ہوا ہوتا تو ہمارے قوم

کی ہرگز یہ روی حالت نہ ہوتی۔ وہ قاعدہ کیا تھا۔ وہی مثل الذی علیہ بنی المعرفۃ واللہ اعلم بالصواب۔ اور ا
لفظ درجۃ کے اطلاق پر نظر کرتے کہ وہ مردوں کی مطلق فضیلت ظاہر کرتا ہے اور بس۔ میں نے خیال کیا کہ وہ
فضیلت اسی کی ہے کہ مرد کو مائتا اور ربوبیت کہلاتا ہے لیکن اگر غور سے دیکھو تو ایک طرح پر اسی حیثیت میں
وہ اہل و عیال کا خادم ہے عجیب انتظام ہے کہ دنیا میں ہر ایک شخص محتاج اور محتاج الیہ اور خادم و مخدوم
دونوں ہے۔ پس مرد اور عورت میں فرق ہے تو دائیں بائیں آنکھ یا دائیں بائیں ہاتھ کا سا لیکن ہر طرف
تعمد نے اس فرق کو حد سے زیادہ بڑھا رکھا ہے اور جو مسافہ مرد اور عورت دونوں کی حالتوں میں واقع ہو
اُسکے کم کرنے کو بڑی تدبیریں چاہئیں۔ وہ بھی اس صورت میں کہ ابھی سے عورتوں کی اصلاح حالت کی تدبیر سچا
سوا سکل تو ابھی ہم لوگوں میں مذکور بھی نہیں۔ ربوبیت کے اعتبار سے مرد کا نہ صرف یہ فرض ہو کہ ذلیل و
عیال کے لیے معاش پیدا کرے کہ یہ تو ہر کس ناکس کرتا ہے اور شاید تقاضاے طبیعت بھی ہے بلکہ ایک مہذب
خانہ دار کا یہ بھی فرض ہو کہ وہ بی بی کے ساتھ محبت اور خاطر داری اور دلجوئی سے پیش آئے ہمیشہ اُسکی ہمدردی
کرتا رہے اور جیسا اسکو اپنی امانت دار سمجھتا ہے آپ بھی اُس کی امانت میں خیانت نہ کرے۔ یہی وہ فرائض ہیں
جن کی تعمیل میں کثرت کوتاہی ہوتی اور یہی کوتاہی اکثر خانہ داریوں کو بدفرہ رکھتی ہے۔ مجھ کو اچھی طرح یقین ہو گیا
تھا کہ خانہ داری سے بہتر کوئی چیز انسان کو ادب نہیں سکھاسکتی۔ خانہ داری اسکے حق میں بنسری کا کام دیتی
کہ اسکے ساگر بل نکھاتے ہیں۔ پہلے شوہر اور پھر باپ بننا ایسے بوجھ نہیں ہیں کہ انکے تلے اگر آدمی اچھل کود
کرے بشرطیکہ آدمی آدمی ہو اور اگر ظاہر کا آدمی اور باطن کا جانور ہے تو اس سے کچھ بحث نہیں۔ میں نے
تو اپنے اصل یہ ٹھہرا رکھے ہیں کہ کوئی شخص کتنے ہی سڑھٹ دکھائے مجھ کو اُسکی نیک چلنی کی طرف سے
ایسا اطمینان نہیں ہوا جیسا صرف ایک اتنی سی بات سے کہ وہ خانہ دار ہے۔ کاہلی کے دور کرنے کو خانہ دار
جیسا کوئی کاری نازیبا نہ نہیں۔ وہ حکایت آپ نے نہیں سنی کہ ایک شخص نے پنہا صاحب سنگ ستی کا
شکا تہ کی اور وہ تھا مجھ کو نہ آگے گاڑی نہ پیچھے بچھاڑی۔ فرمایا نکل کر دیکھا اور تنگ ستی زیادہ ہوتی پھر
شکا تہ کی اور پھر ارشاد ہوا اور نکل کر دیکھا۔ آخر خدا نے کشائش دی۔ بات کیا تھی کہ وہ شخص بے فکری کی وجہ
سے کاہل ہو گیا تھا۔ دو بھڑیں لپٹ پڑیں تو لگانا چاہا ناچا پھرنے۔ پھر تو وہ شخص جبکہ پیٹھ کر اٹھنا مشکل تھا

دل سے مخمٹ کرنے پر آمادہ ہوا اور خدا نے اسکو ایسی توانائی دی کہ مگر کی جوتی کے بغلی اور رومالی ہاتھ
خاصی طرح صفائی سے ہلانے لگا۔ غرض میں نے دوسروں کی طرح بے سوچے سمجھے اداے رسم کے طور
پر اس تعلق کا ارادہ نہیں کیا اور نہ کوئی خواہش نفسانی اسکی متقاضی ہوئی کہ جلدی کرتا۔ مجھ کو اس تعلق سے
انتخاب کے کرنے میں بڑی مشکلیں پیش آئیں۔ میں نے اپنی آزادی کو اس معاملے میں بھی ہاتھ نہ نہیں
جانے دیا۔ یہ سب اختیار کی بات تھی اور یہ سب ہی اختیار سے ہونی بھی چاہیے تھی۔ لیکن رسم و رواج نے
اس اختیار کو حقارت سے چھین کر دوسروں کو دے رکھا ہے۔ ایسی کارروائی کے نتیجے کبھی تباہ سے خالی
ہو نہیں سکتے کہ ذمہ داری کسی کی اور اختیار کسی کا۔ چنانچہ میں نے اپنے اختیار کو آپ نافذ کرنا چاہا مگر لوگ
لوگوں نے جو اس پر غصہ قبضہ کیے ہوئے تھے برابر ہی مانا ہو۔ کہنے اور کرنے میں بڑا فرق ہے اور اسکی کج
مجھ کو پہلے پہل اسی معاملے میں ہوا۔ میرا ہی دل جانتا ہے کہ میں نے کس شکل سے اپنے اختیار کو سنبھالا
بے شک مجھ کو کئی طرح کی تکلیفیں پہنچیں اور سب میں زیادہ ایذا دہ تھی ناحق کی بدگمانی۔ مگر جیسی بدگمانی کی
تکلیف تھی ویسی ہی اس بات کی خوشی بھی تھی کہ میں دوسروں کے لینے ایک نمونہ قائم کرتا ہوں اس اصلاح کا
جس کی ہماری سوسائٹی کو سخت ضرورت ہے۔ اگرچہ یہ نہیں کہ میرا یہ واقعہ اور بے حقیقت نمونہ کوئی بڑی
تحریک پیدا کرے گا۔ مگر تمام اصلاحوں کا یہی حال ہے کہ شروع میں ضعیف ہوتی اور تدریج قوت پکڑتی جاتی ہیں
دوسری شکل اور میں کہوں گا کہ سخت تر شکل انتخاب کی تھی۔ ہمارا طرز تمدن ہمارے انتخاب کی اجازت دے نہیں سکتا
اسکو چاہیے معاشرہ اور اختلاط اور وہ ممکن نہیں ہیں تو ایسا بے دل ہو چلا تھا کہ کئی بار میں نے آزادی سے
دست برداری کرنی چاہی کہ بلا سے دوسروں پر بوجھ تو رہے گا۔ ان کو مواقع بھی مل سکتے ہیں گو میرا رجحان
پورا پورا معلوم نہ ہو مگر عام طور کار حجاب تو سبھی کو معلوم ہے۔ اور جو لوگ میری طرف سے اور میرے لئے انتخاب
کریں گے وہ یقیناً میرے خیر خواہ بھی ہیں۔ قریب تھا کہ میں بھی عام دستور کی ٹانگ کے تلے سے ہو کر نکلوں
کہ میری خوش قسمتی نے مجھ کو ایک موقع دیا اور میں نے اپنے اختیار اور انتخاب دونوں کو اچھی طرح عمل میں لاسکا۔ مجھ کو
ایک دوست ایک شریف زادی کے ایسے تفصیلی حالات سننے کا اتفاق ہوا کہ وہ سننا معاشرہ اور اختلاط
سے قریب قریب تھا۔ میں ایک دن مشغل فلسفی (فلسفہ عقلی) کی ایک کتاب میٹھا دیکھ رہا تھا کہ دلی کے سچے

ایک آشنائیکے گھر میں تشریف لائے اور پوچھا کہ ایسی توجہ سے کیا پڑھ رہے ہو۔ میں تمنا کا نام بتایا
 انھوں نے پوچھا کس فن میں ہے میں نے کہا فلسفہ عقلی۔ انھوں نے زیادہ تصریح چاہی تو میں خواب کا بیان پڑھ رہا
 تھا۔ اُس میں سے اُن کو کچھ سنایا۔ اُس پر انھوں نے کہا کہ ہمارے محلے میں ایک میر خسرو صاحب ہیں۔ بڑے
 شریف اور معاش کی طرف سے بھی آسودہ۔ اُن کی ایک لڑکی ہے خدانے اُس کی عجیب طرح کا دلغ بنایا ہے
 کثر سے خواب بکھتی ہے اور اُس کا خواب کبھی غلط نہیں ہوتا اور تعبیر بھی ایسی دیتی ہے کہ اُس کے خلاف
 کبھی ہوا ہی نہیں۔ سارا شہر اُس کا معتقد ہے۔ میری والدہ کا تو یہ حال ہے کہ ابابا جان کے یا بڑے بھائی
 یا کسی کے خط کو ایک دن کی بھی دیر ہو جاتی ہے تو میر خسرو کے گھر دوڑی جاتی ہیں اور خدا کی قدرت جب کبھی
 کسی بات کے پوچھے کو گئی ہیں ہمیشہ جواب باصواب لگے کرتی ہیں۔ حُسن کی یافتہ کی پاکدامنی کی ہنر اور سیتے
 کی نیک بختی کی دھاک ہو مگر باوجودِ کہ میں بائیس برس کی ہو گئی ہے اور دو چھوٹی بہنیں یا بھی جا کر چچا
 کی مائیں ہیں۔ اس بچاری سے کوئی بیاہ نہیں کرتا کہ ایسا نہ ہوا سکے سر پر کچھ ہو۔ حالانکہ خواب کے سوا کچھ
 بھی تو نہیں نا حق کا وہم ہی وہم ہے۔ کہتے ہیں کہ وہ بڑی بزرگ عورت ہو۔ عابدہ پر پیڑ کا قرآن خواں تھلا
 آپ سمجھ سکتے ہیں کہ جس تقریب سے اس وقت سے تذکرہ کیا اس میں تصنع یا مبالغے یا طرفداری کو دخل نہیں
 پس مجھ کو ان کا کتنا تھم کر لکھ رہی ہو گی۔ اجنبی بن کر میں نے دو چار باتیں ان سے اور بھی پوچھیں۔ اُدھر وہ اُنکے
 گئے ادھر میں نے بسم اللہ کر کے میر خسرو صاحب کو ایک بڑا لمبا خط لکھا۔ اُس کی نقل بھی میرے پاس محفوظ
 اور کبھی موقع ہوا تو وہ خط بھی میں آپ صاحبوں کو سناؤ گا۔ اگرچہ ہم لوگوں میں عورتوں کا تذکرہ کرنا آداب مجلس کے
 خلاف ہے مگر ایک تو کیٹی خاص طرح کی ہے ممکن نہیں کہ نخل پر بحث ہو اور عورتوں کا تذکرہ نہ کیا جاوے۔
 درحالیکہ ہم بزرگانِ دین سکتے کہ پیغمبر صاحب کی ازواجِ طاہرات اور صاحبزادیوں کے بے تکلف نام لیتے۔ اِس
 ان کے کل حالات بیان کرتے تو ہماری عورتیں کیا حقیقتہ میں کہ ان کا نام لیں ان کے حالات کا بیان کرنا
 سو جب بے عزتی سمجھا جائے۔ پس اسی ایک بات سے قیاس کر لینا چاہیے کہ ہنسنے اپنی عورتوں کے ساتھ
 کیا سلوک کیا اور آئندہ کیا کرنے والے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ اسلام نے عورتوں کو پردے کا حکم دیا ہے اور
 چند در چند مصلحتیں ہیں مگر یہ دیکھنا ہے کہ جن لوگوں کے گھر سے پردہ نکلا وہ خود کس طرح کا پردہ کرتے

عورتیں لڑائیوں میں ساتھ ہوتیاں تھیں نہ اس لیے کہ خیموں میں ٹیچی پانوں کی گاڑیاں بنائیں کر رکھیں بلکہ اس لیے کہ سپاہیوں کی خدمت بجالائیں نہ خیموں کی مرہم پٹی کریں۔ پانی پلائیں رستیاں بٹیں یا اسی قسم کے اور کام جو عورتوں کے ہوتے کے تھے عورتوں کو نماز میں شریک ہونے کی اجازت تھی عورتیں نامحرم مردوں سے باتیں کر سکتیاں تھیں۔ چنانچہ اس وقت تک وہ خطبے لکھے ہوئے موجود ہیں جو عورتوں نے مردوں کی جماعت کو مخاطب کر کے بیان کیے بغرض پردہ تھا اور پردے کے ساتھ آزادی بھی تھی کہ فتنے کا بھی انداد ہو اور دنیا کے کاروبار میں بھی خلل نہ پڑے۔ ہم نے پردے میں اتنا تشدد کر دیا کہ عورتوں کا نام تک بان پرانا موجب بھرتی ہے مگر یہ ادعائی حرمہ دنیا کی فلاح دنیا کی ترقی کے ساتھ تو جمع نہیں ہو سکتی۔ خیالات تو یہ ہیں اور اس پر بڑبڑانا ہے کہ اہل یورپ نے ہماری سلطنت چھین لی۔ اہل یورپ ہیکو پیٹ بھرانہیں دیکھ سکتے۔ اہل یورپ ہماری ملکی دولت گھسیٹے لیے چلے جاتے ہیں۔

اسلام حقیقت میں ہمارے حق میں میگنا چارٹا (فرمان آزادی) کا حکم رکھتا تھا اور کل دنیاوی ترقیوں کے دروازے ہمارے لیے مفتوح تھے مگر ہم کجختوں نے اس سے فائدہ نہ اٹھا جانا۔ آپ اپنے اوپر قیدیں لگاتے گئے اور تھان پر بندھے بندھے پانچوں عیب شرعی نکل آئے۔ غیر مسلمانوں کی قسمہ کارونا تو ہمارے اس کالج میں ہوتا ہی رہتا ہے لوگ اسکو کہتے ہیں کالج اور میں کہتا ہوں لام باڑ میں یہ کہہ رہا تھا کہ عورتوں کا تذکرہ ہم لوگوں میں خلاف آداب مجلس ہے مگر میں اس جھوٹی خلاف شرع خلاف مصلحت ادعائی عورت کو مسلمانوں کی بے عزتی کا موجب سمجھتا اور بے محابا آپ صاحبوں کی روبرو کہتا ہوں کہ میں نے نخل سے پہلے تفتیش کی اس میں ایک بات یہ بھی تھی کہ مجھ میں باپشن کی صلاحیت ہے تو فریق ثانی میں ہاں ہشنے کی بھی صلاحیت ہے یا نہیں۔ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اس امر کی تحقیقات محال سے زیادہ مشکل تھی۔ مگر میں نے خیال کیا کہ جو امور جسمانی شناخت سے متعلق ہیں وہ ایک خاندان کے لوگوں میں اکثر یکساں ہوتے ہیں چنانچہ دریافت سے معلوم ہوا کہ اس خاندان کی کل عورتیں ایوا دھیال کی اور کیا ناہال کی سب کثیر الاولاد ہیں۔

یہ باتیں میں نے اس غرض سے بیان کی ہیں کہ گوہر حق نے تحقیقات کے سببے بند کر رکھے ہیں۔ مگر آدمی درپے تفتیش ہو تو بہت کچھ کرسکتا ہے۔ میں نے کیا اور میں افسوس کرتا ہوں کہ دوسرے کیوں نہیں کرتے۔ اوصاف میر خرو صاحب بھی روشن خیال آدمی ہیں۔ انھوں نے بھی یہ حالات کیوں نہ دریافت کیے ہوں گے۔ باسے میری خوش نصیبیوں میں سب سے بڑی خوش نصیبی یہ تھی کہ انھوں نے مجھ کو اپنی فرزندہ میں لینا قبول کیا۔ اور میں نے اپنے تعلق کو اس سے جوڑنا تھا اور اپنی توقع بلکہ تمنا سے بہت زیادہ پایا واللہ اعلم

اس تعلق کی وجہ سے جو دلی میں زیادہ رہنے کا اتفاق ہوا تو مجھ کو افسوس کے ساتھ کہنا پڑا ہے کہ وہاں کے مسلمانوں کی حالت بہت ہی خراب ہے۔ وہ غلغلہ اور کابل میں خود پسند اور مغرور ہیں۔ ان کی بیروں کے فقیر ہیں۔ ان پر باز کرتے اور ترقی کے رستے میں نہ ایک انچ آگے کو سر کے اور نہ ایک انچ آگے کو سر کرنا چاہتے ہیں۔ وہ بڑے تیرہ خیال اور تعصب ہیں۔ ان میں اصلاح پانے کی مطلق صلاحیت نہیں۔ وہ جلی ہوئی رستیاں ہیں مگر ان کے بل جیسے کے پیسے موجود ہیں۔ وہ قومی خیالات بالکل آشنا ہیں۔ شروع سے آخر تک الاما لہ اللہ۔ میں جو بچا تو لوگوں نے شاید دوسرے ہی دن سے از خود بلا تقریب میرے پاس آنا شروع کیا۔ اور آئے تو ایسے جیسے کہ اٹھنے کا نام نہیں لیتے۔ معلوم ہوا کہ ہزاروں آدمی اسی طرح نکتے پڑے پھرتے ہیں۔ بعض تو ایسے بیہودہ خیالات کے تھے کہ ان سے مجھ کو دلی نفرت تھی۔ انھوں نے دیکھا کہ میں ان کے ڈھب پر چڑھنے والا نہیں تو بے دل ہو کر بیٹھ رہا۔ ساری بادی چھٹ چھٹا کر خروہ لوگ رہے جو مولوی یا طالب العلم یا پڑھے لکھے کہلاتے تھے مگر پڑھنا لکھنا وہی اپنے پرانے طور کا۔ لوگوں کی ملاقات کے حالات میں روزنامے میں اکتا گیا ہوں اور کبھی نہ کبھی آپ صاحبوں کو سناؤں گا بھی کیونکہ دل چسپی سے خالی نہیں۔ اس وقت تو مجھ کو اس قدر کناہ ہے کہ دلی والوں میں ہلا کا مذہبی تعصب ہے۔ اور مسلمانوں ہی میں باخود باقصد اختلاف ہے کہ پولیس فوجداری دیوانی کوئی کچھری نہیں جس میں ان کے سہمات دار نہ ہوں۔ ان کے آپس میں تو اتنا اختلاف ہے مگر میرے مسلمان نہ ہونے میں سب کو اتفاق تھا میں حیران کہ اسی میرے

سو نہ سے کفر کا کونسا کلمہ نکلا کہ یہ لوگ مجھ کو مسلمان نہیں سمجھتے۔ آخر معلوم ہوا تو صرف علی گڑھ کالج کا کتب خانہ
 سیرا توجی اُلجھتا تھا مگر یہ لوگ مجھ کو بخشتے ہی نہ تھے۔ اور میری مذہبی معلومات جو تھی سو تھی۔ میں اپنے
 کو سمجھاتا یا نہ سمجھتا۔ گورکھ دھندے کو بیٹھا سلجھاتا۔ تو میں بعض اوقات لاجواب ہو جاتا تھا مگر میں
 بھی اس خیال میں غلطان پہچان رہے لگا۔ بیسیوں مذہبی رسالے دیکھ ڈالے اور شوق ہے کہ بڑھتا
 چلا جاتا ہے۔ پر تسلی نہیں ہوتی۔ خیال کو دل سے دور کرنا چاہتا ہوں تو دور نہیں ہوتا اور طبیعت ہے کہ
 کسی طرف سے نہیں ٹھکتی۔ اقلیدس کی نئی شکلیں اور جبر و مقابلی کی مساواتیں حل کرنے میں الجھن
 پیدا ہوتی ہے جس نے طالب علمی کی ہے وہی اس کی قدر کو خوب جانتا ہے مگر میں آپ صاحب کو
 کو یقین دلاتا ہوں کہ مذہبی الجھن کے آگے میں ساری الجھنوں کو بھول گیا۔ ہر وقت کی سوچ سے بند
 اُچاٹ ہو گئی۔ کھانا کم کھانے لگا۔ قریب تھا کہ میری تندرستی میں خلل آجائے کہ اتنے میں میری بی بی
 نے جن کی نسبت آپ سُن چکے ہیں کہ وہ بچپن سے بہت خواب دیکھا کرتی تھیں اور کبھی اُن کا خواب
 جھوٹا ہوا ہی نہیں میسرے میں ایک بڑا لمبا خواب دیکھا جیسے میں کسی بزرگ کے ساتھ مذہبی
 مباحثہ کر رہا ہوں اور ان بزرگ نے میرے سارے شکوک رفع کر کے میرا پورا اطمینان کر دیا ہے۔ یوں
 تو انھوں نے ہزاروں خواب دیکھے اور سارا شہر اس بات سے واقف ہے مگر ان کے دو خواب بڑے
 عجیب ہیں۔ ایک تو انھوں نے وقت سے پہلے اپنے مانگو کو امتحان تحصیل داری کے سوالات خواب کے
 ذریعے سے بتا دیئے تھے۔ مامو کیپین الہ آباد کے علاقے میں تحصیلدار تھے اور یہ دلی میں خواب میں
 سوالات معلوم ہوئے انھوں نے صبح اُٹھ سوالات قلمبند کر جبرٹری کر امانو پاس بھیج دیئے کسی دن
 بعد امتحان ہوا تو ایک نقطے کا فرق نہ تھا۔ وہ خط جبرٹری کے نفاذ سمیت اس وقت تک تحصیلدار
 کے پاس موجود ہے۔ یہ خواب جو میسرے میں دیکھا اُس سے بھی بڑھ چڑھ کر ہے۔ میں نے
 اس خواب کو زبانی نہیں سُننا چاہا بلکہ اُن سے کہا کہ لکھ دو۔ وہ لکھتی جاتی تھیں اور میں برابر بیٹھا
 ہوا دیکھتا جاتا تھا۔ میسرے جتنے سوالات ہیں جو بات میرے دل میں تھی وہی آگے
 تھی۔ یہ رسالہ جو آپ میرے ہاتھ میں دیکھتے ہیں وہی خواب ہے۔ اور جنہوں نے دیکھا ہے ان ہی کے

باتھ کا لکھا ہوا بھی ہے۔ اس کے مضامین ہی اس بات کا ثبوت ہیں کہ یہ خواب دل سے نہیں بنایا گیا۔ میں خیال کرتا ہوں کہ جنہوں نے یہ خواب دیکھا ہے اس کی بعض باتوں کو سمجھ بھی نہیں سکتیں اگرچہ اس خواب کو میں اُن فوائد میں شمار کرتا ہوں جو نخل کی وجہ سے محکو حاصل ہوئے مگر چونکہ یہ ہر ایک کے نخل کا نتیجہ لازمی نہیں ہے اس لیے میں اس کو کمیٹی میں پیش کرتے ہوئے نال کرتا تھا کہ نہیں معلوم اس کو اغراض کمیٹی میں داخل بھی سمجھیں یا نہ سمجھیں۔ مگر جبکہ اس خواب میں ایسی شے ہوئی ہے کہ آپ سب صاحبوں کو شریکیت بدوین مجھے نہ آگیا۔ اور مطلب بھی ایسا اہم ہے کہ اس سے زیادہ ضروری کوئی مطلب ہو نہیں سکتا۔

غرض میں یہ رسالہ بڑی خوشی سے کمیٹی کی نذر کرتا ہوں اور اگر کمیٹی کی نظر میں بکار آمد ثابت ہو اور اسکے چھپوانے کی صلاح ٹھہرے تو اس کا کاپی رائٹ بھی کمیٹی کی نذر ہے۔

صادق کا بیان سُن کر لوگوں کے شوق تو اس قدر مشتعل ہو رہے تھے کہ چاہے ساری رات ہی کیوں نہ بیٹھنا پڑے مگر خواب ابھی سنایا جائے۔ لیکن گفت و شنود کے بعد آہستہ بہ آہستہ قرار پائی کہ نہیں خواب کو بڑے ٹھیکہ داران سے سننا ہوگا اور عجیب نہیں کسی کسی موقع پر بحث بھی پیش آجائے ختم ہونے تک کمیٹی کے آئندہ اجلاس اسی خواب کے لیے وقف ہیں۔ لوگوں نے بہت تیراچا کہ ان کو کتاب مستعار بھی جائے اور کمیٹی سے خرچ ان کو اس کے پڑھنے اور دیکھنے کی اجازت ہو مگر پریذیڈنٹ نے اس کو منظور نہ کیا اور وہ کتاب تارے میں بند کی گئی جب کمیٹی کا اجلاس ہوتا نکالی گئی۔ سننے اور سُردھتے۔ اس پر بحث بھی اتنی ہوئی کہ کسی مضمون پر نہ ہوئی ہوگی۔ انجام یہ ہوا کہ کمیٹی نے بالاتفاق رزلوشن پاس کیا کہ۔

”جو اس کتاب کی طبعی باتیں بھی نہ جانتا ہو اس کا اسلام کیا“

پھر تو کل کے سنی عالم نے کہا جس کے پاس اس کی ایک چھپی ہوئی کاپی نہ ہو۔ سننا ہی کہ اس کتاب کے کاپی رائٹ سے کلچ میں ہر سال دو تین فری بورڈنگ ہوس تعمیر ہوتے رہتے ہیں اللہ اعلم

نے بڑا زور مارا کہ یہ کتاب کلچ کے مذہبی کورس میں داخل ہو مگر مسلمانوں کے تعصب کے
 آگے کسی کی پیش نہ گئی۔ لیکن کب تک۔ بہر کیف اس وقت تو کلچ کے مافی کے مذہبی دہشت
 دکھانے کے ان کی پرانی کتابیں ہیں اور دکھانے کے یہ کتاب۔ اس خواب کے متعلق ایک
 عجیب بات اور ہے کہ اس کے بعد صادق کے خوابوں کا سلسلہ آپ سے آپ بھل
 منقطع ہو گیا۔ وہ اور اس کے لواحق بہتیرا چاہتے تھے کہ وہ کوئی خواب دیکھے مگر
 دکھائی دے تو دیکھے۔ جس غرض سے اس کو یہ نعمت دی گئی تھی کہ اس
 کے آخری خواب کے اس کے شوہر کو خصوصاً اور مسلمانوں کو
 عموماً فائدہ پہنچے۔ سو پہنچا۔ اب اس کو خواب نظر آئیں
 کیوں اور لوگ منتظر ہیں کس بے ڈھڈھ

کتاب محمد اللہ بن حفص



فہرست مضامین روایات صادقہ

مضمون	صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر
فصل ۱۔ تہذیبی طور پر صادق کی تقریر اور اس کے خواب دیکھنے کی عادت	۲	صاوقہ کا مذہبی خواب۔ عقل انسان کی نارسائی	۱۰۶
فصل ۲۔ صادق کا ایک عجیب خواب	۵	صاوقہ کا مذہبی خواب۔ انسان کی بے حقیقتی	۱۰۸
فصل ۳۔ خواب دیکھنا صادق کے حق میں مضرب وار	۷	صاوقہ کا مذہبی خواب۔ دینی خیالات کا سلسلہ	۱۰۹
فصل ۴۔ صادق کا انتظام خانہ داری	۱۰	صاوقہ کا مذہبی خواب۔ مذہب کی ضرورت	۱۱۲
فصل ۵۔ بیاہ کے بارے میں صادق کے خیالات	۱۳	صاوقہ کا مذہبی خواب۔ عاقبت کا یقین انسان کی فطرت میں	۱۱۵
فصل ۶۔ صادق کے بیاہ کی چھٹی چھاڑ	۱۸	صاوقہ کا مذہبی خواب۔ مذہب کا خلاصہ	۱۱۸
فصل ۷۔ صادق کی طرف سے شادی کا رتبہ کئے کر		صاوقہ کا مذہبی خواب۔ عبادت کی لم	۱۱۹
رتبہ اور واقعہ میرا باپ راسی ہیں ہلنگدھ کا بچ کا غصہ حال اور نکاح کے		صاوقہ کا مذہبی خواب۔ شریعت نصف دین ہے	۱۲۲
بارے میں لوگوں کی رائیں	۲۱	صاوقہ کا مذہبی خواب۔ عاقبت	۱۲۸
فصل ۸۔ صادق صادق کے بیاہ کے بارے میں صادق کے بیکے		صاوقہ کا مذہبی خواب۔ مذہبی مباحثہ بڑی بڑی بات	۱۲۹
دالوں کی صلاحیتیں	۵۲	صاوقہ کا مذہبی خواب۔ دین کا دستور عمل	۱۳۹
فصل ۹۔ صادق کی جہانی کے خیال کے بارے میں اور پناہ		صاوقہ کا مذہبی خواب۔ مذہبی شکوک اور ان کا دفعہ	۱۴۰
بی کی کوئٹلی دیتے ہیں	۵۹	صاوقہ کا مذہبی خواب۔ متقلروں غیر متقلروں کے جھگڑے	۱۴۳
فصل ۱۰۔ صادق کا بیاہ	۶۷	صاوقہ کا مذہبی خواب۔ سنی شیعہوں کا اختلاف	۱۴۵
فصل ۱۱۔ دہلی کے مسلمانوں کی سوسائٹی	۷۱	صاوقہ کا مذہبی خواب۔ فرقہ صوفیہ	۱۵۷
فصل ۱۲۔ صادق اور مذہب	۸۵	صاوقہ کا مذہبی خواب۔ نیچری فرقہ	۱۸۲
فصل ۱۳۔ عقل مذہب	۹۱	صاوقہ کا مذہبی خواب۔ دعا	۱۸۹
فصل ۱۴۔ صادق کا مذہبی خواب خدا اور اس کی وحدانیت اور وحدت	۹۹	صاوقہ کا مذہبی خواب۔ وحی اور معجزات	۱۹۱

مختصر فہرست دوکان محمد یحییٰ تاجت بازار دیر کلاں

<p>تاریخ جنگ سوڈان یہ مشہور معروف تاریخ جنگ سوڈان کی طیارہ بگلی ہے۔ مسلمانین نصف آرائی کے نہایت ہی دل پس ہیں اسلام کی قوت و دیریز شجاعت اور عسکر آرائی کا ظہر معلوم ہے اور علم و فضاویہ بی بی گئی ہیں جس سے دو بالالطف ہو گیا ہے حقیقت میں اس مشہور تاریخ کا عجیب کیفیت دکھا تا ہے جس تاریخ کا ہمارے برادران اہل اسلام بہت شوق و علاوہ اب طیارہ سے قیمت</p> <p>تاریخ عثمانیہ مستز سلطنت عثمانیہ کی نہایت دل چسپ اور پوری تاریخ الملوک یہ اقبال نامہ ترک محمد سلیمان عثمانیہ کے کامل حالات و معرکہ عظیم قدیم و جدید دل چسپ کے ساتھ سلیس اردو زبان میں طیارہ سے کل خاندان عثمانیہ حضرت سلطان العظمیٰ خلاصہ ملکہ کے ۳۵ قصا دیو پر ہے صفحہ کی قیمت</p> <p>تاریخ نادری سوانح عمری حکام سے روئے زمانہ متقدمین و متاخرین یونان و عرب و فارس و ہندوستان و ہندوستان کے عبرت انگیز واقعات و حکمت انصاف آمیز لیسے دل چاہنے والی نہیں ہیں کہ اگر اہل بصیرت ان کو لوح دل پر لکھیں اور اہل نظر شکل کھلیں جو اہل بصیرت پر رکھیں تو یہ عجیب و غریب دل چسپ اور مفید یا تصدیق رکھتا ہے قیمت فی جلد</p>	<p>تاریخ البلیس یہ بھی ایک قابل دید تاریخ ہے اور قیمت بھی کچھ زیادہ نہیں ہے صرف شعری شری عشق یہ شعری عشق کو شری عشق شہری حال میں تصنیف ہوئی ہے قیمت مجموعہ سراج الرقیم یہ قصہ حضرت اصحاب کون کے تذکرے میں ہر معجزہ قصہ بہت عمدہ قابل دید ہے قیمت لطیفہ زرافت یہ طیفہ معروف بہ شگوفہ زرافت بہت عمدہ کتاب قابل دید ہے جلد اول - یہ بھی ایک عمدہ کتاب ہے اور شہری احمد حسین صاحب قلم مصنف طلسم موش باکی تصنیف سے ہے جن صاحبوں نے موش را کو دیکھا ہے وہ اس کو بھی لا حظ فرمائیں قیمت طلسم موش افشا یہ ایک دہکستان ہے ہر سے مزے کی قابل دید قیمت گلہ سہ محاورات اس کتاب میں بہت اچھے محاورات درج ہیں قیمت مجموعہ لکچر سر سید احمد خان اس میں سر سید احمد خان صاحب طرے عمدہ لکچر ہیں قیمت تاریخ جلسہ قیصری دہلی کے مشہور و بار قیصری پورے کیفیت جو کچھ انداز میں ہوا اتنا ہی قصا دیو کی قیمت عزائب نگار اس کتاب میں کل فکر معاش کے عکس نقشے ہیں قابل دید کتاب ہے</p>	<p>مسلمانوں کی گزشتہ تعلیم یہ کتاب بھی عمدہ ہے اس میں لکھی گئی ہے اس میں مسلمانوں کی تعلیم کے حالات ہیں قیمت شب التواضع اردو اور سکھ و سیکھو و سیکھو کے طلباء کے لیے نہایت بکال ہے قیمت مجموعہ سراج الرقیم یہ قصہ حضرت اصحاب کون کے تذکرے میں ہر معجزہ قصہ بہت عمدہ قابل دید ہے قیمت لطیفہ زرافت یہ طیفہ معروف بہ شگوفہ زرافت بہت عمدہ کتاب قابل دید ہے جلد اول - یہ بھی ایک عمدہ کتاب ہے اور شہری احمد حسین صاحب قلم مصنف طلسم موش باکی تصنیف سے ہے جن صاحبوں نے موش را کو دیکھا ہے وہ اس کو بھی لا حظ فرمائیں قیمت طلسم موش افشا یہ ایک دہکستان ہے ہر سے مزے کی قابل دید قیمت گلہ سہ محاورات اس کتاب میں بہت اچھے محاورات درج ہیں قیمت مجموعہ لکچر سر سید احمد خان اس میں سر سید احمد خان صاحب طرے عمدہ لکچر ہیں قیمت تاریخ جلسہ قیصری دہلی کے مشہور و بار قیصری پورے کیفیت جو کچھ انداز میں ہوا اتنا ہی قصا دیو کی قیمت عزائب نگار اس کتاب میں کل فکر معاش کے عکس نقشے ہیں قابل دید کتاب ہے</p>	<p>رحمہ اللہ سے شرح المصنوعہ بشرح حال المولے فی القیصری تذکرہ المولیٰ والقبور تاریخیہ آثار شہداء اللہ فی القیصری الممالک مال الممالک قیصریہ المملوۃ المصنوعہ اور کئی مشہور کتابوں کے عربی سے اردو سلیس زبان میں عمدہ ترجمے سے قیمت غنیۃ المطالبین حضرت غوث الاعظم صاحب سبائی قلوب راہی مولانا فتح عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز کی مشہور کتاب جس کی زیادہ توصیف و تعریف کی ضرورت نہیں ہمارے پاس عمدہ ترجمہ اردو سلیس و صاف و سوجوہ سے قیمت حالات تانیا جیل تانیا جیل مالک مشہور ملکہ مشہور واکو کے حالات کا لکچری کتاب ہے اردو میں سربیکار کیا گیا ہو سکری رپورٹوں اور عدالت کی مشاغل سے مرتب کی گئی ہے جس میں اسید ہے کہ یہ کتاب نہایت مفید اور دل چسپ ثابت ہوگی اور موجودہ زمانہ کے ناولوں و رسما بڑھ کر ہے کیونکہ اس میں اصلی واقعات ہیں اور ان میں اکثر زنجیری زمانہ کا الٹ سپرور اجاب کے برتاؤ کا فوٹو لکھو تھے ہر جگہ کا بلا اعتبار کسی پر ہر ہر و سکا کرنے کے خواب تلخ جزی ظاہر ہو گئے اس ڈاکو کی گرفتاری میں ہو سکی کی سرگرمی اور کوششوں کا طریقہ اور سرخ رسی کی تدبیر نہایت عمدہ ہے اس میں بھی قیمت حالات تانیا جیل تانیا جیل مالک مشہور ملکہ مشہور واکو کے حالات کا لکچری کتاب ہے اردو میں سربیکار کیا گیا ہو سکری رپورٹوں اور عدالت کی مشاغل سے مرتب کی گئی ہے جس میں اسید ہے کہ یہ کتاب نہایت مفید اور دل چسپ ثابت ہوگی اور موجودہ زمانہ کے ناولوں و رسما بڑھ کر ہے کیونکہ اس میں اصلی واقعات ہیں اور ان میں اکثر زنجیری زمانہ کا الٹ سپرور اجاب کے برتاؤ کا فوٹو لکھو تھے ہر جگہ کا بلا اعتبار کسی پر ہر ہر و سکا کرنے کے خواب تلخ جزی ظاہر ہو گئے اس ڈاکو کی گرفتاری میں ہو سکی کی سرگرمی اور کوششوں کا طریقہ اور سرخ رسی کی تدبیر نہایت عمدہ ہے اس میں بھی قیمت</p>
--	---	---	---

نام کتاب	نام کتاب	نام کتاب	نام کتاب
سرسری چشتی اجمیری	مناسب - عرض پر چھوٹا	فہمہ دیوار اس کتاب	نظر آتے ہیں قیمت
الکامون بھی سولہ عمری	ناول قابل دید ہے	میں عجیب و غریب طبعی	سید و فاماہیت ہی پر اثر
خلیفہ ناموں سید	ناظرین - آپنے ناول تو	ہیں	اور دہلیز قصہ اس میں
دفعہ کار محاسن شستہ	بہت دیکھے ہوں گے مگر	اسلام و مسلمانیت	تاریخ سے لیکر دہلی کی وضع
زبان چست بندش پاکیزہ	ایک ذرا اسکو بھی ملاحظہ	و تقریباً یہی ناول	پر لکھا گیا قیمت
خیالات چھتے ہوئے	فرمایے کلیجہ تمام کر رہا	میں شہ کے خد کے خالا	درگیش نندانی ہی یہ وہ
فقر سے بوزدہستان	تو ہمارا زمرہ شروع کر کے	اور ایک شریف خاندان کی	ناول ہے جس میں راجہ اجمیر
در انگیز کہانی جیتی جاگتی	ختم کیے بغیر چھوٹے کوچی	تباہی - قیمت	کی بہادری اور مسلمانوں
تصویریں عشاق کی شکست	نہ چاہیگا - چاکر نوجوان	حسن خلیب نہاد وہ ناول ہے	کی سچی حقیقت اسلامی اور
وصائب کا فوٹو - زمانہ	مصنف کتاب کی محنت و	جس میں ترکوں کے رویوں	ایک پار سادھت کا سچا
کے نسیب و راز کی نیکیاں	حافظتانی قابل ادا ہے	کی لڑائی اور ایرانیوں کا	عشق وغیرہ درج ہے
جذاب الفت - اثر محبت	ہمارے کہنے سے دیکھئے	جوش اسلام سے ترکوں	دنگش حیلوں پر ناول
کشمکش دل پھر آخر پاکار کی	پڑھیے! اضر پڑھیے!	کی تد کو آنا اور رویوں	بھی قابل دید ہے شروع
نیکی اور محبت کے صلہ میں	قیمت کا غزو لاتی	ہر کو متوا تر زکیں دیکھ کر ان پر	کو تو بغیر ختم کیے ہیں نہیں
کا بیابی نہ صرف دل لگی	کا غز سادہ	فتہ عاتیں حاصل کرنا	دنگش حصہ دوم
اور چھاپی بلکہ سیدگی اور	دلربائیے ایک خیر نصیب	مستور و موبنا یہ وہ ناول	
شانت کو بھی ساتھ لیئے	کی پھر کہانی عاشق و لک	ہے جس میں سلطان محمود غزنو	
ہوئے نہ صرف عشق کے	کی فوسناک سگر گشت	کے جوش اسلامی اور ہند	
جنوں پیدا کرنے والے خباثت	عصمتی یہ بھی ایک نہایت	راجہ اجمیر کی بہادری کی	
ہی بلکہ عبرت انگیز اور دانائی	عمدہ ناول ہے	سچی تصویریں نظر آتی ہیں	
کا سہی دینے والے حالات	قدیم لندن کی راز داریاں	ملک العزیز و حبا یہ وہ	
بھی خذہ و گریہ بھی اپنے اپنے	تذکرہ حالات روس	ناول ہے جس میں اسلامی	
سوق پر نہایت موزوں اور	روس انگلستان	دشوکت کے بیظیر نمونے	

روشنائی لاثانی

جلد حضرات کی خدمت میں عرض ہے کہ کان حافظ محمد سخی و محمد عمر روشنائی لاثانی فروشنش دہلی بازار دیہہ کلاں سے ہر قسم کی روشنائی اور قلم ہر قسم کے دہلی اور دیہہ کلاں وغیرہ بکھائی ہوئے

روشنائی لاثانی کے فروشنش کا کوئی دوسرا نام لاثانی ہے نہ دہلی و دیہہ کلاں میں نہ کہ کوئی اور جگہ

CALL No. { 2913 2 33 } ACC. NO. 46494
 AUTHOR Siddiqi
 TITLE Shah Waliullah

T 220 4.09

MAULANA AZAD LIBRARY

THE BOOK MUST BE CHECKED AT THE TIME
 OF ISSUE



MAULANA AZAD LIBRARY ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY

RULES:-

1. The book must be returned on the date stamped above.
2. A fine of Re. 1-00 per volume per day shall be charged for text-books and 10 Paise per volume per day for general books kept over-due.

